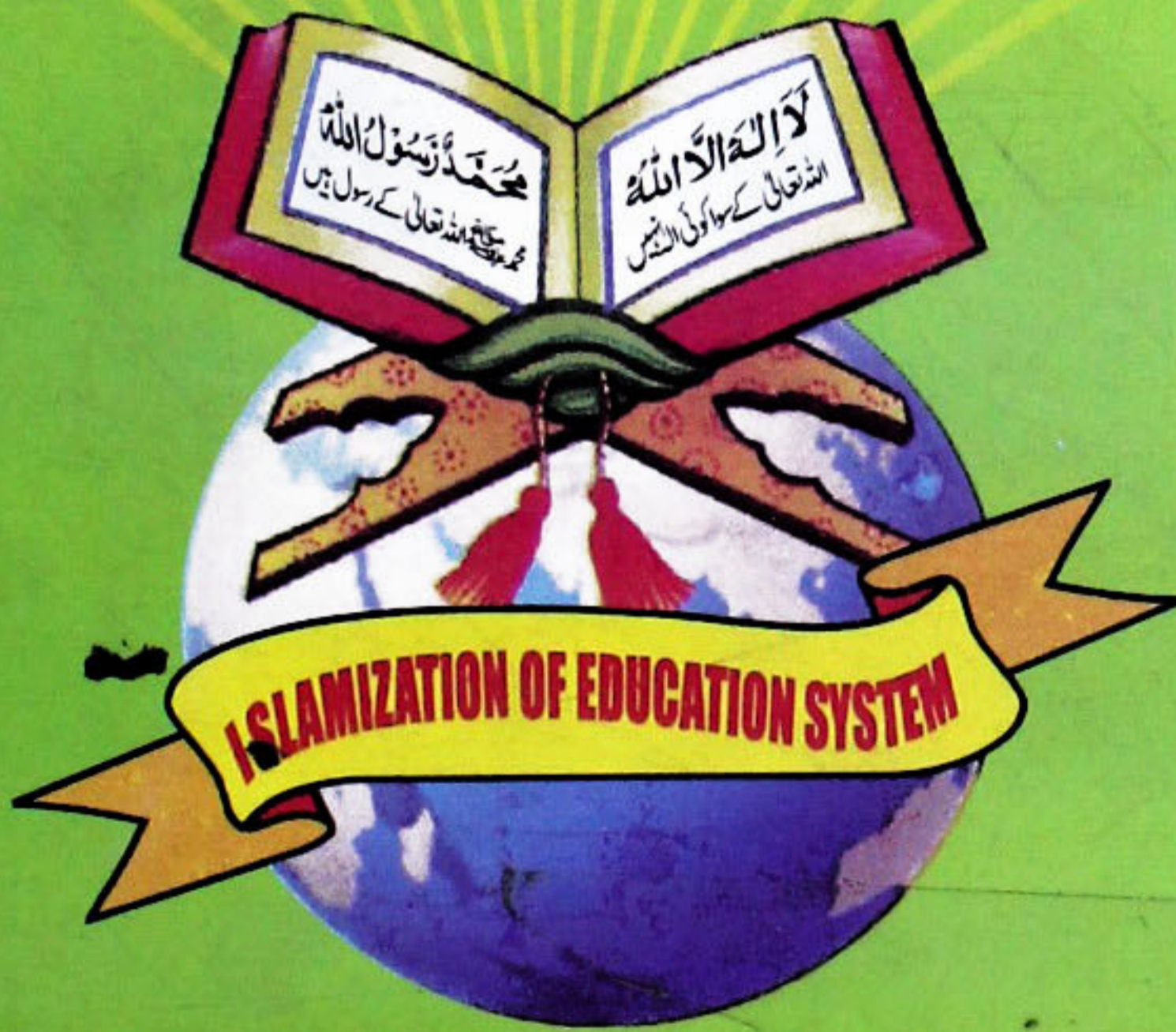


اسلام میں حلت و حرمت کی حقیقت

ایک تحقیقی مطالعہ

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ



ظفر اقبال خان

لامیہ حویلی بہادر شاہ جہنگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام میں حلت و حرمت کی حقیقت

ایک تحقیقی مطالعہ

ظفر اقبال خان

ادارہ اسلامیہ حویلی بہادر شاہ جھنگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

۲۹۷۶۳۱

اسلام میں حلت و حرمت ایک تحقیقی مطالعہ

۲۵

کتاب

۷۵۲۶۲

ظفر اقبال خان

مصنف

جنوری 2007ء

اشاعت اول

1000

تعداد

150 روپے

قیمت

اسلامائزیشن انسٹیٹیوٹ حویلی بہادر شاہ جھنگ

کمپوزنگ

اے ڈی خان سیال

کمپوزر

ادارہ اسلامیہ حویلی بہادر شاہ جھنگ

ناشر

فہرست مندرجات

۲	حلت و حرمت اور نجات	تقدیم
۸	مقصد حیات انسانی اور وسائل	باب ۱
۱۰	مقصد کے حصول کے لیے آسان طریقہ	
۱۱	دنیا اور آخرت کی حیات کا فرق	
۱۲	جنت کی نعمتوں کی حقیقت	
۱۳	مال دینے کے بعد قلوب میں خوف	
۱۴	تالیف القلوب اور دولت	
۱۵	انسانی معاش کے قرآنی اصول	
۱۹	مومن اور بے دین کے رزق کا فرق	
۲۶	اسلامی نظام معیشت کی اساس	باب ۲
۲۶	اسلامی نظام معیشت کے اساسی تصورات	
۳۱	اسلام کا اقتصادی نظام	باب ۳
۳۱	اسلامی نظام اقتصادیات کے نمایاں پہلو	
۳۹	اسلام کا فلسفہ حلت و حرمت	باب ۴
۳۹	اسلام میں حلت و حرمت کی تین اقسام	
۴۱	حلت و حرمت قرآن کے تناظر میں	
۴۳	حلت و حرمت حدیث کے تناظر میں	
۴۴	حلال اشیاء کی حرمت کے مختلف طریقے	
۴۷	حلت و حرمت کے ذرائع	باب ۵

حرام ذرائع رزق کی اقسام

حرام رزق کے نتائج

باب ۶ اسلام میں کسب حلال و حرام کی حقیقت

کسب حلال اور قرآن

کسب حرام کی ممانعت اور قرآن

کسب حلال حدیث کے تناظر میں

کسب حلال کے فوائد و ثمرات

حلال کمائی کے فضائل

سلف صالحین کے کسب حلال پر دلچسپ واقعات

انسان کا کن صورتوں میں کمانا ضروری ہے

کسب حلال کیوں ضروری ہے؟

کسب حلال کے لیے پانچ باتیں

کسب حرام سے پرہیز کیوں ضروری ہے؟

حرام مال کے کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی

حرام کمانے والا جہنم میں جائے گا

حرام مال کے کھانے سے نماز بھی قبول نہیں ہوتی

کسب حرام سے پرہیز نہ کرنے پر اکابرین کے اقوال

ساری کائنات کا رزاق حقیقی کون؟

بغیر کمائے متوکل بننے سے بھی اللہ رزق دیتا ہے

کسب حلال سے پہلے اس کے مسائل کا سیکھنا ضروری ہے

کسب حلال کے شرعی اصول و ضوابط

رزق حلال کی فضیلت

۸۵

کسب مال حلال کے مراتب اور درجات

۸۶

۸۷

حلال و حرام پاک و ناپاک اشیاء

۸۸

حرام کی چار اقسام

۹۰

حرام مال میں گناہ کے اسباب

۹۱

حرام غیر مملوک کا حکم

۹۱

حرام غیر مملوک پاک مال سے مخلوط ہو جائے

۹۲

حرام مال سے بچنا واجب

۹۳

مشتبہ مال کا حکم

۹۵

مشتبہ مال کے متعلق متاخرین کی رائے

۹۷

حرام مال سے قیمت ادا کرنے کا حکم

۹۸

ملک حلال کے چھ اسباب

۹۹

حلال پسند کرو اور حرام سے اجتناب

۱۰۰

باب ۷ اسلامی نظام میں زکوٰۃ و عشر کی حقیقت

۱۰۱

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

۱۰۱

زکوٰۃ کے چند اہم نکات

۱۰۴

زکوٰۃ کی مدت کے جدید تقاضے

۱۱۳

عشر کی تعریف

۱۱۳

عشر زکوٰۃ اور آئمہ کرام

۱۱۴

زکوٰۃ اور عشر میں فرق

۱۱۵

زکوٰۃ و عشر اور قرآن

۱۱۸

موسن کا نقطہ نظر

۱۱۸

اسلام کا تصور ملکیت

۱۲۳

پاکستانی کرنسی کی قیمت میں کمی

۱۲۴

دولت اور وزن کے کم کرنے کا عذاب

۱۲۷

حفاظت الہی کی ایک مثال

۱۳۰

زکوٰۃ کے مصارف

۱۳۰

شرائط زکوٰۃ

۱۳۱

زکوٰۃ کے آداب

۱۳۲

مستحقین کی صفات

۱۳۳

زکوٰۃ لینے والے کے آداب

۱۳۴

نقلی صدقہ اس کی فضیلت اور آداب

۱۳۵

دنیا کی اندھی محبت اور زکوٰۃ

۱۳۶

نظام زکوٰۃ و عشر ایک نظر میں

۱۳۹

اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف کے اصول

باب ۸

۱۴۱

انفاق فی سبیل اللہ حدیث کے تناظر میں

۱۴۲

انفاق فی سبیل اللہ کے آداب و ضوابط

۱۴۶

غربت میں دوسروں پر ایثار

۱۴۷

معیار قبولیت و رضاء الہی

۱۴۷

نیکی میں مال خرچ کرتے کا طریقہ

۱۴۸

انفاق فی سبیل اللہ کی برکات

۱۴۹

اللہ صرف معبود نہیں محبوب بھی ہے

۱۵۰

نیکی اور عمل

۱۵۲

اسلام میں خیرات کرنے کا طریقہ

- ۱۵۳ نیکی میں مسارعیت کا حکم
- ۱۵۷ دنیا میں نیکی کی مشکلات
- ۱۵۸ مشکلات کا تقابل
- ۱۵۸ ہر انسان کا عمل رہن ہے
- ۱۵۹ فی سبیل اللہ آمد کے مصارف اور عصری تقاضے
- ۱۶۰ جہاد فی سبیل اللہ کی اقسام
- ۱۶۲ جہاد اصغر کی اقسام
- ۱۶۳ جہاد بالمال اور قرآن
- ۱۶۵ جہاد بالقلم
- ۱۶۶ جہاد بالقلم کے مختلف محاذ
- ۱۶۷ مجلس الجمع الفقہی الاسلامی کا فیصلہ
- ۱۷۰ جامعۃ الازہر کا فتویٰ
- ۱۷۲ فتویٰ کمیٹی کی رائے
- ۱۷۲ علامہ یوسف قرضاوی کی رائے
- ۱۷۵ اسلامی طرز تجارت باب ۹
- ۱۷۵ لغوی اور اصطلاحی مفہوم
- ۱۷۵ اہمیت تجارت
- ۱۷۶ تاریخی پس منظر
- ۱۷۸ تجارت احادیث کے تناظر میں
- ۱۸۱ اسلامی تجارت کے چند اصول
- ۱۸۷ تجارت سے پہلے مسائل کا سیکھنا
- ۱۸۸ تجارت کی شرائط

باب ۱۰ فلسفہ سود کے اسلامی معاشرہ پر اثرات

۱۹۳

۱۹۳

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۷

۲۰۵

۲۰۵

۲۰۵

۲۰۸

۲۰۸

۲۰۸

۲۰۸

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۰

لغوی واصطلاحی مفہوم

بیع اور ربوہ میں اہم فرق

ربوہ قرآن کے تناظر میں

ربوہ حدیث کے تناظر میں

سود کی مختلف اقسام

ربوہ عہد جاہلیت میں

سود کے مختلف مفاسد

سود کی حرمت اور انجام

سود خور کی موت

سود کے متعلق قرآنی احکام

باب ۱۱ حلت و حرمت قرآن کے تناظر میں

مادہ کی تین حالتیں۔ ٹھوس، مائع، گیس

ٹھوس کی اقسام۔ جمادات، نباتات، حیوانات

نباتات قرآن کے تناظر میں

حیوانات قرآن کے تناظر میں

حیواناتی جانداروں کی تین اقسام

(بری، فضائی آبی جانور)

بری جانور۔ (خشکی پر رہنے والے)

بری جانوروں کی چال کے لحاظ سے اقسام

پیٹ کے بل چلنے والے۔ دو پاؤں پر چلنے والے

- چار پاؤں پر چلنے والے
- ۲۱۰ چار پاؤں پر چلنے والے جانوروں کی اقسام
الجوارح (درندے) الانعام (چرندے)
- ۲۱۱ الانعام کی دو قسمیں
- ۲۱۲ بہیمۃ الانعام اور غیر بہیمۃ الانعام
- ۲۱۴ بہیمۃ الانعام کی پہچان
- ۲۱۴ آیۃ حلت بہیمۃ الانعام
- ۲۱۳ بہیمۃ الانعام آیات کی تفسیر
- ۲۱۷ حلال جانوروں کی کچھ اشیاء حرام ہیں
- ۲۱۹ فضائی و بری جانور
- ۲۲۱ آبی جانور
- ۲۲۳ مچھلی کے ذبح کا مسئلہ
- ۲۲۴ بلوں میں رہنے والے جانور
- ۲۲۶ مابعات کی حلت و حرمت
- ۲۲۷ پانی کی حلت و حرمت
- ۲۲۹ شہد کی حلت و حرمت
- ۲۲۹ عام مشروبات کی حلت و حرمت
- ۲۳۰ انڈے کی حلت و حرمت کا مسئلہ
- ۲۳۲ چند اعتراضات کے جوابات
- ۲۳۶ گیس
- ۲۳۸ تبصرہ کتب توحید نمبر ۲، ۳، ۴۔
- ۲۳۱ نظم بشیر احمد بشیر

اسلام میں حلت و حرمت ایک تحقیقی مطالعہ

تقدیم

حلت و حرمت اور نجات

اسلام میں جو نیکی بھی کی جاتی ہے خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی اسے اطاعت اور عبادت کہتے ہیں عبادت کے لیے ضروری ہے کہ عابد کے سامنے معبود حقیقی بھی موجود ہو ایسا کہ نعبد میں عابد، عبادت اور معبود کے تلازم کو بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان کا عقیدہ توحید کے بارے میں صحیح نہ ہوگا اس کا کوئی اچھا عمل بالکل قبول نہ ہوگا ایسی نیکی کا دنیا میں کوئی اثر اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی جزا مرتب ہوگی لہذا صحیح عقیدے کے بغیر ہر عمل ناقص ہے۔

دوسرا نیکی کی قبولیت کا معیار اطاعت رسول ہے لہذا جب امت کے سامنے مطاع کا صحیح تشخص ہی نہ ہوگا ایسی صورت میں جو عمل بھی کیا جائے گا کارت ہی ہوتا چلا جائے گا مسیحیت کا حشر آپ کے سامنے ہے کہ وہ اپنے رسول کے ساتھ کس طرح عقیدت کا اظہار ابیت اور الوہیت کے ساتھ کرتے ہیں جس سے ساری مسیحی امت شرک میں گرفتار ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ شرک اور باطل عقیدے کے تحت جس قسم کی بھی عبادت اور نیکی کی جائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں ہوتی نیز آجکل نیکی کو رسمی ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے نہ ہی یہ صحیح عبادت ہے اور نہ ہی اطاعت۔

تیسرا نیکی کی قبولیت کا انحصار تقویٰ پر ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (۲۷:۵)

”اللہ تعالیٰ متقین کے اعمال قبول کرتا ہے“ تقویٰ کا دار و مدار رزق حلال پر ہے۔ قرآن سے صرف متقی انسان ہی مستفید ہو سکتے ہیں نیکی کی قبولیت کی شرط رزق حلال پر رکھی گئی ہے اس کتاب میں رزق حلال اور حرام کے فوائد و نقصانات بتائے گئے ہیں۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ (۹۶:۱۶)

”جو مال تم اس دنیا میں جمع کر رہے ہو وہ مسلسل ختم ہو جائے گا

اور جو کچھ تم اللہ کے پاس جمع کر رہے ہو وہ باقی رہے گا“

جہاں نیکی میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے وہ محبت اور معرفت الہی پر ہے لہذا جتنی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ ہوگی مال کی قبولیت کا معیار اتنا زیادہ اچھا ہوگا سوال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے اموال کو کس طرح جمع کر سکتے ہیں۔

﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) اور دوسری جگہ واتی المال علی حبہ۔۔۔ وہ اللہ کے ساتھ اپنی محبت ظاہر کرنے کے لیے اپنے مالوں کو مسکینوں یتیموں اسیروں اور بے بسوں پر خرچ کرتے ہیں ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ﴾ (۲:۲۱۵) ”محمد ﷺ سے پوچھتے ہیں خرچ کہاں کرنا ہے محمد ﷺ فرمادیتے آج جتنا بھی بھلائی میں خرچ کریں گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے پالیں گے“ اللہ تعالیٰ کے پاس مال جمع کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل حوائج کی ضروریات پوری کرتے رہو اس طرح تمہارا مال اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہوتا رہے گا لہذا صاحب ثروت انسانوں پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مستحقین کا خاص خیال رکھیں۔

کائنات میں سب سے زیادہ مکرم مخلوق انسان ہے اس تکریم کے ساتھ اسے اس لیے تخلیق کیا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کر کے عبادت کریں۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (۵۱:۵۶) انسان اپنی بقاء و حیات کے لیے کائنات کی جتنی اشیاء استعمال کرتا ہے یہ تمام اشیاء بھی اس کے لیے تخلیق کی گئی ہیں تاکہ ان وسائل کو استعمال کر کے اپنے مقصد تخلیق کو آسانی کے ساتھ حاصل کر سکے دیکھئے! اس آیت میں وسائل اور مقصد تخلیق کو کس طرح جمع کر دیا گیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (۵۱:۲۳)

”ہم نے تمام رسولوں کو حکم دیا کہ بقاء حیات کے لیے طیب رزق استعمال کرتے رہو ان نعمتوں کے استعمال کے بعد جو تمہارے اندر ایک قوت پیدا ہوگی اس قوت کے ذریعے نیک اعمال کرتے رہو“

قاعدہ ہے کہ انسان جب غذائی اشیاء استعمال کرتا ہے تو اس کے بعد اس کے وجود میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے اس کے بعد وہ قوت تقاضا کرتی ہے کہ حرکت کر کے کسی کام کی تکمیل کرے اب وہ اپنے لیے جس عمل کا بھی انتخاب کرے وہ قوت محرک ہو کر اس کام میں مصروف ہو جائے گی عمل کی صرف دو صورتیں ہیں یا وہ عمل خیر کی صورت میں ہوگا یا شر کی صورت میں اب انسان اپنی اس قوت کو اگر شر کے

عمل میں استعمال کرے گا تو اس میں جائز و ناجائز حلال و حرام اور ظلم و عدل میں بالکل تمیز نہ کرے گا جیسے نماز پڑھنے کے لیے وہ کپڑا بالکل استعمال نہ کرے گا جس پر کوئی ناپاک لگی ہوئی ہوگی لیکن شراب پینے کے لیے وہ اپنے پاک و ناپاک ہونے کا ذرا بھی خیال نہ کرے گا۔

مسلمان کو چونکہ ایک اعلیٰ مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اس لیے اس کے معاشی وسائل میں شرعاً اتنی قیودات کی پابندیاں لگائی گئی ہیں کہ وہ ایک خس کے برابر بھی کسی دوسرے کی حق تلفی نہیں کر سکتا لیکن انسان جو اپنی زندگی میں اس مقصد کو بھول جاتا ہے تو اس کی انسانیت حیوانیت کی سرشت میں تبدیل ہو جاتی ہے اب اس کا محور حیات صرف اس کا اپنا پیٹ بن جاتا ہے اس کے لیے جتنے وسائل بھی حاصل کرتا ہے انہیں صرف اپنے پیٹن کی تعمیر میں خرچ کرتا رہتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾ (۱۲:۲۷)

”جو انسان کفر کی وجہ سے اپنے مقصد حیات کو بھولے ہوئے ہیں وہ اپنی زندگی کو تعیش کے انداز میں گزارتے رہتے ہیں اور وہ اپنے پیٹ بھرنے کے لیے اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے اندھا دھند کھانے میں لگ جاتے ہیں ان کے مطمع حیات میں چونکہ آخرت کا تصور موجود ہی نہیں ہوتا اس لیے موت کے بعد ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہوگا“

حیوان جس طرح اپنا پیٹ بھرتا ہے اسے بے دین کے پیٹ کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ حیوان کی جبلت میں پیٹ بھرنے کے لیے کوئی قاعدہ اور قانون سامنے نہیں ہوتا جو شے اس کے سامنے آ جاتی ہے منہ کھول کر فوراً اسے کھانا شروع کر دیتا ہے حیوان کی خصلت یہی ہے اس طرح انسان بھی جب اپنے معاشی وسائل کو اپنے بنیادی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرتا پھر وہ ان معاشی وسائل میں ہر قسم کے غلط طریقے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا وجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک مورد غضب بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کسی نہ کسی مہیب ورطے میں پریشان کیے رکھتا ہے جیسے

﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحِلَّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوِيَ﴾ (۸۱:۲۰) ”ہمارے طیب رزق میں سے کھاؤ اور اس نعمت میں سرکشی نہ کرو“

ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو جائے گا جو غضب علیہ ہوا وہ تباہ ہوا“

اس کی زندگی جہنم کی زندگی جیسی ہو جائے گی غضب رحمت کی ضد ہے

﴿فَيَذِخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ﴾ (۳۰:۲۵) ”ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا“

(۲) اس اعراض کی وجہ سے اس کی زندگی ہر قسم کی طمانیت اور سکون سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کے وسائل میں تشقت اور بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي﴾ (۱۲۲:۲۰) ”جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا“

(۳) وہ حصول رزق کے لیے انسانوں کے ساتھ دھوکہ اور ہر قسم کے باطل طریقے استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے اگرچہ وہ شخصیت اور علم کے کتنے ہی درجے پر فائز کیوں نہ ہو فریب کاری سے باز نہیں آتا ﴿لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (۳۴:۹) ”جو انسانوں کا مال باطل طریقہ سے کھاتے ہیں“ اس کی فکری بصیرت کے سارے ذرائع چونکہ حیوانی جبلت میں تبدیل ہو جاتے ہیں اس لیے اب وہ حق کی کسی صحیح بات کو بالکل قبول نہیں کرتا۔

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾

(۴۴:۲۵) ”کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ یہ تو چوپایوں کی مانند

ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے“ ایک اور مقام پر آتا ہے: ﴿وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ

أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا وَلَكِن كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (۱۷۹:۷) ”ان کی آنکھیں ہیں جن

سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں یہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی

زیادہ گمراہ ہے“ قرآن سے صرف وہی مستفید ہو سکتا ہے جس میں تقویٰ اور ایمانی بصیرت پائی جاتی

ہو ﴿وَذَكَرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۵۵:۵۱) ”اے رسول ﷺ تم مومنین کو تبلیغ کی

نصیحت کرتے رہو کیونکہ یہی ذکر الہی مومنین کو نفع پہنچاتا ہے“

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے حیوان نما انسانوں سے بہت ہی محتاط رہنا چاہیے ان سے دنیا کا کوئی

اچھا معاملہ بھی طے کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ دوسرا ان سے یہ امید بھی منقطع کر لیں کہ وہ کسی صحیح

اور حق بات کو قبول کر لیں گے بالکل نہیں اس لیے کہ ان کی جبلت حیوانی سرشت میں تبدیل ہو چکی ہے

وہ اپنی اس چھٹی سرشت کی وجہ سے ہر اچھی بات کی ترویج کر دیں گے۔

مقصد حاصل نہ کرنے کے چند نتائج

۱۔ ایک اثر اس کے وجود پر ظاہر ہوگا کہ وہ مورد غضب بن جائے گا۔

۲۔ اس اثر سے اس کا معاشی نظام بگڑ جائے گا۔

۳۔ اس کی فکری بصیرت سلب ہو جائے گی۔

۴۔ وہ انسانوں کا مال دھوکے اور فراڈ سے کھانا شروع کر دے گا حتیٰ کہ سود وغیرہ۔

۵۔ اس کی جبلت حیوانی سرشت میں تبدیلی ہو جائے گی اب وہ صحیح بات بالکل قبول نہیں کرے گا۔

۶۔ قتل اور زنا عام ہو جائے گا

۷۔ شتر بے مہار کی طرح وہشت ناک جبلت ہوگی خواہ اس سے دوسرے انسانوں کا جان و مال اور ناموس بھی محفوظ نہ ہوں۔

۸۔ معاشرہ تخریب کاری اور بے یقینی کا شکار ہوگا تو تعمیری کام ختم ہو کر رہ جائیں گے۔

لیکن اس کے باوجود اہل باطل نے وحدۃ الوجود کے ذریعے اس کا آسان حل اس طرح پیش کیا ہے وحدۃ الوجود کی آسان تفہیم یہ ہے کہ وجود واحد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کائنات میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں یہ سب اشیاء اس وجود واحد کے اعراض ہیں یہ اعراض اللہ کے وجود کے اعضاء اور جوارح ہیں ان اعراض سے حرکت و سکون کے ذریعے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے یہ ان اعراض کا ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ یہ جوارح اور اعضاء کی صورت میں اللہ کے ارادے کے مطابق کام کر رہے ہیں چونکہ کائنات کی ہر شے اس وجود واحد کے اعضاء اور جوارح ہیں لہذا ان میں حلال و حرام کفر و اسلام اور حسن و قبح کے درمیان حقیقی امتیاز ثابت نہیں سکتا ہو۔

انسانوں کے وجود سے شر اور خیر کی صورت میں جس جس عمل کا ظہور ہوتا ہے ان سب کی حقیقی نسبت اللہ کی طرف کی جائے گی۔ کلمہ طیبہ، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں اس نظریے کے مطابق اپنی مرضی کے ساتھ عمل کر سکتا ہے۔ دازاشکوہ نے مجمع البحرین میں وحدۃ الوجود کی یہی تعبیر بیان کی ہے اور دین الہی میں اس نظریے کے مطابق تمام انسان آزادی کے ساتھ عمل

باب ۱ مقصد حیات انسانی اور وسائل

انسان کی تخلیق کا مقصد تو عبادت ہے اس لیے عبادت کی تکمیل کے لیے انسان کو جن اشیاء کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے ان وسائل کو تمام کائنات میں پھیلا دیا لیکن ان وسائل کی تحصیل میں ایک بڑی آزمائش حائل ہے چونکہ مقصد کی بنیاد اعلیٰ تھی اس لیے وسائل کو اپنے قریب لانے میں خاص انداز رکھے گئے ہیں تاکہ ان کے حصول میں بڑی احتیاط سے کام لیا جائے وہ یہ ہے کہ ان وسائل کے حصول کے لیے غرض کے ساتھ ہوس اور وسائل کو مختلف صورتوں میں مزین کر دیا گیا ہے تاکہ زینت کی وجہ سے ان کے حصول میں تڑپ زیادہ پیدا ہو پھر اس کے انداز میں اتنی وسعت پیدا کر دی گئی ہے کہ جس شے سے اس کی اہم ضرورت کی تکمیل ہو سکتی تھی ہوس اس کی تکمیل سے مشکل راضی ہوتی ہے اس لیے ہوس کی بے لگامی پر مشکل کنٹرول ہوتا ہے اس لیے وہ وسائل مقصد کی صحیح تکمیل نہیں کر سکتے اسے ایک مثال سے سمجھ لیں مثلاً بھوک حیوان کو بھی لگتی ہے اور انسان کو بھی لیکن حیوان اپنی بھوک بھانے کے لیے مٹی پر پڑے ہوئے گھاس سے اپنی غرض پوری کر لیتا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ شے منہ کے ذریعے میرے اندر چلی جائے اس کی زبان صرف چبانے کے لیے ہوتی ہے خوراک کے ذائقوں کی تفتیش نہیں کرتی اور انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس کے سامنے کھانا لایا جاتا ہے آنکھ اس کھانے کی وضع قطع دیکھتی ہے حتیٰ کہ برتنوں کی تزئین کو بھی ٹیٹ کرتی ہے ناک سونگھ کر بتا دیتی ہے کہ اس کھانے میں باسی پن کی بدبو آ رہی ہے اور زبان اسے چکھتے ہی اس کے تمام ذائقوں کو ٹیٹ کر لیتی ہے اگر وہ ذائقہ اس کو پسند آتا ہے تو وہ غذا کو اندر جانے دیتی ہے ورنہ وہ غذا قبول نہیں کرتی اس غذا پر تین اعضاء تشخیص پر نامور کیے گئے ہیں آنکھ، زبان اور ناک پھر اسے جتنا چاہے استعمال کرے یہ کام اس کی ہوس پر موقوف ہے یعنی ان وسائل کو قریب لانے کے لیے ہوس حائل ہوتی ہے اور وسائل میں

اس کی مزین شدہ حالتیں حاصل ہوتی ہیں اس کی مثال یہ ہے جیسے عورت کے ساتھ تعلق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے جنسی تکمیل ہوتی رہے لیکن اس بھوک کی تکمیل ہوس کے انداز میں پوری ہوتی ہے مرد میں جنسی بھوک کے انداز الگ ہوتے ہیں اور عورت کے حسن اور اس کی جنسی اشتہاء کے انداز علیحدہ ہوتے ہیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی مابین تکمیل پر سلطنت جیسی ثروت بھی نچھاور ہو جاتی ہے پھر بھی اس کی اشتہاء میں مشکل سے تسکین حاصل ہوتی ہے۔

غرضیکہ انسانی اعراض کی تکمیل کے لیے طالب میں ہوس و دلیعت کی گئی ہے اور اس کے مطلوب کو مختلف انداز کے ساتھ مزین کیا گیا ہے تزین انداز میں بلاء کی کشش ہوتی ہے قرآن میں ہے
 غر تھم الحیوة الدنیا۔ حیات دنیا کی اشیاء کو حسن انداز سے آراستہ کیا گیا ہے اس سے بڑے بڑے انسان دھوکہ میں آجاتے ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ و نہی النفس عن الہوی، فان الجنة ہی الماوی۔ جس نے اپنے آپ کو ہوئی سے محفوظ رکھا آخرت میں جنت اس کے لیے دائمی آرام گاہ بن جائے گی۔

ملائکہ خلافت ارضی کے لیے اس لیے غیر موزوں تھے کہ ان کی طبعی تکمیل کے لیے اس دنیا کی کوئی شے موزوں نہ تھی ان کے ملکی طبائع ہر قسم کی نفسانی خواہشات سے مبرا تھے وہ جب خود غذا کھانے سے مستغنی تھے تو وہ دوسرے بھوکے انسانوں کی کس طرح خبر گیری کر سکتے تھے انسان میں طبعاً جتنی کمزوریاں رکھی گئی ہیں ان میں کوئی کمزوری بھی فرشتوں کی سرشت میں موجود نہیں ہے اس لیے صرف انسان کو اس خلافت ارضی اور مقام نبوت سے نواز گیا ہے۔

بس بحث کا آخری خلاصہ یہ ہے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے اور دنیا میں جتنی اشیاء بھی تخلیق کی گئی ہیں وہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وسائل ہیں انسان کی سرشت میں اس تکمیل کے لیے

ہوس کے انداز کو شامل کر دیا گیا ہے اور جن وسائل سے اس کی تکمیل ہوتی ہے انہیں مختلف انداز کے ساتھ مزین کیا گیا ہے تاکہ انسان اس تکمیل میں بڑی احتیاط سے کام لے کر اپنے بنیادی مقصد میں کامیاب ہو سکے ان وسائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے امیری، غربی تاکہ انسان کو اس امیری کی حالت میں کثرت سے جو وسائل حاصل ہوتے ہیں وہ ان میں کس طرح اپنی ضرورت پر اکتفا کر کے عبادت کے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے اور غربی کی حالت میں اسے جتنے تنگ وسائل کا سامنا ہوتا ہے وہ اس کا مقابلہ کر کے کس طرح اپنے بنیادی مقصد کو حاصل کر سکتا ہے قرآن میں ہے۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمُ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (۲:۶۷)

”انسان کو موت و حیات کے درمیان اس لیے مقید کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے کہ تم اس دنیا میں رہ کر امیری اور غربی کی حالت میں کس طرح اچھے اچھے اعمال حاصل کر سکتے ہو“

یعنی جس طرح دنیا کے وسائل کو مزین کیا گیا ہے اس طرح دیکھنا یہ ہے کہ تم ان میں پھنس کر کس طرح اپنے اچھے اچھے عمل حاصل کر سکتے ہو اس آیت میں اکثر عملاً کی بجائے احسن عملاً فرمایا گیا ہے عمل کی تکثیر مقصود نہیں ہے بلکہ اس میں حسن انتخاب کے ذریعے بہترین اعمال مقصود ہیں دیکھنے عبادت کے مقصد تک رسائی کے لیے انسان کو کتنی خطرناک وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس راہ میں کئی عرش کئی فرش پڑیں گے حالانکہ یہ منزل ہے رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک

مقصد کے حصول کے لیے آسان طریقہ

مقصد کے حصول کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زندگی کے انہماک کو مختصر کرتا رہے یسنلونک ماذا یسفون قل العفوا۔ ”اپنی خاص ضروریات میں سے جو شے وافر ہو اسے دوسرے مستحق انسانوں میں تقسیم کر دے“ حیات دنیا کی اشیاء لہو و لعب۔ تفاخر۔ دھوکہ اور تکاثر کی صفات سے معنون کیا گیا ہے

اور تکاثر کے بارے میں فرمایا گیا ہے **الھکم التکاثر**۔ تمہیں کثرت مال نے منہمک کر رکھا ہے اسی طرح آخرت میں بھی بعض انسان یہی عذر پیش کریں گے **شغلنا اموالنا واهلنا**۔ ہمیں ہمارے اموال اور گھر والوں نے بڑا مشغول کر رکھا تھا و **انہ لحب الخیر** لشدید۔ وہ مال کی محبت میں بڑا ہی مرٹنے والا ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جب تم اہم اشیاء رکھ کر باقی وافر اشیاء دوسروں میں تقسیم کرو گے تو کثرت انہماک سے بچ کر آسانی کے ساتھ مقصد تک پہنچ جاؤ گے۔

دنیا اور آخرت کی حیات کا فرق

﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوةُ﴾ (۶۳:۲۹) ”یہ دنیا کی زندگی تو بس لہو و لعب ہے اصل زندگی تو آخرت ہی ہے اگر وہ اس کو جانتے“ حیات دنیا صرف ظاہری تزیین اور خواہش کی وجہ سے لہو و لعب میں داخل ہے یعنی اس کی ہر شے تغیر پذیر ہے اور آخرت کی زندگی میں خلود ہے اور اس کی اشیاء میں بھی خلود ہے۔

و لم یتغیر طعمہ، ماء غیر آسن۔ دوسرا وہاں ہر قسم کے حزن کا خاتمہ ہے **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ**۔ (۳۴:۳۵) ”ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہیں جس ہم سے غم دور کیا“
لا خوف علیہم۔ لہذا اولاہم یحزنون۔ صرف آخرت کے لیے ہے۔

فلسفہ دنیوی حیات کی حقیقت اور مقصد:- حیوة الدنيا آفات کا مجموعہ ہے اس حیات پر بہشتی حیات کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ حیات دنیا کی اشیاء ناپائیدار ہیں جبکہ اخروی زندگی اور اس کی نعمتوں میں دوامیت ہے۔ ﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوةُ﴾ (۶۳:۲۹) حیات دنیوی اس لیے لہو و لعب ہے کہ اس کی ایک شے ایک وقت میں محبوب ہوتی ہے دوسرے وقت میں وہ ناپسندیدہ بن جاتی ہے قیمتی کھلونے بچپن میں کتنے محبوب ہوتے ہیں

اگر کسی انسان کو قیمتی کھلونا اس کی جوانی میں دیا جائے تو اس کے دیکھنے سے طبیعت منغص ہو جاتی ہے جوانی خواہ کتنا ہی زور لگائے لیکن بڑھا پا اسے لازماً بوج لیتا ہے بڑھاپے خواہ کتنا ہی زور لگائے لیکن اس کے بعد جوانی نہیں آتی اسی طرح اس کی ہر شے لمحہ بہ لمحہ متغیر ہوتی رہتی ہے۔

دوسرا ایک شے ایک انسان کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہی شے کسی دوسرے انسان کو بہت ہی بری محسوس ہوتی ہے اسی طرح ایک وقت انسان کے لیے بڑی فرحت کا موجب ہوتا ہے لیکن یہی وقت اسی لمحہ میں ایک دوسرے انسان کے حق میں بہت ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔

دنیا کے جواہر سے زیادہ اس کے اعراض پر خرچ ہوتا ہے کپڑے کا اصل فائدہ گرمی یا سردی سے بدن کو محفوظ رکھنا ہے لیکن اس کی تزئین پر اتنا خرچ ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

جنت کی نعمتوں کی حقیقت

﴿رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (۲۰۱:۲)

”اے ہمارے رب ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے بچا“

آخرت کی حسنت سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں کیے گئے نیک اعمال پر آخرت میں جس قسم کے اثرات مرتب ہوں گے ان ثمرات کو قرآن میں حسنتی الاخرة کہا گیا ہے۔

انسان کی طبع میں حظوظ نفسانی بھرے ہوئے ہیں انسان اپنے نیک اعمال کی مشقت اور انہماک کی وجہ سے اپنے ان حظوظ نفسانیہ سے اچھی طرح محفوظ نہ ہو سکا اس لیے آخرت میں ان حظوظ نفسانیہ کے لیے جتنے حظوظات ممکن ہو سکتے ہیں جنت میں اسے عام کر دیئے جائیں گے۔

(i) ﴿لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَ لَهُمْ مَائِدَاتُ الْعُونَ﴾ (۵۷:۳۶)

”جنت میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور وہ جس شے کو طلب کریں گے وہ مل جائے گی“

(ii) ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا

تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ. نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ. نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ﴿

(۳۱:۳۰-۳۲) ”جن انسانوں نے دل سے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس پر ثابت

قدم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم خوف اور حزن و ملال نہ کرو تم جنت کے ملنے پر خوش ہو جاؤ یہ وہی

جنت ہے جس کا رسولوں کی معرفت تم سے وعدہ کیا گیا کہ ہم تمہارے دنیوی اور اخروی حیات میں

رفیق ہیں۔ تمہارے لیے اس جنت میں جس شے کو تمہارا جی چاہے گا وہ موجود ہوگی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ

غفور و رحیم کی مہمانی کے طور پر ہوگا“

﴿أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ. يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ

وَآكُوبَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. وَتِلْكَ الْجَنَّةُ

الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ. لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا

تَأْكُلُونَ﴾ (۴۳:۴۰-۴۳) ”اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرمائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں

داخل ہو جاؤ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں ایسی اشیاء ملیں گی جن

سے تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے لہذا یہ وہی جنت ہے جس کے تم اپنے نیک

اعمال کے سبب وارث بنا دیے گئے ہو اس جنت میں تمہارے لیے بہت سے ایسے میوے ہیں جن میں

سے تم کھا رہے ہو“ اشتہاء نفس اور تِلذذ الا عین کے مطابق وہ شے وہاں سے طلب کر سکتا ہے

جب کہ وہ پہلے اس شے کی لذت سے آشنا رہا ہو ورنہ ایسی شے جو اس کی مانوسیت اور اس کے علم سے

ماوراء ہوگی نہ وہ اس شے کی خواہش اور نہ ہی اس کے ملنے کے بعد اس سے لذت اٹھا سکتا ہے۔

مال دینے کے بعد قلوب میں خوف

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾ (۶۰:۲۳)

”وہ انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ دیتے ہیں اس کے باوجود ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں“ تاکہ حق پورا ادا ہو جائے ورنہ ان کے باطل خیالات کے تابع ہو جائے تو ساری کائنات درہم برہم ہو جائے ﴿وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ (۷۱:۲۳) ”اگر دین حق ان کے خیال کے مطابق تابع ہو جاتا ہے تو تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ تباہ و برباد ہو جاتے“

تالیف القلوب اور دولت

﴿لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ﴾

(۶۳:۸) ”اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں کو باہم نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کو جوڑ دیا بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے“ اس میں ہے تعمیر سیرت کے لیے اگر انسان خزانے بھی خرچ کر ڈالے دو قلوب میں تالیف پیدا نہیں کر سکتا دولت سے دو خواہشوں میں ملاپ ہو سکتا ہے جس طرح جنسی تعلقات یا دوسرے امراض میں انسان آپس میں مل جاتے ہیں لیکن حقیقی انسانیت کی تالیف میں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا جائے ٹوٹے ہوئے قلوب میں کبھی بھی الفت و محبت پیدا نہیں ہو سکتی جو انسان بال بچوں پر اس لیے زیادہ خرچ کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر ہماری خدمت کریں گے بعض تو اس کی خاطر اپنی لڑکیوں کو محروم کر کے سب کچھ اپنے لڑکوں کے نام کر دیتے ہیں اس کے بعد وہی اولاد جو اپنے والدین کا حشر کرتی ہے اگر ان والدین میں قدرے شعور ہوتا تو زندہ درگور ہو جاتے لیکن قساوت قلبی کی وجہ سے اتنے مسخ ہو جاتے ہیں وہ

عبرت پذیری کا ہر موقع ضائع کر دیتے ہیں۔

انسانی معاش کے قرآنی اصول:-

دنیا کی جتنی اشیاء انسانی ضرورت کے لیے تخلیق کی گئی ہیں ان میں چونکہ تزئین اور چمک و دمک رکھ کر خوب سجایا گیا ہے لہذا انسان اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے ان پر یک دم لپک پڑتا ہے قرآن میں اس کے چند اصول بیان کیے گئے ہیں کہ انہیں کس طرح سے استعمال کیا جائے۔

پہلا اصول:- خواہشات پر کنٹرول کر کے اعتدال پر لے آئے۔

﴿زِينِ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ اور ﴿أَنَا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ

أَحْسَنُ عَمَلٍ﴾ (۷:۱۸) ”ہم نے زمین کی اشیاء کو اس کے لیے باعث رونق بنایا تاکہ ہم انسانوں کی

آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے“ ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ

أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقَ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ (۱۳۱:۲۰)

”محمد ﷺ ہرگز ان اشیاء کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان کفار کے مختلف گروہوں کو ان

کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہیں اور آپ کے رب کا عطیہ جو

آخرت میں ملے گا بدرجہا بہتر اور دیر پا ہے“ ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (۴۰:۷۹)

”نفس کو حرام خواہشات سے روکنا ہوگا“ ﴿وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ﴾ (۱۷۶:۷)

”لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا۔

دوسرا اصول بخل اور شح پر کنٹرول کیا جائے:- ﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾

(۱۲۸:۴) ”نفس میں حرص رچی بسی ہوتی ہے“ ﴿وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُونَ﴾ (۹:۵۹) ”واقعہً انسان، نفس کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی انسان فلاح

پانے والے ہیں“ ﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (۹:۵۹) ”وہ ایسے انسان ہیں جو فاقہ کشی کی حالت میں بھی دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں“ ﴿فَكَ رَقَبَةً. أَوْ اطْعَامَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ. يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ. أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (۱۲-۱۳:۹۰) ”کسی کی گردن کو غلامی سے چھڑا دینا یا کسی یتیم رشتہ دار کو فاقہ کے دن یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا“ ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ. وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ. فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ (۸:۹۲) ”جس نے حقوق واجبہ سے بخل کیا اور اللہ سے ڈرنے کی بے پروائی اختیار کی اسلام کی اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی شے کے لیے سامان دیں گے“ ﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ (۳۷:۴) ”وہ انسان جو خود اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہوں“ ﴿إِنْ يَسْأَلْكُمْ مَوْلَاهُ فِيمَا فِيكُمْ تَبَخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ. هَٰئِنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتَبْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَن نَّفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ (۳۷:۴۷-۳۸) ”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے مال کو طلب کرے پھر انتہاء درجے تک طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ہاں تم ایسے ہو کہ تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کے لیے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے بعض وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو انسان بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو“ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (۱۸۰:۳) ”آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں ایسے انسان جو اپنی اشیاء میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہیں کہ یہ بات ان کے لیے اچھی ہوئی بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بری ہے وہ انسان قیامت کے دن طوق پہنائے جائیں گے اس کا جس میں

انہوں نے بخل کیا تھا“ ﴿فَكْفُرُوا وَتَوَلَّوْا اسْتَغْنَى اللَّهُ﴾ (۱۳:۶۳) ”انہوں نے کفر اور اعراض کیا اللہ نے بھی ان کی کچھ پرواہ نہ کی کیونکہ وہ غنی اور حمید ہے“ ﴿إِلَّا لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (۱۳:۶۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور مومنوں کو مصائب وغیرہ میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَا قُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۱۳:۸) ”یہ سزا ان کے لیے ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والے ہیں“

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَا قُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (۳:۵۹) ”یہ سزا ان کے لیے ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینا چاہتے ہیں“ ﴿إِذْ يُسْوَ حِى رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنْى مَعَكُمْ فَبَيَّتُوا الَّذِىْنَ اٰمَنُوْا سٰلِقِىْ فِى قُلُوْبِ الَّذِىْنَ كَفَرُوْا الرَّغْبَ فَاَضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاَضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنٰنٍ﴾ (۱۲:۸) ”جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میری علمی معیت تمہارے ساتھ ہے تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں کافروں کے قلوب میں رعب ڈالو گا لہذا تم ان کی گردنیں اور پور پور مارو“ ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ...﴾

﴿فَاِنَّمَا يَخْلُ عَنِ نَفْسِهِ...﴾ (۳۸:۳۷، ۳۸) حیات دنیوی محض ایک لہو و لعب ہے جو انسان بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ ہی سے کرتا ہے“ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِىْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يَحْيِىْكُمْ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللَّهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاِنَّهٗ اِلَيْهٖ تُحْشَرُوْنَ﴾ (۲۳:۸) ”اے ایمان والوں تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی اتباع کرو جبکہ

رسول تمہیں زندگی بخش شے کی طرف بلاتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے“

تحمیل اور املاء کا حکم: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّى لَهُمْ خَيْرًا لَّا نَفْسِهِمْ إِنَّمَا نُمَلِّى لَهُمْ لِيَزِدَ إِدْوَانَهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (۱۷۸:۳) ”کافر یہ خیال بالکل نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے حق میں بہتر ہے دیکھئے ہم ان کو صرف اسی لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ ان کے جرم میں اور اضافہ ہو جائے لہذا ان کی توہین آمیز سزا ہوگی“

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (۱۷۹:۳) ”اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں نہیں رکھنا چاہتا کہ جس پر تم اب ہو جب تک خبیث کو طیب سے متمیز نہ کر دے“ ﴿وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۲۹:۹) ”اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم کو تخلیق کر کے ان سے اپنا کام لے گا اور تم اللہ تعالیٰ کے دین کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے“

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنفأُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ﴾ (۱۶:۴۷)

”اور بعض انسان ایسے ہیں وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس چلے جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے کیا بات فرمائی تھی یہ وہی انسان ہیں جن کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور یہی اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں“

﴿أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا إِنَّمَا مِنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (۱:۲۹)

”بعض مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنے کہنے

پر کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے ان کو قسم قسم کے مصائب سے آزما یا نہ جائے گا“

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ﴾

(۹: ۴۳) ”اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو معاف تو کر دیا لیکن آپ نے ان کو اتنی جلدی اجازت کیوں دے

دی جب تک کہ آپ صادق اور کاذب انسانوں کو معلوم نہ کر لیتے“

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ. اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ﴾ (۳: ۱۴۱) ”اللہ تعالیٰ مومنوں کو چھانٹ کر

الگ اور کافروں کو بالکل ختم کر دے تم نے گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں اسی طرح داخل ہو جاؤ گے

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کے سوا کسی کو ممیز نہیں کیا لہذا صبر کرنے والوں کو ممیز کر

دے“ ﴿لِيُمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ

بَعْضٍ﴾ (۸: ۳۷) ”اللہ تعالیٰ خبیث اور طیب انسانوں کو ممیز کر دے پھر خبیثوں کو ایک دوسرے سے

متصل کر دے پھر ان سب کو جہنم میں داخل کر دے ایسے ہی انسان پورے خسارے والے ہیں“

﴿وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاِنَّهٗ اِلَيْهٖ تُحْشَرُوْنَ﴾ (۸: ۲۴)

”جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی

کے پاس جمع ہونا ہے“ ﴿لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (۸: ۸)

”حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ یہ مجرم انسان ناپسند ہی کیوں نہ کریں“

مومن اور بے دین کے رزق کا فرق :- مومن اور بے دین کے رزق میں برکت اور کثرت

کا فرق ہے رزق کے اس تفاوت میں کیا حکمت ہے آپ پہلے ایک مرکزی اصول سمجھ لیں انسان کی

تخلیق کی بنیادی غایت یہ ہے کہ اسے صرف عبادت اور معرفت الہی کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے

انسان کو تخلیقاً کافی کمزوریوں کا پیکر بنایا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی حیات کی بقاء کے لیے کافی اشیاء تخلیق کر دی ہیں تاکہ انہیں استعمال کر کے اطاعت الہی کی آسانی کے ساتھ تکمیل کر سکیں۔ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ (۵: ۶۶) ”اہل کتاب سے خطاب ہے کہ اگر یہ تورات، انجیل اور جو کتاب ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے ان کی تعلیمات پر پوری پابندی کرتے تو یہ اپنے اوپر اور نیچے سے خوب فراغت کے ساتھ کھاتے ان میں سے ایک جماعت تو سیدھے راستے پر چلتی رہی اور زیادہ تر ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت ہی برے ہیں“

اس میں تورات، انجیل اور قرآن کے ساتھ ایمان لانے کی شرط ضروری ہے

﴿لَا كَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ سے مراد برکات من اللہ ہیں اور موجودہ اہل یورپ پر رزق کی کثرت کر دی گئی ہے اس کثرت رزق سے استدراجی انعام مراد ہے اوپر کی آیت میں اہل کتاب مخاطب ہیں۔ اس آیت میں تمام انسانوں کو خطاب ہے ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۷: ۹۶) ”اگر آبادیوں میں بسنے والے انسان ہم پر ایمان لاتے اور نافرمانی سے بچتے رہتے تو ہم ان پر آسانی اور ارضی برکات کے بڑے بڑے کشادہ دروازے کھول دیتے لیکن وہ الثابغات کے ساتھ ہمارے احکام کو ٹھکرانے لگ گئے پھر ہم بھی ان کی اس سرکشی پر انہیں خوب سیدھا کرتے رہے“

اس سے معلوم ہوا اس آیت میں رزق کی وسعت کا وعدہ اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ وہ انسان اس کے ذریعے ایمان اور تقویٰ پر اچھی طرح عمل کر سکیں۔ برکات من السماء والارض سے مراد رزق کی ایسی فراوانی ہے جسے وہ آسان طریقوں سے حاصل کر سکتے تھے۔

دیکھئے! اس میں وہی بشارت دی گئی ہے کہ جن اقوام میں اللہ کی کتابیں نازل کی گئی ہیں اگر وہ ان پر اچھی طرح عمل کرتے تو ان پر چاروں اطراف سے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے اور

اس سے کچھ تو اچھے عمل کرتے رہے۔ لیکن ان کی اکثریت بہت ہی برے اعمال کی حامل تھی۔

جس رزق سے حیات کی بقاء وابستہ ہے وہ رزق تو ہر ذی روح کو مل جاتا ہے لیکن جس رزق کی وسعت سے نیکیوں پر چلنے کی زیادہ توفیق حاصل ہوتی ہے اس رزق کو برکات کا رزق کہتے ہیں اس کی فراوانی اور وسعت اور اس کا سہل تر ہونا صرف ایمان اور تقویٰ کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ انسان اپنے مقصد تخلیق کو آسانی کے ساتھ تکمیل کر سکتا ہے۔ مطلقاً خالص ایمان والوں کے لیے جس قسم کا رزق دیا جائے گا اس رزق سے برکات کا رزق مراد ہے۔ برکات کے رزق کی دوسری آیت میں اس طرح تشریح ہے ﴿لَا كُفْرًا وَفَوْقَهُمْ وَمِنْ تَحْتِ رُجُلِهِمْ﴾ (۶۶:۵) رزق کی پیداوار کے لیے زمینی و آسمانی ذرائع روئیدگی اور جو کھیتی کے لیے معاون ہوتے ہیں ان ذرائع اور اسباب کو آسان کرتے چلے جائیں گے اس آیت میں مومن اور بے دین کے رزق کا فرق بتایا گیا ہے اور دوسری آیت میں کثرت کا فرق۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزق میں برکت دی جاتی ہے اور بے دینی میں کثرت کو رزق شمار کیا جاتا ہے۔ اب یہ کہ بے دین انسان کے رزق میں کثرت کیوں؟ قرآن میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے ہر انسان کو فطرۃً یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے اپنے ہر ارادے کو استعمال کر سکتا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہدایت اور گمراہی کی اچھی طرح وضاحت کر دی گئی ہے۔ اب انسان کی آزادانہ مرضی پر موقوف ہے خواہ ہدایت حاصل کرے یا کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو جائے ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (۲۹:۱۸) ”تمہارے رب کی طرف سے حق کی پوری وضاحت ہو چکی ہے اب جس کی مرضی چاہے وہ ایمانداری اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرے اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کی سرکشی اور بغاوت اختیار کرے اور اللہ کا پورا باغی بھی بن سکتا ہے“

ہدایت چونکہ کافی اعمال پر مشتمل ہے اس لیے جب تک کسی کو مالی وسعت حاصل نہ ہو احکام الہی کی پوری پوری تکمیل نہیں کر سکتا مثلاً وہ اگر حج کرنا چاہے تو حج کا سارا عمل مالی وسعت پر موقوف ہے اسی طرح اگر زکوٰۃ و خیرات کے ہر شعبہ پر عمل کرنا چاہے تو یہ عمل بھی مالی وسعت پر موقوف ہے ایمان

والوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ ایمان و تقویٰ کے پورے تقاضوں پر عمل کریں گے تو ان کے معاشی وسائل میں اتنی برکت دی جائے گی کہ وہ اسلام کے ہر عمل کو اچھی طرح سے نباہ سکیں گے۔

اسی طرح گمراہی اور ضلالت کے بھی دنیا میں وسیع شعبے ہیں جب تک کسی گمراہ کو مالی وسائل میں کشادگی حاصل نہ ہو تو وہ بے حیائی، مظالم اور مخلوق کی ایذا رسانی کے عمل کو اپنی خواہش کے مطابق پورا نہیں کر سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی فرعونیت کی تکمیل کے لیے ان پر خزانوں کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ اللہ کی بغاوت میں جس خواہش کی تکمیل کرنا چاہیں ان کی کوئی خواہش ادھوری نہ رہ جائے قرآن میں بے دینی اور کفر کی اس حکمت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

﴿ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (۳۳:۶) ”پھر جب وہ ان اشیاء

کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے“

جب وہ ان اشیاء میں جو کہ ان کو ملی تھیں خوب اتر آگئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ اس آیت میں اس کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے ﴿ اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ (۵۶:۲۳) ”کیا یہ انسان یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو یہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں بلکہ یہ اس کی اصل حقیقت ہرگز نہیں جانتے“

اس کی اصل حقیقت یہ ہے ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّمَا نُمِلِي لَهُمْ خَيْرًا لَا نَفْسِهِمْ اِنَّمَا نُمِلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ (۱۷۸:۳) ”جو انسان کفر کر رہے ہیں وہ یہ گمان ہرگز نہ کریں کہ ان کو جو مہلت مل رہی ہے ان کے لیے بہتر ہے بلکہ ہم ان کو صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنے جرم میں کچھ اور اضافہ کر لیں لہذا ان کی توہین آمیز سزا ہوگی“

﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَنْزُهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ (۵۵:۹) ”محمد ﷺ کو ان کے مال و اولاد تعجب میں نہ ڈالیں اللہ چاہتا ہے کہ یہی مذکورہ اشیاء دنیوی زندگی میں موجب عذاب بنیں اور ان کی جان حالت کفر میں نکل

جائے“ ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا لِنَفْسِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ (۱۳۱:۲۰) ”محمد ﷺ ہرگز ان اشیاء کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے جن سے ہم نے ان کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہیں اور آپ کے رب کا عطیہ جو آخرت میں ملے گا بدرجہا بہتر اور دیر پا ہے“

اے رسول ﷺ آپ ان باغی انسانوں کی کثرت دولت دیکھ کر پریشان نہ ہوں کہ بغاوت کے باوجود انہیں اتنی دولت و آسائش سے کیوں سراپا متبادل دیا جا رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس کثرت کو فراوانی کی وجہ سے اپنی خواہشات کی اچھی طرح تکمیل کر لیں۔ جب وہ اپنے ان مالی ذرائع کو مظالم اور ہر قسم کی بے حیائی کے حصول کے لیے استعمال کریں گے تو آخر انہیں اپنے کرتوتوں کا اس دنیا میں بھی نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور ہمارا دوسرا ارادہ یہ ہے کہ جب تک اپنی کفریہ بغاوت کی اچھی طرح تکمیل نہ کر لیں وہ دنیا سے رخصت نہ ہوں تا کہ آخرت میں ان کی سزا کے لیے جہنم میں جو بڑے بڑے طبقات مقرر ہیں انہیں اچھی طرح حاصل کر سکیں۔ یہ سب کچھ تب ہو سکتا ہے جب تک وہ کافر ہو کر نہ مریں۔

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرِزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۱۳۲:۲۰) اپنے مومنین اہل خاندان کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیں اور خودی اس کا پابند رہیں اور ہم آپ سے اور دوسروں سے معاش کو مانا نہیں چاہتے معاش تو ہم آپ کو دینگے اور بہتر انجام متقین ہی کا ہے“ ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۲۱۶:۲) ”یہ کہ تم کسی امر کو اپنے لیے محبوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں باعث خرابی ہو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے“ ﴿وَلَا مَآءٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ...﴾ (۲۲۱:۲) ”مسلمان عورت چاہے لونڈی ہی کیوں نہ ہو وہ مشرک عورت سے ہزار درجہ بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو اچھی معلوم ہوتی ہو“ قرآن میں اسے دوسرے مقام پر اس انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

﴿وَيُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا مَالِكُمْ لَا تَرْجُونَ اللَّهَ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾
 (۱۲:۱۷-۱۳) ”نوح علیہ السلام نے فرمایا اللہ تمہارے استغفار کی وجہ سے کثرت سے تم پر بارش برسائے گا مال اور اولاد میں ترقی دے گا تمہارے لیے باغات اور نہریں جاری کرے گا میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم کو کیا ہوا کہ عظمت الہی کے معتقد نہیں ہو ورنہ تم شرک نہ کرتے حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے تخلیق کیا ہے“ اس آیت میں استغفار کے نتیجے کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا. إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (۳:۷۶) ”ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے تخلیق کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو اسی واسطے ہم نے اسے ستاد بکھتا بنایا ہم نے اس کو بھلائی و برائی میں مطلع کر کے راستہ بتلایا اب اس کی مرضی ہے کہ وہ شکریا کفر کا راستہ اختیار کرے“
 اس آیت میں آزمائش اور انسان کو مکلف بنانے کی حکمت بتائی گئی ہے۔

﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (۳۲:۷) ”اللہ نے اپنے بندوں کے واسطے کھانے پینے کی جن اشیاء کو مکمل کیا محمد ﷺ فرمادیتے ہیں یہ اشیاء اس طور پر قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خالص اہل ایمان کے لیے ہیں اسی طرح ہم تمام آیات کو اہل علم کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں“

اہل تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ خاص رحمت سے رزق بھی پہنچاتا ہے جس سے بڑی بڑی مشکلات بھی حل ہو جاتی ہیں ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (۲:۲۵) ”جو انسان اللہ کی نافرمانیوں سے بچتا رہتا ہے تو اللہ اس کے ہر مشکل کام میں آسانی پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ آرام کے ساتھ نکل جاتا ہے اور جب وہ کسی معاشی تنگی میں مبتلا ہو

جاتا ہے تو اس کے لیے ایسی جگہ سے رزق کے اسباب آسان کر دیتے ہیں کہ اسے پہلے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ اسباب مجھ پر کس طرح آسان ہو گئے ہیں، اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ تقویٰ ایک ایسی نعمت ہے جس سے بڑی بڑی مشکلات خود بخود آسان ہوتی رہتی ہیں۔

﴿هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي. وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي. أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾

”وہی مجھے پلاتا اور کھلاتا ہے جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔۔۔۔“

دیکھئے! ان آیات میں وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کافر اور بے دین انسانوں کو کثرت مال اور اقتدار کے ساتھ کیوں نوازا جاتا ہے جب انہیں پورا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کفر اور ایمان میں سے جس کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اب ایک انسان پختہ ارادہ کر کے اللہ کا باغی بننا چاہتا ہے تو اس بغاوت میں جتنی برائیاں داخل ہوں گی ان کے لیے جب تک ہر قسم کے مالی ذرائع میسر نہ ہوں گے وہ کس طرح اپنی من مانی سے ان برائیوں کا ارتکاب کر سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن کو وسعت رزق اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے نیکی کے ہر عمل پر آسانی کے ساتھ عمل کر سکے اور بے دین کو اس لیے مالی وسعت دی جاتی ہے کہ اسے کسی گناہ کے حاصل کرنے میں کوئی مشکل حائل نہ ہو مومن اپنے مال سے اطاعت اور عبادت کرتا ہے اور بے دین اپنے مال سے بغاوت اور شقاوت کو فروغ دیتا ہے۔ ان آیات میں تسہیل الرزق اور دوسرے فوائد بتائے گئے ہیں۔

☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆

دیہاتوں میں عام رواج ہے سا جھ کے لیے کوئی چھوٹا جانور لے لیتے ہیں پالنے کے بعد اسے برابر تقسیم کر لیتے ہیں سا جھ کا ایسا لین دین شرعاً درست نہیں ہے نہ ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے نہ اسے عام استعمال کے لیے خریدا جائے۔ (پال کا جانور اور قربانی)

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:۔ اگر کوئی جانور کسی کو حصے پر پال کے لیے دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنے والے کی ملک نہیں ہوا بلکہ یہ جانور اصل مالک کا ہے اگر کسی نے پالنے والے سے خریدا کر اس جانور کی قربانی کر دی تو قربانی جائز نہیں۔ (بہشتی زیور، ج ۳، ص ۳۱)

باب ۲ اسلامی نظام معیشت کی اساس

اسلامی نظام معیشت کے اساسی تصورات سے مراد وہ اصول ہیں جو اسلامی معاشرہ میں معاشی نظام کے لیے بنیاد کے طور پر کارفرما ہیں۔ اقتصادی ڈھانچہ خواہ کیسا بھی بنایا جائے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بنایا جائے گا ان اساسی تصورات میں خاص طور پر جو باتیں قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ تخلیق الہی :- اسلام کے اقتصادی نظام کو مرتب کرتے وقت سب سے پہلے جس بات کو مد نظر رکھا جائے گا وہ یہ ہے کہ ساری کائنات انسان، جانور، چرند پرند کو اللہ تعالیٰ ہی نے تخلیق کیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲۲-۲۱:۲)

”اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے انسانوں کا خالق ہے تمہارے بچنے کی توقع تو اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دو جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش آسمان کی چھت اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ لہذا جب تمہیں یہ سب کچھ اچھی طرح معلوم ہے تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ“

۲۔ ملکیت الہیہ :- دوسرا بنیادی تصور کہ جس کو اسلامی نظام معیشت مرتب کرتے وقت مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خالق اللہ ہی ہے بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا حقیقی خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے وہ اپنی سلطنت میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے تصرفات کر لیتا ہے جوئی شے پیدا کرنا چاہے کر لیتا ہے، اگر کسی کو مارنا چاہے تو اس کا بھی اسے اختیار ہے وہ اپنے تمام افعال پر وسیع قدرت کا مالک ہے۔

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۱۷:۵) ”اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب اشیاء کا مالک ہے جو ان دونوں کے درمیان

پائی جاتی ہیں جو کچھ چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر شے پر حاوی ہے“

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ (۱۸:۵)

”زمین و آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے“

۳۔ رزاق حقیقی: ہر شے کا خالق اور مالک و مختار کل اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھ لینے کے بعد یہ تسلیم کرنا ایک ضروری امر ہے کہ جب ملکیت اسی کی ہے تو رزق بھی وہی دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس کی ملکیت میں سے کوئی اور رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتا جب کسی اور کی ملکیت ہی ثابت نہیں ہے تو کوئی رزق کیسے دے سکتا ہے؟ چنانچہ اسلامی معاشی نظام کا تیسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ رازق اور رزاق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ مالک کو اپنی شے کا اختیار ہوتا ہے چاہے کسی کو دے یا کسی کو نہ دے لیکن اللہ ایسے مالک اور رزاق ہیں کہ نہ چاہنے اور چاہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہر جاندار کے رزق کو اللہ نے خود اپنی ذمہ داری بنا لیا ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (۶:۱۱)

”زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو“

۴۔ زمین میں انسان کی حیثیت۔ ایک اور بنیادی شے یہ ہے کہ انسان کی حیثیت زمین پر اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ کی رکھی ہے اور انسان کی یہ خلیفہ والی حیثیت عام معاملات میں بھی برقرار ہے۔

﴿أَمِنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ

اللَّهِ﴾ (۶۲:۲۷) ”کون ہے جو بیقرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف

رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی یہ کام کرنے والا

ہے“ مالی و معاشی معاملات میں بھی اس خلیفہ والی حیثیت کو انسان کے لیے برقرار رکھا گیا ہے۔

﴿أَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ﴾ (۷:۷۳) ”اللہ اور اس کے

رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور ان اشیاء میں سے خرچ کرو جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے“

۵۔ کثرت رزق: ایک اور بنیادی امر جس کا خیال رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ رزاق کے

خزانے اس قدر وسیع ہیں کہ ان میں کمی آنے والی نہیں ہے ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ﴾ (۲۱:۱۵) ”کوئی ایسی شے نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں“

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ (۹۶:۱۶)

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے“

۶۔ وسائل رزق میں مساوات: ایک اور بات یہ بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ اگرچہ اسلام کی نظر میں درجات معیشت میں تفاوت ہے جو کہ ایک فطری امر ہے ہر ایک کی صلاحیتیں جس طرح مختلف ہیں اسی طرح ہر ایک کے درجات معیشت میں مساوات کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے لیکن درجات معیشت میں تفاوت کے باوجود اسلامی نظام معیشت میں وسائل رزق میں مساوات اور حق معیشت میں مساوات ہوگی۔

﴿وَجَعَلْ فِيهَا رَوْاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ﴾ (۱۰:۲۱) ”اس نے زمین کو جو دو میں لانے کے بعد اوپر سے اس پر پہاڑ جمادیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں میں سے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا یہ سب کام چار دن میں ہو گئے“

۷۔ معاشی جدوجہد ایک عبادت۔ یہ مد نظر بھی رکھنا ہوگا کہ اسلام نے معاشی جدوجہد کو صرف تکمیل ضرورت کی حد تک نہیں رکھا بلکہ کام چوری اور فضول خوری کے خاتمہ اور اجتماعی معیشت میں ترقی کے لیے معاشی جدوجہد کو جو کہ جائز حدود میں رہتے ہوئے ایک عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔

۸۔ انسانیت کیلئے وسائل رزق

اسلامی نظام معیشت میں یہ شے بھی ایک بنیادی اصول اور اساسی تصور کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ نے جو بھی وسائل رزق انسان کو دیئے ہیں وہ انسان کے نفع اور اس کی فیض رسانی کے لیے ہیں ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ (۱۰:۷)

”ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے سامان زیست فراہم کیا مگر تم کم

ہی شکر گزار ہوتے ہو“

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (۲۹:۲)

”وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری اشیاء تخلیق کیں“

۹۔ وسائل رزق سے استفادہ اور حصول رضائے الہی۔ اللہ کی اس انتہائی کرم نوازی کو بھی معاشی ڈھانچہ مرتب کرتے وقت مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے عطا کیے ہوئے وسائل رزق کے اچھے استعمال کو بھی دنیا اور آخرت کی بھلائی کا ذریعہ قرار دیا ہے وہ مالک ذات چاہتی تو رزق ہی نہ دیتی رزق دے دیا تو اس رزق پر صرف مواخذہ کرتی لیکن وہ ذات اتنی کریم ہے کہ اس نے صرف مواخذہ ہی نہیں رکھا اپنے رزق کے اچھے استعمال پر انعام بھی رکھا نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ﴾ (۷۷:۲۸) ”اے انسان جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر“

۱۰۔ احساس مسؤلیت۔ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم نوازی سے وسائل رزق کے اچھے استعمال پر انعام و اکرام دینے آخرت کا گھر سنوارنے اور دنیا سے بھی اپنا حصہ وصول کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے حدود و قیود کا بھی تعین کیا ہے رزق حلال اگر عبادت ہے تو رزق حرام جرم بھی ہے اس احساس مسؤلیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ. الَّذِينَ إِذَا

اَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ. وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْزَانُهُمْ يَخْسِرُونَ﴾ (۳۱:۸۳)

”ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے جن کا حال یہ ہے کہ جب انسانوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں کم کر کے دیتے ہیں“

۱۱۔ معاشی مسئلہ حیات انسانی کا محض ایک جزو

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلام نے معاشی مسئلہ کو ہی حیات انسانی کا مقصد نہیں بنا دیا جیسا کہ

اسلام کا اقتصادی نظام

باب ۳

اسلام نے ایک مکمل اور قابل عمل معاشی و اقتصادی نظام دیا ہے اسلام کے مقابلہ میں سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم و کمیونزم اپنی پوری کوشش کے باوجود اپنے نظاموں میں وہ جامعیت اور فوائد و ثمرات پیدا نہیں کر سکے جو کہ اسلامی نظام معیشت کا خاصہ ہیں۔ ذیل میں ان امتیازی خصوصیات اور نمایاں پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے جو کہ ایک اسلامی اقتصادی نظام کا حصہ ہیں۔

اسلامی نظام اقتصادیات کے نمایاں پہلو

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسلام نے ہمیں نہ صرف ایک مکمل اقتصادی نظام دیا ہے بلکہ احسان، تقویٰ، عدل، اخوت، توکل، صبر، شکر، قناعت، ایثار، تعاون، مساوات اور حلال و حرام کی تمیز جیسی ان اقدار سے بھی ہمیں نوازا ہے کہ اگر ان اقدار پر کاربند ہو کر ہم اسلامی نظام معیشت کو نافذ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ خوشحالی اور معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اصلاح و بہبود بھی ہمارے معاشرے میں کارفرمانہ ہو۔ لہذا اسلامی نظام اقتصادیات کے نمایاں پہلو یہ ہیں

ملکیت الہیہ:- اسلام نے جو سب سے پہلی منفرد فکر اہل ایمان کے دل و دماغ میں راسخ کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے سب مال و متاع کی حقیقی ملکیت صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے جب یہ سوچ انسان کے ذہن میں پختہ ہو جائے تو احسان اخوت، ایثار اور تعاون کے جذبات خود بخود انسان کے دل میں پیدا ہو جاتے ہیں اور اس سے اخلاقی اقدار میں ترقی پیدا ہوتی ہے۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ (۲۸۴:۲)

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے“

۲۔ رزاق الہی:- ایک طرف تو اسلام نے اس سوچ کو ترقی دی ہے کہ ملکیت حقیقی صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے تو دوسری طرف اس شے کی بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ جو مالک حقیقی ہے اس نے سب کچھ اپنے پاس سمیٹ کر نہیں رکھ لیا بلکہ ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّٰزِقِیْنَ﴾ (۱۱:۶۲) ”اللہ بہتر رزق دینے والا ہے“ اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے ہر جاندار کے رزق کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا رُزِقَ الْأَعْلَى اللَّهُ رِزْقَهَا﴾ (۶:۱۱)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

۳۔ انفرادی ملکیت :- باوجود اس کے کہ ملکیت اللہ ہی کی ہے اور جو کچھ ہمیں دیا گیا یہ صرف اور صرف اس کی کرم نوازی اور بندہ پروری ہے اللہ نے اپنے دیئے ہوئے اس رزق پر ہمیں مالکانہ حقوق بھی عطا فرمائے ہیں۔ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (۲۹:۲) ”اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری اشیاء تخلیق کیں“

اس آیت میں لکم کا لفظ استعمال کر کے مالکانہ حقوق کی سپردگی کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ رضائے الہی کا حصول :- اسلام کے اقتصادی نظام کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر عمل میں حصول رضائے الہی کو مد نظر رکھا گیا ہے اور اسلام نے جن خوبصورت اخلاقی و معاشی اقدار کی طرف راہنمائی کی ہے وہ اسی وجہ سے ہیں۔

۵۔ حق معیشت میں مساوات :- ہر جاندار کی بنیادی ضروریات کی کفالت خود اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے پیدا کیے ہوئے اسباب معیشت سے فائدہ اٹھانے کا حق ہر جاندار کو دیا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾ (۷:۱۰) ”ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا“

۶۔ درجات معیشت میں تفاوت :- اسلام نے ہر انسان کو حق معیشت میں مساوات دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ درجات معیشت میں تفاوت کے فطری طرز کو بھی اسلام نے دبانے کی کوشش نہیں کی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فطرت کو دبایا نہیں جاسکتا۔ سوشلزم نے درجات معیشت میں مساوات کا نعرہ بلند کیا لیکن کیا سوشلزم کے پیروکار اپنے ملک میں سوشلزم کے نفاذ کے باوجود اس تفاوت کو ختم کر کے مساوات قائم کر سکے ہیں؟ یقیناً نہیں کیونکہ یہ ایک فطری تفاوت ہے اور اسے ختم نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اسلام نے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی۔ ﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ (۷:۱۶) ”دیکھو اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے“

۷۔ نظام زکوٰۃ و عشر:۔ اسلام نے درجات معیشت کے تفاوت کو اگرچہ دبایا نہیں لیکن اسے حد اعتدال میں رکھنے کے لیے نظام زکوٰۃ و عشر پیش کیا ہے تاکہ امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہ ہو جائے ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ (۱۹:۵۱)

”ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے“

۸۔ انفاق فی سبیل اللہ:۔ زکوٰۃ و عشر کے فریضہ کے علاوہ بھی اسلام نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ...﴾ (۲۱۹:۲) ”محمد ﷺ سے سوال کرتے ہیں ہم راہ الہی میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو“

۹۔ اکتناز کی ممانعت:۔ اللہ کی راہ میں خرچ کئے بغیر دولت کو جمع کئے رکھنا اسلامی اصطلاح میں اکتناز کہلاتا ہے اور اسلام نے اس کی ممانعت کی ہے ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا ينفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ . يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ (۳۵-۳۴:۹) ”محمد ﷺ در دناک سزا کی خوشخبری ان کو سنائیے جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو“

۱۰۔ احتکار کی حرمت:۔ اسلام میں اکتناز کی طرح احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ محمد ﷺ نے فرمایا کہ من احتکر فهو خاطی ”احتکار کرنے والا گناہگار ہے۔“

۱۱۔ بچت کی اجازت:۔ اکتناز اور احتکار کی حرمت سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام کسی بھی انداز میں اور حالات میں پیسہ جمع کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس کے برعکس اسلام انسان کی ذاتی ضروریات کے لیے بچت اور رقم کو پس انداز کرنے کو جائز سمجھتا ہے بشرطیکہ یہ ذخیرہ اندوزی کے ذیل میں نہ آئے اور اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے اگر صاحب نصاب ہو۔

۱۲۔ پیشہ کا انتخاب :- اسلام چند حدود قیود کے ساتھ اس شے کی مکمل اجازت دیتا ہے انسان جو پیشہ اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے مختلف انبیاء نے مختلف پیشے اختیار کئے خود محمد ﷺ نے تجارت کو بھی پیشہ کے طور اپنایا۔

۱۳۔ حلال و حرام کا امتیاز :- اسلام نے اگرچہ ہر پیشہ اختیار کرنے کی ہر انسان کو اجازت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ وہ حلال ذریعہ آمدن ہونہ کہ حرام ایسا نہ ہو کہ جوئے، چوری چکاری، ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا لیا جائے یا حرام اشیاء مثلاً خمر و خنزیر وغیرہ کی تجارت شروع کر دی جائے۔ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تَذُلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱۸۸:۲)

”اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر نہ کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدموں کو حکام کے پاس اس غرض سے نہ لے جاؤ کہ اس کے ذریعے سے اموال کا ایک حصہ ظلم کر کے کھا جاؤ اگرچہ تمہیں اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو“

۱۴۔ خرچ میں حد بندی :- اسلام چاہتا ہے کہ حلال کی کمائی کو حلال اور جائز کاموں پر ہی صرف کیا جائے چنانچہ اسلام فضول خرچی کی ممانعت کرتا ہے۔

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۱۳:۶)

”اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا“

۱۵۔ میانہ روی :- اسلام جہاں ایک طرف اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کرتا ہے وہاں دوسری طرف بخل اور کنجوسی کو بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (۲۹:۱۷) ”نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ“

۱۶۔ کسب معاش :- اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی فرد جو معذور ہو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے نہ بیٹھا رہے بلکہ ہر فرد زندگی کی جدوجہد میں حصہ لے۔ سورہ جمعہ میں جہاں خطبہ کے وقت تجارت روک دینے کا ذکر ہے

وہاں ساتھ ہی بعد از نماز جمعہ رزق الہی کی تلاش کے لیے نکلنے کے لیے بھی فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۱۰:۶۲) ”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے“

۱۷۔ حرمت سود:۔ سود معاشرہ میں طبقاتی کشمکش اور غیر فطری تفاوت پیدا کرتا ہے اسلام نے اس کی سختی سے مخالفت کی ہے ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا...﴾ (۲:۲۷۵) ”جو انسان سود کھاتے ہیں ان کا حال ایسا ہو جاتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شے ہے“ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے“

صرف یہی سمجھنا کہ سود اور تجارت لین دین بالمثل اور مشابہ کاروبار ہیں اللہ کے نزدیک پاگل پن سے کم نہیں کیونکہ اللہ نے سود کو حرام تجارت کو حلال کیا ہے ذرا غور کرو۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۸۔ دنیا و آخرت کا حسین امتزاج:۔ اسلامی نظام اقتصادیات صرف دنیاوی فلاح اور افادہ ہی کو مد نظر نہیں رکھتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخروی فلاح اور نجات و کامیابی کو بھی مد نظر رکھتا ہے دیگر اقتصادی نظاموں میں یہ بات نہیں پائی جاتی ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ. وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا﴾ (۲:۲۰۰-۲۰۲) ”اللہ کو یاد کرنے والے انسانوں میں بھی فرق ہے۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے ایسے انسان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا ایسے انسان اپنی کمائی کے مطابق دونوں جگہ حصہ پائیں گے“

۱۹۔ معاشرتی فلاح و بہبود:- اسلام نے فرد کی ذاتی فلاح کے علاوہ نظام زکوٰۃ و عشر و نفاق فی سبیل اللہ اور کسب حلال جیسے احکام کے ذریعے سے اسے معاشرتی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی بھی ترغیب دلائی ہے۔ انہیں الگ ابواب کی صورت میں آگے پیش کیا جاتا ہے۔

۲۰۔ قانون وراثت:- اسلام نے بعد از مرگ ترکہ کی وراثت میں حقوق کے مطابق تقسیم کے بھی اصول وضع کئے ہیں ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (۱۱:۴) ”تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے“

۲۱۔ الٰہی نظام:- اسلامی نظام معیشت کا ایک بہت بڑا امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ نظام خود اللہ کا وضع کردہ ہے۔ اس کے برعکس نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت وغیرہ انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور چونکہ خالق ارض و سماء اپنی مخلوق کی ضروریات کو زیادہ بہتر سمجھتا ہے اس لیے یہ نظام جو کہ اللہ کا وضع کردہ ہے زیادہ جامع مکمل اور قابل عمل ہے کوئی اور نظام اس کے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۲۲۔ غنائم کی تقسیم:- دیگر اقوام سے جنگ اور حملہ کی صورت میں آنے والے مال غنیمت کے متعلق بھی اسلام نے واضح احکام دیئے ہیں۔ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ...﴾ (۴۱:۸)

”تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے“

۲۳۔ حکومت کا کردار:- اسلام انسانوں کے معاشی حقوق پر حکومت کی ڈکٹیٹر شپ نہیں چاہتا ہے لیکن رعایا کو کھلی چھٹی بھی نہیں دیتا بلکہ انہیں چند قواعد و ضوابط کا پابند بناتا ہے اور ان قواعد کی پابندی نہ کرنے پر حکومت کو سزا کا اختیار بھی دیتا ہے۔

۲۴۔ ہبہ:- کسی نیک مقصد کے لیے یا قومی فلاح و بہبود کے لیے کسی کو مال ہبہ کرنے کو بھی اسلام پسند کرتا ہے اور اس میں ضروری نہیں کہ جس کو ہبہ کیا جا رہا ہے وہ مفلس اور غریب ہی ہو بلکہ مال دار اور غنی کو بھی ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۵۔ عاریت :- اسلام باہمی تعاون کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اشیاء ضرورت کو بلا معاوضہ عاریتاً دینے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور عام استعمال کی شے عاریتاً نہ دینے والے کو ناپسند کرتا ہے اور ایسے انسانوں کو ان میں شامل کیا گیا ہے جو روز قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔

﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ (۷:۱۰۷) ”معمولی ضرورت کی اشیاء انسانوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں“

۲۶۔ صدق و امانت :- اسلام تجارت و معیشت میں صدق و امانت کا معاملہ کرنے کی تلقین کرتا ہے جیسا فقہانے مسئلہ بتایا ہے کہ اگر تجارت کے کسی مال میں کوئی عیب ہو تو تاجر کو چاہیے کہ وہ گاہک کو وہ عیب دکھا اور بتلا کر اپنی شے فروخت کرے۔

۲۷۔ ملاوٹ سے اجتناب :- اسلام نے دھوکہ دہی کرنے والے اور ملاوٹ کرنے والے پر سخت وعید کی ہے من غش فلیس منا ”جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے“

۲۸۔ قرض :- اسلام ضرورت کے لیے بلا سود قرض دینے اور اس میں ممکن حد تک آسانی پیدا کرنے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲۸۰:۲) ”تمہارا قرض داری تک دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو“

۲۹۔ وصیت :- تقسیم وراثت کے علاوہ مسلم، عاقل، بالغ انسان کو وصیت کی بھی اسلام اجازت دیتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (۱۰۶:۵) ”اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل انسان گواہ بنائے جائیں“

۳۰۔ ماپ تول کی درستگی :- اسلام نے ماپ تول میں کمی بیشی کی بھی ممانعت کی ہے اور درست ماپ تول کی تلقین کی ہے۔

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ (۱۵۲:۶) ”ناپ تول میں پورا انصاف کرو“

۳۱۔ بیت المال :- اسلامی نظام معیشت کی کامیابی کے لیے اور اس کو مستحکم انداز میں چلانے کے لیے بیت المال کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنے دور میں اس کا التزام کیا تھا۔ عصر حاضر میں اس کی اشد ضرورت ہے

۳۲۔ شفعہ :- اسلام نے جائداد کے تحفظ کے لیے شریک اور پڑوسی کو شفعہ کا حق بھی دیا ہے۔ لیکن یہ حق صرف فوری نوعیت کا ہے اور تاخیر پر باطل ہو جاتا ہے۔

۳۳۔ اجرت :- مزدور کی اجرت اسلام کی رو سے مناسب ہونی چاہیے اور اس کی ادائیگی بھی فوری ہونی چاہیے حدیث میں ہے کہ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کی جائے“

۳۴۔ اعداد و شمار :- درست اعداد و شمار بھی اسلامی نظام معیشت کے قیام و استحکام کے لیے بہت ضروری ہیں۔ صحیح بجٹ کی تیاری اور مختلف منصوبوں پر اخراجات کا صحیح ریکارڈ بیت المال کی آمدن اور خرچ کا مکمل ریکارڈ و اندراج یہ سب نہایت ضروری ہیں۔

۳۵۔ قیمتوں کا تعین :- قیمت بڑھانے کے لیے کسی کی بولی پر بولی لگانے سے منع فرمایا ہے۔

۳۶۔ لچک آمیز :- اسلام کا اقتصادی نظام اس لحاظ سے اپنے اندر کافی لچک لیے ہوئے ہے کہ اسلام نے چند اصول وضع کر دیئے ہیں جن کی مدد سے نئے نئے حالات میں پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل کا حل ممکن ہے۔ اسلام نے کوئی متعین اور محدود معاشی پالیسی نہیں دی کہ اگر اس پالیسی سے ہٹ کر کوئی مسئلہ پیش آجائے تو اس کے سامنے یہ نظام بے بس ہو جائے۔

۳۷۔ ضروریات انسانی کے عین مطابق :- اسلام کا نظام معیشت چونکہ اللہ کا وضع کردہ ہے اور خالق کائنات اپنی مخلوق کی ضروریات کو مخلوق سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہے اس لیے اللہ نے اس نظام کو ضروریات انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق وضع کیا ہے جبکہ دیگر نظام انسانوں کی محدود سوچ کے تشکیل کردہ ہیں جن میں سہو اور غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے (ماخوذ)

اسلام کا فلسفہ حلت و حرمت

باب ۴

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کر کے اس کے لیے بے شمار نعمتیں تخلیق فرمائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کے فائدہ کے لیے کچھ حدود و قیود بھی مقرر فرمائیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ حدود و قیود انسان کے فائدہ کے لیے نہ ہوتیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کے شکر کا تقاضا تھا کہ پھر بھی ان کی پابندی کی جاتی لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کا فرق رکھ کر ہمیں ضرر اور نقصان سے محفوظ فرمایا۔

حلال کیا ہے؟ ایسی مباح اور غیر ممنوع شے جس کے استعمال کی شارع نے اجازت دی ہو۔

حرام کیا ہے؟ جس کی قطعی طور پر شارع نے ممانعت فرمائی ہو۔

اسلام میں حلت و حرمت کی تین اقسام ہیں

(i) حلال و حرام اغذیہ (ii) حلال و حرام ذرائع (iii) حلال و حرام امور۔

(i) حلال و حرام اغذیہ:۔ کون سی اشیاء کی اسلام نے کھانے پینے کی اجازت دی ہے اور کون کون سی اشیاء کھانے سے اسلام نے منع کیا ہے مثلاً میہ، دم، لحم الخنزیر، ما اهل لغير الله اور بہ شراب کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح بکری، گائے، بھینس اونٹ وغیرہ جو شرعی طریقے سے ذبح کیے گئے ہوں ان کے گوشت کو حلال قرار دیا گیا ہے اس طرح اور حلال جانوروں کے دودھ کو بھی حلال قرار دیا گیا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (۵: ۳) ”تم پر مردار، خون، لحم خنزیر، وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے حرام، اسی طرح وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو حرام کیا گیا ہے ﴿أَجَلَّتْ لَكُمْ بِهِمَةَ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ (۱: ۵) ”تمہارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے سوائے ان کے جو آگے چل کر تم کو بتائے جائیں گے“

۲۔ حلال و حرام ذرائع: حلال و حرام ذرائع بھی اسلام نے بتائے ہیں حلال شے بھی اگر حرام ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو تو اس کا استعمال حرام ہو جاتا ہے مثلاً تجارت، صنعت اور زراعت وغیرہ کو اسلام نے جائز اور حلال قرار دیا ہے لیکن اس کے برعکس چوری، ڈکیتی، جو اور سود وغیرہ کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (۲۸:۵)

”چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو“

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (۲:۲۷۵) ”وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے“
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ... (۱۰:۶۲)
”پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور فضل الہی تلاش کرنے لگ جاؤ“

۳۔ حلال و حرام امور: بعض امور کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور بعض کو حرام مثلاً نکاح اور شادی حلال ہے لیکن اس کے برعکس زنا اور فحاشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَسَاءً سَبِيلاً﴾ (۲۴:۱۷)

”زنا کے قریب نہ جاؤ وہ بہت ہی برا فعل اور برا راستہ ہے“

﴿وَاحِلْ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ إِنْ تَتَّقُوا بِأَمْوَالِكُمْ مِثْلَ تَقَاتُورِ الْمَرْءِ بِأَمْوَالِهِ﴾ (۲۴:۳)

”ان کے ما سوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے

لیے حلال قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو“

کچھ حلال امور جو بعض حالات میں حرام ہو جاتے ہیں

ان اقسام کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ بعض حلال اشیاء بھی بعض مواقع پر حرام

ہو جاتی ہیں مثلاً ایک حلال جانور یا حلال پرندہ ہے اور اس کا شکار کر کے اسے حاصل کرنا بھی ایک

حلال ذریعہ ہے لیکن احرام کی حالت میں یہ حرام ہو جاتا ہے۔

﴿غَيْرِ مُجَلَّى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ...﴾ (۱:۵)

”لیکن احرام کی حالت میں شکار کو اپنے لیے حلال نہ کرو“

اسی طرح اپنی بیوی سے مباشرت ایک جائز اور حلال امر ہے لیکن اعتکاف کی حالت میں حرام ہے ﴿وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ (۱۸۷:۲) ”جب تم مساجد میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب مت جاؤ“

حلت و حرمت قرآن کے تناظر میں

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ...﴾ (۱۷۳:۲) ”اللہ کی طرف سے اگر تم پر کوئی پابندی ہے تو وہ یہ ہے کہ مردار نہ کھاؤ خون، لحم خنزیر سے پرہیز کرو اور کوئی ایسی شے نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام لیا گیا ہو“ ﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلَّوَامِنَهُ لِحِمَا طَرِيًّا...﴾ (۱۳:۱۶) ”اللہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ“

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ...﴾ (۱۱۵:۱۶) ”اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے وہ مردار، خون، لحم خنزیر اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو“

﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ (۱۱۳:۵)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو حلال اور طیب رزق بخشا ہے اسے کھاؤ“

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ...﴾ (۳۳:۷) ”اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ میرے رب نے جو اشیاء حرام کی ہیں ان میں بے حیائی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے، گناہ، حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو“ ﴿أَجَلٌ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ...﴾ (۹۶:۵)

”تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَتَّغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ

فاصطادوا ﴿۲:۵﴾ ”اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی مت کرو۔۔۔ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال نہ کرو قربانی کے جانوروں پر دست ڈرازی نہ کرو اور نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذرا لہی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں نہ ان کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل سے اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکان محترم کعبہ کی طرف جا رہے ہوں ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو۔۔۔“

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلَّبِينَ تَعْلَمُونَ لَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ..﴾ ﴿۴:۵﴾ ”وہ سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے حلال کیا ہے اے محمد ﷺ فرمادیجیے! تمہارے لیے ساری طیب اشیاء حلال کر دی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو۔۔۔ اللہ کے دیے ہوئے علم کی بنا پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔۔۔ وہ جس جانور کو تمہارے لیے پکڑے رکھیں اسکو بھی تم کھا سکتے ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو“

﴿الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ....﴾ ﴿۵:۵﴾ ”آج تمہارے لیے ساری طیب اشیاء حلال کر دی گئی ہیں اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہوں سے ہوں یا ان اقوام میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی“ (نوٹ) اہل کتاب سے نکاح اور ذبیحہ کے بارے میں علمی مقالہ زیر تسوید ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾

”اے انسانو! زمین میں جو حلال اور طیب اشیاء ہیں انہیں کھاؤ“

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ..﴾ ﴿۱۸۸:۲﴾ ”اے انسانو! تم نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال مارو طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں

کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے“
 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِلَبَاطٍ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ
 تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (۲۹:۳) ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ
 کھاؤ آپس کی رضامندی سے لین دین ہونا چاہیے“

حلت و حرمت حدیث کے تناظر میں

”بہترین مال حلال روزی کمانا ہے“ ”حلال طریقوں سے روزی کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے“
 ”اللہ طیب اشیاء ہی کو پسند کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو وہ حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں
 کو دیا وہ حکم یہ ہے کہ اے میرے انبیاء! طیب اشیاء کھاؤ اور نیک اعمال کرو“ ”تمہارے خون، مال اور
 آبرو تم پر اسی طرح حرام ہے جیسے یہ مہینہ یہ دن اور یہ شہر تمہارے لیے حرام ہے“
 ”جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے“ ”حلال رزق کمانے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے“
 ”اگر ایک انسان حرام مال کھاتا ہے اور پھر اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو اس کا صدقہ قبول نہیں کیا
 جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو ناپاک سے صاف نہیں کرتا“

”وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی جنت میں داخل نہ ہوگا“

”جس آدمی کے پیٹ میں حرام کا ایک نوالہ بھی داخل ہو گیا اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا اور جو
 گوشت حرام مال سے بنا ہے آگ اس کی زیادہ حقدار ہے“

حلال و حرام اغذیہ، حلال و حرام ذرائع اور حلال و حرام امور کے متعلق بے شمار آیات قرآنیہ اور

احادیث نبویہ موجود ہیں جن میں سے صرف چند ایک کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک ضروری وضاحت:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ... (۱:۶۶)

”محمد ﷺ! تم کیوں اس شے کو حرام کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہے“

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے محمد ﷺ

کے پاس نہیں ہے۔ محمد ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ کیوں حرام فرما رہے ہیں؟ اس سے مراد بڑی وسیع ہے ایک تو محمد ﷺ کا عمل اللہ کی مرضی کے تابع ہے اور آپ ذاتی مرضی اختیار نہیں فرماتے لیکن محمد ﷺ کا جو عمل ایسی حد و بند ہے کہ امت نہ اس سے بڑھ کر کوئی عمل کرے نہ کوئی عمل چھوڑے اگر آپ متواتر اس مذکورہ شے کو استعمال نہ کرتے تو وہ امت کے لیے کبھی استعمال کے لیے جائز نہ ہوتی۔

”کسی شے کو حلال یا حرام کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں“

حلال اشیاء کی حرمت کے مختلف طریقے

۱. میتہ، دم، لحم الخنزیر اور ما اهل لغير الله به“ یہ چار اشیاء ایسی ہیں کہ جن کی حرمت کا تذکرہ قرآن کریم میں متفرق مقامات پر اسی ترتیب سے آیا ہے۔ ان کی وضاحت یہ ہے۔

۱۔ میتہ: ایسا جانور جو ذبح نہ کیا گیا ہو اس کی حرمت تمام مکاتب فکر (School of Thought) میں موجود ہے اور تمام مکاتب فکر ذبح کے قائل ہیں اگرچہ طریقہ مختلف ہے ذبح نہ کرنے کی وجہ سے خون اور حرارت عزیز یہ مصنوعیہ جسم میں بند رہ جاتے ہیں جس سے زہریلا مواد بن جاتا ہے چنانچہ مردار کو کھانا مضر ہے مردار کو حرام قرار دینے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس کی ہلاکت کا باعث یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا ہے وہ کسی زہریلی شے کے کھانے سے مراد ہو اور پھر جو انسان اسے کھائے اسے بھی نقصان کا خدشہ ہے علاوہ ازیں جانوروں کے خون میں کئی طرح کے جراثیم موجود ہوتے ہیں جو خون نہ نکلنے کی وجہ سے جسم کے اندر رہ جاتے ہیں اس طرح سے بھی مردار کھانا مضر ہے۔ ذاتی خون میں موجود کو لیسٹریول وغیرہ خطرناک ہوتے ہیں۔

۲۔ دم۔ دم سے مراد دم مسفوح ہے جو ذبح کے وقت بہے اس میں گندے مادے موجود ہوتے ہیں اس کے پینے سے وحشت و بربریت پیدا ہوتی ہے جہالت کے دور میں اہل عرب زندہ جانور کے جسم میں کوئی نوکدار شے گھونپ دیتے اور اس سے بہنے والا خون پیتے اس سے جانور کو از حد اذیت پہنچتی دم کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس قسم کی صورت حال کی روک تھام ہو جائے علاوہ ازیں وحوش کا معدہ تو اسے جلد ہضم کر سکتا ہے لیکن انسانی معدہ اسے آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا چنانچہ یہ صحت کے لیے

مضر ہے اس میں کئی قسم کے بند جراثیم بھی ہوتے ہیں۔

۳. لحم الخنزیر: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لحم الخنزیر سے مراد اس کا پورا جسم ہے البتہ چمڑا سینے کے لیے اس کے بالوں کے استعمال کی اجازت دی جاتی ہے کوڑا کرکٹ خنزیر کی پسندیدہ غذا ہے جانوروں میں اسے انتہائی بے شرم اور بے غیرت سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ اس کے استعمال سے بے شرمی اور بے غیرتی پیدا ہوتی ہے یورپ میں خنزیر کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے اس کے گوشت سے ایک خاص قسم کے کیڑے پیدا ہوتے ہیں جو طاعون کا باعث بنتے ہیں اس کا گوشت صحت کے لیے مضر بھی ہے خصوصاً گرم علاقوں میں اس کا استعمال انتہائی مضر ہے۔ مشہور عام یہی کچھ ہے۔
تفصیل آخری باب میں دیکھئے۔

۴۔ ما اهل لغير الله به: اس سے مراد یہ ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا جائے۔

(i) جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا گیا ہو اور اس پر ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام ہی لیا جائے۔

(ii) جانور غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا گیا ہو لیکن ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لے لیا جائے۔

(iii) جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور اسے ذبح کرنا حرام سمجھا جائے۔

ان میں سے پہلی دو صورتوں میں ایسے جانور کا گوشت کھانا بالاتفاق ناجائز اور حرام ہوگا یعنی جو

جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا اس پر خواہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے یا اللہ کا نام لیا جائے وہ

حرام ہی ہوگا ہاں اگر غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا گیا تھا لیکن بعد میں نیت بدل گئی اور خالص اللہ کے نام

پر اسے ذبح کیا جائے تب اس سے کھانا حلال اور جائز ہوگا۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں:-

”صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص جانور ذبح کرنے سے غیر اللہ کا تقرب چاہے وہ ملعون ہے ذبح کے

وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں غیر اللہ کے لیے ہے تو ذبح

کے وقت اللہ کا نام لینے سے کوئی فرق ظاہر نہ ہوگا جب وہ جانور بطور نذر و منت غیر اللہ کی طرف منسوب

ہو گیا اب وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔۔۔“

تیسری صورت میں مسئلہ اس سے الگ ہے چونکہ مشرکین اسے ذبح کرنا حرام سمجھتے ہیں تو اگر

اس کے گوشت کو بھی حرام قرار دے دیا جائے تو اس سے مشرکین کی تردید نہ ہوگی بلکہ تائید ہوگی ان کی تردید اس میں ہے کہ اسے ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت کھایا جائے قرآن حکیم نے اس قسم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ ان انسانوں کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے۔

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (۱۰۳:۵)

”اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے وہمیات کو مان رہے ہیں)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام کے متعلق مودودی صاحب تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں: ”جس طرح ہمارے ملک میں گائے، بیل اور بکرے اللہ کے نام پر یا کسی بت یا قبر یا دیوتا یا پیر کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ان سے کوئی خدمت لینا یا انہیں ذبح کرنا یا کسی طور پر ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا ہے اسی طرح زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بھی مختلف طریقوں سے جانوروں کو ہن کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے اور ان طریقوں سے چھوڑے ہوئے جانوروں کے الگ الگ نام رکھتے تھے“ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ سب کچھ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھا ہے اس لیے اس کی نفی اسی صورت میں ہوگی کہ ایسے جانور کو ذبح کیا جائے اور کھایا جائے نہ کہ حرام سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ الغرض اول تین اقسام کا جسمانی طور پر نقصان ہوتا ہے لیکن آخری قسم کا براہ راست ایمان پر اثر ہوتا ہے۔ لہذا ان کا حکم الگ الگ ہے اگر حکم ایک ہوتا تو الگ الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

☆%

ایک انسان اپنا جال اس شرط پر دیا کہ شکار کے بعد جو کچھ مچھلیاں جمع ہوں گی انہیں آپس میں عطف کر کے تقسیم کر لیں گے یہ شرکت بھی فاسد ہے جتنی مچھلیاں شکار ہوئی ہیں وہ شکار کرنے والے کی ملکیت ہیں جال والا صرف اپنے جال کا کرایہ وصول کر سکتا ہے (عالمگیری، ج ۴، ص ۴۲)

باب ۵ حلت و حرمت کے ذرائع

اسلام نے صرف ان اشیاء کا استعمال جائز قرار دیا ہے جو خود بھی اور ان کے حصول کا ذریعہ بھی حلال ہو شریعت اسلامیہ میں تجارت، زراعت وغیرہ حلال ذرائع رزق ہیں اس کے برعکس بہت سے حرام ذرائع رزق بھی ہیں ذیل میں ان کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے:-

۱۔ چوری: اسلام نے چوری کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے لیے قرآن میں ہاتھ کاٹنے کی سزا مذکور ہے چوری سے مراد یہ ہے کہ کسی کا محفوظ مال اس کی لاعلمی میں حاصل کر لینا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ (۳۸:۵)

”چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا“

۲۔ لوٹ مار اور ڈکیتی: کسی کا مال اس کی مرضی اور رضا کے بغیر زبردستی چھین لینا اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے ”جس انسان نے لوٹ مار کی وہ ہم میں سے نہیں“

۳۔ ماپ تول میں کمی: اسلام نے ماپ تول میں کمی کر کے کمائی کرنے اور نفع کمانے کو بھی ممنوع کر دیا ہے۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (۸۵:۷)

”لہذا اوزان اور پیمانے پورے کرو انسانوں کو ان کی اشیاء میں خسارہ نہ دو“

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ (۸۳:۱۱) ”اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو“

ماپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تباہی اور ہلاکت دینے کا ذکر بھی کیا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ. الَّذِينَ إِذَا كُنُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ. وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْزَانُهُمْ يَنْخَسِرُونَ. (۸۳:۱-۲-۳)

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ دوسرے

انسانوں سے تو پورا پورا لیتے ہیں لیکن ان کو کمی بیشی کر کے ناپ یا تول کر دیتے ہیں“

اسلامی تجارت کے بابرکت اور باوقار پیشہ کو ناپاک اور بے وقار بنانے کی ایک مکروہ شکل وہ ہے جس میں حیلہ کے ذریعے ایک تاجر کم مال دے کر زیادہ کے دام وصول کرتا ہے اور اپنے بھائی کی

خون پینے کی کمائی کو بٹورنا چاہتا ہے یہ ایک ایسی لعنت ہے جس میں بعض امم سابقہ کے بددیانت تاجر بھی مبتلا تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہاں کے انسان بھی ماپنے میں بڑے خبیث تھے علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ ابوہینہ کے پاس دو پیانے تھے ایک خریدنے اور دوسرا فروخت کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔

اسلام تو اس سلسلہ میں مساوات سے آگے احسان کا حکم دیتا ہے محمد ﷺ ایک دفعہ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے ایک انسان کو دیکھا جو پیشہ و روزن کرنے والا تھا محمد ﷺ نے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: زن وارجع۔ ”تول اور جھکا کے تول“

یہ تعلیم قیامت تک کے تاجروں کے لیے وصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یوسف علیہ السلام بھی اپنے بھائیوں کے لیے کہتے تھے: لا ترون انی اوف الکیل وانا خیر المنزلین۔

”تم دیکھتے نہیں میں پورا پورا پیمانہ بھرنے کے دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی اچھی طرح کرتا ہوں“

۲۔ سود: سود جو کہ دولت کو چند ہاتھوں میں مرکز کر دیتا ہے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا تا چلا جاتا ہے اسلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے۔

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (۲: ۲۷۵)

”وہ کہتے ہیں ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے“ پھر سود کے متعلق قرآن کریم نے انتہائی سخت الفاظ استعمال کیے ہیں:-

بَايِعُوا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذُورُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ . فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴿۲﴾ (۲: ۲۷۸، ۲۷۹)

”اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود انسانوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے“ ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزْبِئُ الصَّدَقَاتِ﴾ (۲: ۲۷۶)

پیشہ تجارت میں سب سے بڑا استحصالی حربہ سود ہے جس میں سرمایہ دار غریب مجبور کا خون چوستا

ہے اور خونخوار بھیڑ یا نظر آنے لگتا ہے سرمایہ دارانہ نظام نے اس کو اتنا رواج دیا ہے کہ ساری دنیا اس کے دامن تذویر میں گرفتار ہے ایک منظم سازش کے ذریعے سرمایہ دار اور بینکار حکومت ہو یا افراد تجارتی سود کے ہتھیار سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے حاجت مندوں کا خون نچوڑتے ہیں اور اس نظام کی کوکھ سے جنم لینے والا یہ سرمایہ دار درندہ مظلوموں کی کراہوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یہی وہ یہودی نظام ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا کو غلام بنایا جا رہا ہے جو ان کی شروع سے عادت رہی ہے اسلام نے اس شجر ملعونہ کو رذائل سے ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔

وا حل اللہ البیع و حرم الربوا۔ ”اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے“
 حرمت سود کے ساتھ یہ رعایت بھی نہ دی گئی کہ جو سابقہ سودی رقم مقروض کے ذمہ رہ گئی ہے وہ اسے وصول کر لیا جائے۔ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین ”جو تمہارا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو“ سود خور ہر وقت ہل من مزید کے نعرے لگانے والا انسانوں کے معاشی ذرائع پر زبردستی قبضہ کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور پھر اپنی اس دیوانگی پر تجارت اور سود دونوں کا مقصد ایک ہی گردانتا ہے قدر زائد بڑھوتری اور سرمایہ میں اضافہ کے لیے اس امر کی وضاحت ضروری ہے لہذا درج ذیل فرق ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اسلامی طریقہ بیع میں فریقین بائع و مشتری کے درمیان حقیقی رضا و رغبت ہوتی ہے جبکہ سود میں ایک فریق سرمایہ دار کے حقیقی خود غرضانہ رغبت اور دوسرے فریق مشتری کے لیے مصنوعی رضامندی وہ بھی اضطراب اور اکراہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

ب۔ اسلامی تجارت میں فریقین میں باہمی تعاون و اشتراک ہوتا ہے جبکہ سود میں یہ تعاون سرے سے مفقود ہوتا ہے بلکہ ایک طرف سرمایہ دار بنک کی یقینی ترقی اور خوشحالی جبکہ دوسری طرف غریب قرض خواہ کے افلاس و بے بسی کا تماشہ ہوتا ہے۔

ج۔ اسلامی تجارت میں فریقین کے لیے حصول نفع کے یکساں مواقع ہوتے ہیں جبکہ سود میں ایک طرف سرمایہ دار کا یقینی نفع اور دوسری طرف محتاج غریب کا خسارہ یقینی ہوتا ہے۔

درج ذیل فرق جاننے کے بعد ہر ذی شعور کو چاہیے کہ وہ قوانین تجارت و معاشیات کا ادنیٰ طالب علم

کیوں نہ ہو وہ تجارت اور سود کے درمیان فرق باسانی کر سکتا ہے۔

۵۔ حرام اشیاء کی تجارت: شراب، ایون، چرس، خنزیر وغیرہ حرام اشیاء کا جس طرح استعمال حرام ہے اسی طرح ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے جیسا کہ شراب کے متعلق انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دس انسانوں پر لعنت کی ہے۔

(i) اس کے نچوڑنے والے پر جو کسی دوسرے کے لیے نچوڑتا ہو

(ii) اپنے لئے اس کے نچوڑنے والے پر

(iii) اس کے پینے والے پر

(iv) اس کے لے جانے والے پر

(v) جس کے لیے لے جائی جا رہی ہو اس پر

(vi) اس کے پلانے والے پر

(vii) اس کے بیچنے والے پر

(viii) اس کی قیمت کھانے والے پر

(ix) اس کے خریدنے والے پر

(x) جس کے لیے خریدی جائے اس پر

(xi) حدیث میں ہے جس شے کا کھانا حرام ہے اس کا دام بھی حرام ہے۔

۶۔ عصمت فروشی اور قحبہ گری: اسلام نے عصمت فروشی اور قحبہ گری سے بھی منع کیا ہے اور

”زانیہ عورت کی بکائی ناپاک ہے“ (حدیث)

قرآن لوندیوں سے پیشہ کروانے سے روکتا ہے۔

وَلَا تَكْرِهُوا قَتِيلِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ تَحْصِنَا لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْنَهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۲۳:۲۳)

”اپنی لوندیوں کو دنیاوی فائدوں کے لیے قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں

اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے لیے غفور رحیم ہے“
 ۷۔ ملاوٹ اور دھوکہ دہی: ملاوٹ اور دھوکہ دہی کے ذریعہ انسانوں کو ناقص مال فروخت کر کے صحیح
 مال جتنی قیمت وصول کر کے لینے کو بھی شریعت اسلامیہ نے ممنوع قرار دیا ہے۔

جسے آج کل کاروباری ہنر اور نفع آوری کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے اسلامی قانون تجارت میں
 یہ انبائیت سوز عمل ہے ایسے انسان دشمن آستینوں کے سانپوں کو شاید کہ یہ احساس نہیں کہ وہ اپنے اس
 قبیح عمل سے محمد ﷺ کے امتی ہونے کے اعلیٰ منصب سے محروم ہونے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ من
 غش فلیس منا ”جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں“ (مسلم)

”عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایک دفعہ ایک گوالے کا پانی ملا دو دھزین پر بہا دیا تھا“ (نیل ۲-۱۸۱)

۸۔ غصب: ظلم اور جبر کے ساتھ کمزوروں کا مال ہتھیالینے سے بھی اسلام نے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ جو
 اس طرح مال غصب کر کے کھاتا ہے وہ درحقیقت آگ کھا رہا ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ
 سَعِيرًا (۱۰:۳) ”جو انسان ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ میں آگ
 بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے“

۹۔ خیانت

خیانت کے ساتھ بھی نفع کمانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے متعلق کہا گیا ہے قیامت کے روز
 اس کا بدلہ ملے گا اور اسے اس کا حساب دینا پڑے گا۔

﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
 يُظْلَمُونَ﴾ (۱۶۱:۳) ”جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائے گا
 پھر ہر تنفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم بھی نہیں کیا جائے گا“

کسب معاش میں خیانت کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی مشین وغیرہ کسی کو مرمت کے لیے دی
 جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ شے اس کو بطور امانت دی ہوگی اگر وہ اس کے قیمتی پرزے نکال کر اپنے پاس

رکھ لیتا ہے اور اس میں گھٹیا پرزے ڈال دیتا ہے تو یہ خیانت ہوگی۔

۱۰۔ رشوت

رشوت بھی معاشرہ کی ایک برائی ہے جو کئی حق داروں کو حق سے محروم کرتی ہے اور کئی قسم کے غلط فیصلوں کا سبب بنتی ہے اسلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے۔

اس منفعت کا نام ہے جو کوئی حاکم یا سرکاری ملازم اپنی ذمہ داری کے کام میں کسی متعلقہ فریق سے حاصل کرے یا وہ منفعت جو کسی حاکم یا سرکاری ملازم کو دے کر اس سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جائے شرعاً رشوت حرام ذریعہ کمائی ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱۸۸:۲) ”اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال

کو ناحق طور پر نہ کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدموں کو حکام کے پاس اس غرض سے نہ لے جاؤ کہ اس

کے ذریعے سے اموال کا ایک حصہ ظلم کر کے کھا جاؤ اگرچہ تمہیں اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو“

رشوت بھی گناہ اور باطل ذریعہ سے حاصل کردہ منفعت ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو

اجازت نہیں دی ہے اور اس حرام خوری میں صرف رشوت لینے والا ہی مجرم نہیں ہے بلکہ محمد ﷺ نے

رشوت دینے والے کو بھی برابر کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ لعن اللہ الراشی و المرشی۔ (ابوداؤد)

”اللہ تعالیٰ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت کی ہے“

المرشی و المرشی فی النار۔ (مجمع الزوائد) ”رشوت دینے اور لینے والے دونوں جہنمی ہیں“

حج یا کسی ملازم کو تحفہ یا ہدیہ دینا اسے کسی دعوت میں مدعو کرنا بھی رشوت کے ذیل میں آتا ہے۔

ایک صحابی صدقات کی وصولی کے لیے گئے بعض انسانوں نے صدقات کے ساتھ ان کو کچھ تحائف

دے دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ فہلا جلس فی بیت ابیہ فی نظر ابیہدیٰ لہ ام لا

والذی نفسی بیدہ لا یاخذ احد منه شیئاً الا جاء بہ یوم القیامۃ یحملہ علی

رقبۃ (بخاری) ”وہ اپنے باپ کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ اس کو تحفے ملتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ

کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے جو بھی ایسا مال لے گا وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر اسے اٹھائے گا“

ایک انسان نے کسی کے لیے سفارش کی اب وہ اس سفارش کے صلہ میں کوئی تحفہ یا ہدیہ وصول کرے تو یہ بھی شرعاً حرام ہے۔ من شفع لاحد فاحدى له هدية فقبلها فقد اتى باباً عظيماً من ابواب الربا۔ (ابوداؤد) ”جو کسی کے لیے سفارش کرتا ہے اور وہ اسے ہدیہ کوئی شے دیتا ہے تو یہ سود کی طرح کے جرم عظیم کا مرتکب ہوا ہے“

قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہم جملہ مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں رشوت کی لعنت کو ختم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی مشکلات میں گرفتار کیوں نہ ہو کسی کو رشوت نہ دے ورنہ وہ بھی لعنت کا مستوجب ہو جائے گا۔

چونکہ پاکستان کے سب ملازمین چھوٹے یا بڑے! ملک کے شہری ہیں اسلامی نظام کی پابندی ان کا بھی فرض ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں اس دن سے ڈریں جس دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا، دنیا کی مشکل سے یوم حساب کی مشکل بہت سخت ہے اس دن کے افسوس کرنے سے آج ہی توبہ کر لیں اور کبھی رشوت طلب نہ کریں متعلقہ کام کرنے کے لیے اس کا انتظار نہ کریں کہ رشوت حاصل ہو بلکہ رشوت کی پیش کش کرنے والے افراد کی حوصلہ شکنی کریں اور نہایت دیانتداری اور اللہ کے خوف کے جذبہ سے عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کریں اسی صورت میں رزق میں برکت ہوگی۔

من كان في حاجة كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة۔ (بخاری)

”جو انسان اپنے بھائی کی ضروریات پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو انسان مسلمان کی پریشانی زائل کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی ختم کرے گا“

﴿وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (۲: ۲۱۲)

”جسے اللہ چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے“

﴿وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّزُقِينَ﴾ (۱۱: ۶۲) ”اللہ بہترین رزق دینے والا ہے“

۱۱۔ شراب اور جوا

خبیث انسان کی نشانی یہ ہے کہ اسے شراب میں سکون اور زنا میں لذت محسوس ہوتی ہے۔
۔۔۔ شرابی کی بے غیرتی سے اس کے گھر میں بے حیائی زیادہ پھیلتی ہے۔

جوا اور موت۔۔۔۔۔ جوئے باز کو موت اس طرح آتی ہے جس طرح کتا دریا میں ڈوب کر مرتا ہے۔ جوا کی بھی شریعت اسلامیہ میں حرام اور شیطانی کام قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم نے انسانی معاشرہ کی برائیوں کو دور کرنے کے لیے انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق بتدریج پابندیاں عائد کیں تاکہ انسان آسانی سے برائیوں کو ترک کرنے پر آمادہ ہو سکے اور ان کی طبیعت کوئی دقت محسوس نہ کرے چنانچہ شراب کی حرمت کو واضح کرنے کے لیے پہلا حکم اس طرح دیا گیا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكْرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (۴:۴۳) ”اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ جو کچھ تم کہتے ہو“ سکر کا لفظ ہر نشہ آور شے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (۲:۲۱۹) ”اے رسول ﷺ یہ انسان آپ سے شراب اور جوا کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا نقصان ہے نیز انسانوں کے لیے فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا نقصان ان کے فائدہ سے بڑا ہے“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۵:۹۰) ”اے ایمان والو! یقیناً یہ شراب، جوا، بت اور

قرعہ اندازی کے تیرنا پاک ہیں لہذا تم اس شیطانی کام سے پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ (۵:۹۱) ”شیطان یہ چاہتا ہے کہ

شراب اور جوا کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے کیا تم اب بھی باز نہ آؤ گے“

تجارت میں جو اسٹہ بازی مختلف انداز میں پائی جاتی ہے۔ عہد جاہلیت میں اس کی چند شکلیں ملاسہ، منابذہ اور محافلہ وغیرہ تھیں جنہیں اسلام کے عادلانہ نظام تجارت نے حرام قرار دے دیا عصر حاضر میں لائری نمبر حاصل کرنا، مہذب تجارتی جوئے کی شکلیں ہیں یہ امر معاشرتی امن کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے اسلام نے جوئے کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:-

نظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جو ہے سود ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات

خمر کے معنی چھا جانا، ہر وہ شے جس کا کھانا پینا عقل اور ہوش پر چھا جائے جس کے اثر سے انسانی شعور کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور انسان حیوانی جذبات سے مغلوب ہو جائے۔ ما اسکر کثیرة فقلیلہ حرام۔ ”جس شے کی کثیر مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے“

شراب کے نشہ میں انسان ایسے کام اور ایسی حرکات کرتا ہے جو عقل و شعور کے لحاظ سے بالکل حیوانی ہوتی ہیں اسی طرح انسانی معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اسی لیے شراب کو ام الخبائث برائیوں کی ماں کہا گیا ہے۔

ازلام:- قال گیری اور قرعہ اندازی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو شرکانہ عقائد اور وہمیات سے آلودہ ہو اور جس سے توحید باری تعالیٰ پر زد پڑتی ہو۔

میسر:- ان کھیلوں اور کاموں کو کہتے ہیں جن میں اتفاقی امور کی کمائی اور قسمت آزمائی نیز اموال اور اشیاء کی تقسیم کا ذریعہ بنایا جاتا ہے ہر وہ شے جو انسان کو بغیر کسی محنت مشقت اور کوشش کے نہایت آسانی سے حاصل ہو جائے وہ میسر کہلاتی ہے۔ انعامی بانڈز اور مختلف کمپنیوں جیسے شینیل، بذناس، نیشنل کولا وغیرہ کی طرف سے انعامی ٹکٹ نکال کرٹی۔ وی۔ موٹر سائیکل اور کار وغیرہ تقسیم کی جاتی ہیں جو اسے جو سود کی طرح حرام ہیسا میسر کے لالچ نے انسان کو عملی طور پر ناکارہ بنا دیا ہے اور وہ مفت کی اصل کرنے کے لیے مختلف ناموں سے متعدد برے فعلوں کا شکار ہو گیا ہے اس طرح معاشرہ میں محنت اور مشقت سے جی چرانے کا رجحان بڑھ جاتا اور ایسا معاشرہ بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ فضول خرچی اور کنجوسی

آمد ہے چالیس کی خرچہ ہے پچاس جلدی جلدی ہو جائے گا اس کا ستیاناس
کنجوس کی روٹی بیماری پیدا کرتی ہے کنجوس سیدھے ہاتھ سے جان بھی نہیں دیتا موت کے فرشتے کو اس
سے بڑی لڑائی کرنی پڑتی ہے۔

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے فضول خرچی اور کنجوسی کے تمام بڑے پہلوؤں کو جو قومی
معیشت کے لیے ضرور رساں ہیں مکمل طور پر وضاحت کرتے ہوئے ان سے روکا ہے۔
اسلامی نقطہ نظر سے فضول خرچی تین امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ ناجائز کاموں میں دولت خرچ کرنا خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ جائز کاموں میں خرچ کرتے ہوئے حد سے تجاوز کرنا خواہ اس لہذا سے انسان اپنی استطاعت
سے زیادہ خرچ کرے یا اس لحاظ سے کہ انسان کو جو دولت ضرورت سے زیادہ مل گئی ہے اسے اپنے
عیش اور ٹھاٹھ باٹھ میں صرف کرتا چلا جائے۔

۳۔ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا مگر اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ صرف ریاء اور نمائش کے لیے۔
کنجوسی کا اطلاق دو اشیاء پر ہوتا ہے۔

i۔ انسان اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات پر اپنی توفیق اور حیثیت کے مطابق خرچ نہ کرے۔

ii۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکلے۔

﴿وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْدُرْ تَبْدِيرًا. إِنَّ الْمُبْدِرِينَ
كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا. وَإِنَّمَا تَعْرِضَنَّ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ
مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا. وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (۲۹:۱۷-۲۵)

”رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں کو ان کا مالی حق وغیرہ دے دو لہذا مال کی فضول خرچی مت کرو۔
فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر ہے۔ اگر تمہیں
اپنے رب کی طرف سے جس رزق کے آنے کی امید ہو اس کے انتظار میں ان سے پہلو تہی کی بجائے

زنی سے بات کہہ دینا۔ اپنے ہاتھ اپنی گردن کے گرد مت باندھو اور نہ ہی ان کو بالکل کھول دو۔ ورنہ تم رنجیدہ اور حسرت زدہ ہو جاؤ گے“

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ (۶۷:۲۵) ”مومنین جس وقت خرچ کرتے ہیں تو اسراف اور کنجوسی سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے رہتے ہیں“

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۳۱:۷)

”اے اولاد آدم علیہ السلام! تم خوب کھاؤ، پیو اور فضول خرچی مت کرو یقیناً اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا ہے“ من فقہ الرجل قصده فی معیشتہ (مشکوٰۃ) ”اپنی معیشت میں درمیانی راستہ اختیار کرنا انسان کو فقیہ بنا دیتا ہے“ خیر الامور اوسطها۔ ”بہترین کام وہ ہے جو درمیانہ ہو“ اس ارشاد نبوت کے نبوت کے مطابق خرچ کرنے کا بہترین طریقہ معتدل اور درمیانہ ہونا چاہیے جو فضول خرچی اور کنجوسی کے بین بین ہو۔

۱۳۔ ذخیرہ اندوزی

شریعت اسلامیہ کی رو سے ذخیرہ اندوزی (احتکار) یہ ہے کہ کوئی انسان غلہ یا دیگر اجناس کی بڑی مقدار اس لیے اکٹھی کرے تاکہ بازار گراں ہو جائے اور صارفین میں اس شے یا جنس کی مانگ کا مرکز وہی بن جائے اور انسان مجبور ہو کر اس ذخیرہ اندوز کی شرائط و ضوابط اور مقرر کردہ نرخوں کے مطابق خریدیں۔ ایسی مصنوعی قلت پیدا کرنے والے انسان دشمن تاجر کے نفسیاتی عمل اور اس کے انجام کی

اطلاع محمد ﷺ نے اس طرح دی ہے: الجالب مرزوق و المحتکر ملعون

”سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے“ احتکار کی موجودہ شکل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ چند کمپنیاں مل کر وحدت قائم کرتی ہیں کسی شے کی پیداوار اور قیمت پر اجارہ داری قائم کرتی ہیں۔

ب۔ چند مالکان یا کارخانہ داران مل کر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور پھر گاہکوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اگر بازاروں میں ذخیرہ کی جانے والی اشیاء کی کمی نہ ہو اور قیمتوں پر کوئی اثر نہ ہو تو احتکار میں کوئی حرج نہیں۔

۱۴۔ قسم اٹھانا

دوران بیع منافع پانے کی حرص کبھی بائع کو قسمیں اٹھانے پر مجبور کرتی ہے ایسی قسموں کے متعلق آپ ﷺ فرماتے ہیں: - ایاکم و کثرة الحلف فی البیع فانہ ینفع ثم یمحق. (مسلم)

”خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں اٹھانے سے بچو یہ امر نفع بخش تو بن جاتا ہے پھر برکت کو مٹا دیتا ہے“

۱۵۔ وما اهل به لغير الله: درباروں اور قبروں کی آمد۔

۱۶۔ مفت خوری کی بجائے عمل بالید بہتر ہے۔

۱۷۔ ظلم: اتق دعوت المظلوم۔ ”مظلوم کی بددعا سے بچو“

۱۸۔ میراث کا غضب: و تا کلون التراث۔

۱۹۔ زکوٰۃ و عشر کا غضب: و فی اموالہم حق للسائل والمحروم. اتوا حقہ یوم حصادہ

۲۰۔ قرض لے کر کھا جانا: مظل الغنی ظلم۔

۲۱۔ تعویذات اور حساب ورل کے ذریعے مال جمع کرنا۔

۲۲۔ نوکری کی ڈیوٹی میں حق تلفی کرنا۔

۲۳۔ سوال میں دھوکہ کر کے کھانا۔

۲۴۔ نااہلیت اور طیب۔ بغیر تجربہ اور علم کے علاج کرنا۔

۲۵۔ حصول برائے جمع: و الذین یکنزون الذهب۔

۲۶۔ ٹیکس کرایہ اور محصول میں نقص۔

۲۷۔ بخل۔

۲۸۔ بغیر ضرورت کے سوال کرنا۔

۲۹۔ جھوٹی گواہی کا معاوضہ۔

- ۳۰۔ غیر ملکی مصنوعات میں مفید خرید و فروخت کرنا۔
- ۳۱۔ رشتہ داری کے بعد تحائف اور شرائط مقرر کرنا۔
- ۳۲۔ آبکشی کے ذریعے ناجائز مال کمانا۔
- ۳۳۔ شادی کا نیوتہ۔ میت کی اوچھاڑ وصول کرنا۔
- ۳۴۔ پیری مریدی کے ذریعے مال بٹورنا
- ۳۵۔ حج کرنے کے بعد احباب سے تحائف وصول کرنا۔
- ۳۶۔ بینک میں جمع شدہ رقم کا سود کھانا۔
- ۳۷۔ سودا کر کے اگر کوئی پھر جائے اس پر تاوان مقرر کرنا۔
- ۳۸۔ کیوں کے لاگ برادری سے وصول کرنا جیسے نائی، میراثی۔
- ۳۹۔ امانت اگر کسی حادثے میں نقصان ہو جائے دوبارہ وصول کرنا۔
- ۴۰۔ ساجھ اور شراکت کے جانور کے دام وصول کرنا۔
- ۴۱۔ یتیم کا متولی بن کر مال کھانا۔
- ۴۲۔ لڑکیوں کو میراث کے بدلے دوسری اشیاء دے کر راضی کرنا۔
- ۴۳۔ غلط اور جھوٹے کیس کے بعد راضی نامے پر رقم وصولی کرنا۔
- ۴۴۔ رہن کے مال سے فائدہ اٹھانا اور اصل بھی واپس لینا جیسے کرایہ دار مکان وغیرہ۔
- ۴۵۔ عورت کو حق مہر دے کر واپس کرنا۔
- ۴۶۔ برادری کے فیصلوں کا معاوضہ لینا۔
- ۴۷۔ شفعہ کے اصل زر سے زیادہ وصولی کرنا۔

۴۸۔ باغ کے ٹھیکہ میں بیج لینا۔

۴۹۔ دست بدست معاوضے میں دیر تک وصولی کرنا۔

۵۰۔ زیور ادھار لے کر یا زیور بنوا کر دینا۔

۵۱۔ گرے ہوئے مال کو مشہور نہ کرنا اور کھا جانا۔

۵۲۔ بڑے سرداروں کا جھجھری وصول کرنا۔

۵۳۔ مزارع اور ٹھیکہ والے سے آفاقی نقصان وصول کرنا۔

۵۴۔ زرگر کی مزدوری، آٹے کا کتھرہ، کپاس اور گندم کی کٹائی کی مزدوری کا عشر۔ بھوسہ اور لکڑی کا عشر۔

۵۵۔ درزی کے کپڑے کے ٹکڑے، فرنیچر کی بقیہ لکڑی نہ دینا۔

۵۶۔ جانور کو فروخت کرتے وقت عیب نہ بتانا۔

۵۷۔ نر جانور کے فعل کی اجرت لینا۔

۵۸۔ چندے کے مال سے تجارت وصول کرنا۔

۵۹۔ حق مہر موجب میں وعدہ اور تازیخ مقرر نہ کرنا۔

۶۰۔ جائداد اور زمین سے اولاد کو عاق کرنا۔

۶۱۔ حج کے ایام میں مکلف کھانے کھانا۔

حرام رزق کے نتائج

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۱۷۳:۲)

بے شک وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کے مضامین میں اخفاء اور اس کے

معاوضے میں دنیا کی متاعِ قلیل وصول کرتے ہیں ایسے ہی انسان اپنے پیٹ کو آگ سے بھر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کلام اور نہ ہی گناہ معاف کر کے ان کا تزکیہ کریں گے بلکہ ان کی سزا ردناک ہوگی“

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (۱۰:۳) ”بے شک جو انسان یتیموں کا ناحق مال کھاتے ہیں وہی اپنے پیٹ کو آگ سے بھر رہے ہیں عنقریب وہی جلتی آگ میں داخل ہوں گے“

پہلی آیت میں ان علماء کا ذکر ہے جو اپنی بددینی کے ذریعے حرام مال جمع کرتے ہیں اور دوسری آیت میں ان انسانوں کا ذکر ہے جو اپنے کاروبار کے ذریعے کمزوروں کا مال ظلم کر کے کھا جاتے ہیں یہ دنیا مکافات عمل ہے جیسا بیجو گے ویسا کاٹو گے ناحق مال کھانے والے اپنے پیٹوں میں انوار و اقسام کے کھانے نہیں بھر رہے بلکہ دوزخ کی آگ کے انگارے بھر رہے ہیں۔ جس دنیاوی آگ کی لپیٹ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس کے ناری عذاب کی چند نوعیتیں یہ ہیں۔

آگ سے مراد۔ ۱۔ حرص۔ ۲۔ غصہ۔ ۳۔ بے چینی۔ ۴۔ اضطراب۔ ۵۔ بے صبری۔ ۶۔ جلد بازی۔ ۷۔ مال اور کاروبار میں بے برکتی۔ ۸۔ اچانک نقصان۔ ۹۔ جسم میں مہلک امراض کا صدور۔ ۱۰۔ انتقام کی آگ۔ ۱۱۔ کینہ اور حسد۔ ۱۲۔ دل کی سیاہی۔ ۱۳۔ جنسی بے صبری۔ ۱۴۔ تیز مزاجی یا ہمی لڑائی اور فساد۔ ۱۵۔ عقلی سوچ میں کمی وغیرہ۔

لہذا اسلام حرام ذرائعِ رزق کی تغلیط ثابت کرتا ہے یہ ایسے ذرائع ہیں جس سے معاشرہ کے

ساتھ انسان کے براہ راست ایمان پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں جب ذرائع ناقص ہوں گے تو مقاصدِ اعلیٰ کیسے حاصل ہو سکتے ہیں مقاصد کے حصول کے لیے ذرائع کا اعلیٰ و طیب ہونا ضروری ہے۔

باب ۶ اسلام میں کسب حلال و حرام کی حقیقت

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے اور جہاں کہیں مناسب ہو چند حدود و قیود کا تعین بھی کرتا ہے ان حدود و قیود کی پابندی ہر ایک کے لیے لازم قرار دیتا ہے اور اگر تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ جہاں کہیں یہ حدود و قیود لگائی گئی ہیں وہ انسان ہی کے فائدہ کے لیے ہیں کئی دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کی محدود فکر اور سوچ اللہ تعالیٰ کی ان پابندیوں کو بے فائدہ اور فضول خیال کرتی ہے لیکن حقیقت میں اللہ نے پابندیاں صرف وہیں لگائی ہیں کہ جہاں انسان کا فائدہ ان پابندیوں میں ہو اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتے ہیں انسان ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ یہ پابندیاں اگر فلاح انسانی کے لیے نہ بھی ہوتیں تو اللہ کے انسان پر اتنے احسانات ہیں کہ ان احسانات کے شکر کا تقاضا تھا کہ انسان پھر بھی ان پابندیوں کو قبول کرتا۔

کھانے کے معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو بعض حدود بتلائی ہیں اور حلال اور حرام کی اصطلاح استعمال کر کے بتایا ہے کہ فلاں شے انسان کھا پی سکتا ہے اور فلاں شے کے کھانے یا پینے کی ممانعت ہے جن اشیاء کے کھانے پینے کی اجازت ہے انہیں حلال کہا جاتا ہے اور جن اشیاء کے کھانے پینے کی ممانعت ہے انہیں حرام کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء کے حصول کے لیے جو ذرائع استعمال ہوں گے ان میں سے بھی کچھ ایسے ہوں گے کہ جن کو اپنانے کی اسلام نے اجازت دی ہے اور کچھ ایسے ہوں گے جن کو اپنانے کی ممانعت کی گئی ہے تو جن کی اجازت دی گئی ہے انہیں حلال ذرائع کہا جائے گا اور جن سے روکا گیا ہے انہیں حرام ذرائع کہا جائے گا۔

ان دونوں باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارے سامنے حسب ذیل چار صورتیں آتی ہیں۔

(i) شے بھی حلال ہو حصول کا ذریعہ بھی حلال ہو

(ii) شے حلال ہو لیکن حصول کا ذریعہ حرام ہو

(iii) شے حرام ہو لیکن حصول کا ذریعہ حلال ہو

(iv) شے بھی حرام ہو اور حصول کا ذریعہ بھی حرام ہو

اسلام نے ان میں سے صرف پہلی صورت کی اجازت دی ہے اور باقی تینوں صورتوں کی ممانعت

کی ہے اب پہلی صورت میں دو خاص باتیں ہیں۔

(i) شے بھی بنفسہ حلال ہو۔

(ii) اس کے حصول کا ذریعہ بھی حلال ہو۔

ان میں سے دوسری بات حصول کا ذریعہ حلال ہوا سے کسب حلال کہتے ہیں اور اس وقت یہی

موضوع مد نظر ہے اس لیے اس شے کے حلال ہونے سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اسی پر بحث

کریں گے کہ اس کے حصول کا ذریعہ حلال ہو۔

ایک اور شے بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ کسب حلال کے مقابلہ میں کسب حرام آتا ہے یعنی ناجائز

طریقے سے کسی شے کا حصول اور یہ ایک عام اصول ہے اگر ضد اور مقابل کو بھی سامنے رکھا جائے تو

کسی مسئلہ کی صحیح طرح سے وضاحت ہوتی ہے اس لیے کسب حلال پر بحث کرتے ہوئے ہم کسی حد تک

کسب حرام کو بھی سامنے رکھا جائے گا۔

کسب حلال اور قرآن :- ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ (۱۱۳:۱۶)

”اے انسانو! اللہ نے جو کچھ حلال اور طیب رزق تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (۱۶۸:۲) ”اے انسانو! زمین میں جو حلال اور طیب اشیاء ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان

کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ

تَعْبُدُون﴾ (۱۷۲:۲) ”اے ایمان والو! اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنے والے ہو

تو جو طیب اشیاء ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو“

﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ (۸۸:۵)

”جو کچھ حلال و طیب رزق تم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو“

کسب حرام کی ممانعت اور قرآن

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲: ۱۸۸) ”تم نہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ ہی حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۲۹: ۳) ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور آپس کی رضامندی سے لین دین ہونا چاہیے“

کسب حلال حدیث کے تناظر میں

☆_ عن ابی عبد اللہ جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ان رجلاً سأل رسول ﷺ فقال اراءیت اذا صلیت المكتوبات وصمت رمضان واحللت الحلال وحرمت الحرام ولم ازد علی ذلك شیئاً ادخل الجنة قال نعم (رواه مسلم) ومعنی حرمت الرحام اجتنبتہ ومعنی احللت الحلال فعلتہ معتقداً احلہ

”ابو عبد اللہ جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک انسان نے رسول ﷺ سے سوال کیا: اور عرض کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے کہ جب میں فرض نمازیں ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال سمجھوں اور حرام کو حرام رکھوں اور میں اس پر کسی شے کا اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس کو مسلم نے روایت کیا اور حرام کو حرام سمجھنے کا معنی ہے کہ میں حرام سے بچا اور حلال کو حلال سمجھنے کا مطلب ہے کہ میں نے اسے حلال سمجھتے

ہوئے وہ کام کیا ہے“

☆ عن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فیما یرویہ عن ربہ عزوجل
انہ قال یا عبادی: انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرماً فلا تظالموا یا
عبادی کلکم ضال الا من ہدیتہ فاستہدونی اهدکم یا عبادی کلکم جائع الا من
اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنهار وانا اغفر
الذنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفر لکم یا عبادی انکم لن تبلغوا ضوی فتضرونی
ولن تبلغوا انفی فتفعدونی یا عبادی لو ان اولکم واکیرکم وانسکم وجنکم کانوا
علی اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذالک فی ملکي شیاء یا عبادی لو ان
اولکم واکیرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص
ذالک من ملکي شیاء یا عبادی لو ان اولکم واکیرکم وانسکم وجنکم قاموا فی
صعید واحد فسالونی فاعطیت کل واحد مسئلتہ ما نقص ذالک مما عندی الا
کما ینقص المخیط اذا دخل البحر یا عبادی انما ہی اعمالکم احصیہا لکم ثم
اولیکم ایاها فمن وجد خیراً فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذالک فلا یلو من
الانفسہ (مسلم)

”ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں یہ ان حدیثوں
میں سے ہے جو آپ نے اپنے رب اعلیٰ و برتر سے روایت کی ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے
بندو! بے شک میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے
پس تم آپس میں ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جسے میں نے
ہدایت دی بس مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک

بھوکا ہے سوائے اس کے جسے میں نے کھلایا پس مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات خطائیں کرتے ہو اور میں سب گناہ بخشا ہوں پس تم مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے کہ مجھے نقصان پہنچاؤ اور مجھے فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے کہ مجھے فائدہ پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور آخری (سب) اور تمہارے انسان اور تمہارے جن، ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے متقی ترین دل والا انسان تو یہ بات میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں کرے گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور آخری سب اور تمہارے انسان اور تمہارے جن، ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے کوئی فاجر ترین دل والا انسان تو یہ بات میری سلطنت سے کچھ کمی نہیں کرے گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور آخری (سب) اور تمہارے انسان اور تمہارے جن، ایک میدان میں کھڑے ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کریں اور ہر ایک کو اس کے سوال کی شے عطا کر دوں تو یہ بات نہیں گھٹائے گی جو میرے پاس ہے سوائے اتنا جیسے سوئی گھٹاتی ہے، جب وہ سمندر میں داخل ہو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے شمار رکھتا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جس نے بھلا پایا وہ اللہ کی حمد کرے اور جس نے اس کے سوا پایا تو وہ صرف اپنی ذات کو ملامت کرے“

☆ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ان ناساً من اصحاب رسول اللہ ﷺ یارسول اللہ ذہب اهل الدثور بالاجور یصلون کما نصلی و یصومون کما نصوم و یتصدقون بفضول اموالہم قال او لیس قد جعل اللہ لکم ما تصدقون بہ ان لکم بکل تسبیحۃ و بکل تحمیدۃ صدقۃ و بکل تکبیرۃ صدقۃ و بکل تہلیلۃ صدقۃ و امر بالمعروف صدقۃ و نہی عن المنکر صدقۃ و فی بضع احدکم صدقۃ قالوا یا رسول اللہ ﷺ ایاتی احدنا شہوتہ و یكون له فیہا اجر

قال ارايتم لو وضعها في الحرام اكان عليه وزر (مسلم)

”ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ انسانوں نے رسول ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! دولت مند اجر و ثواب میں بڑھ گئے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور وہ اپنے زائد (فالتو) مالوں سے صدقہ دیتے ہیں محمد ﷺ نے فرمایا ”کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہ سامان نہیں بنایا جس کا تم صدقہ دے سکو؟“ یقیناً ہر دفعہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور الحمد للہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور ہر بار لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے کسی کا (حلال) جماع کرنا صدقہ ہے صحابہؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو اس میں اس کے لیے ثواب ہے؟ محمد ﷺ نے فرمایا اگر وہ اسے حرام طریقے سے پورا کرتا تو کیا اس پر بوجھ (گناہ) نہ ہوتا؟“

☆ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل ما بین الاثنین صدقۃ وتعين الیرجل فی دآبته فتحمله علیہا او ترفع له علیہا متاعہ صدقۃ و الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ و بکل خطوۃ تمشیہا الی الصلوۃ صدقۃ و تمیط الاذی عن الطریق صدقۃ (بخاری و مسلم) ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسانوں کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو تو دو انسانوں کے درمیان عدل کرے تو یہ صدقہ ہے اور تو انسان کو اس کی سواری میں مدد دیتا ہے اور تو اسے اس پر سوار کرتا ہے یا اس کا سامان اس پر اٹھا کر رکھتا ہے تو یہ صدقہ ہے اور ہر پا کیزہ بات صدقہ ہے اور ہر قدم کے بدلے جو تو نماز کی طرف چلتا ہے صدقہ ہے اور تو تکلیف دہ شے کو راستے سے ہٹاتا ہے تو یہ صدقہ ہے“

☆ عن النواس ابن سمعان رضى الله عنه عن النبي ﷺ قال البر حسن الخلق

والاثمه ما حاك في نفسك وكرهت ان يطلع عليه الناس (مسلم)

وعن وابصة بن معبد رضى الله عنه قال اتيت رسول الله ﷺ فقال اجئت لتسأل

عن البر قلت نعم قال استفت قلبك البر ما اطمانت عليه النفس واطمان اليه

القلب والاثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وان افتاك الناس

وافتك (مسند امام احمد. مسند امام دارمي)

”نواس بن سمعان سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا نیکی خوش

خلقی ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اسے ناپسند کرے کہ انسان اس سے باخبر

ہوں۔ اور وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا

تو محمد ﷺ نے فرمایا: کیا تو نیکی کے بارے میں پوچھنے آیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں محمد ﷺ نے فرمایا

اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر جی مطمئن ہو جائے اور جس سے دل کو اطمینان ہو اور گناہ وہ ہے

جو تیرے دل میں اور سینے میں تردد (شک) پیدا کرے اور اگرچہ انسان تجھے اس کی اجازت دیں اور

فتویٰ دیں“

☆ عن معاذ بن جبل رضى الله عنه قال قلت يا رسول الله اخبرني بعمل يد خلني

الجنة وبياعدني عن النار قال لقد سئلت عن عظيم وانه لسير على من يسر الله

عليه تعبد الله لا تشرك به شياء و تقيم الصلوة و توتي الزكوة و تصوم رمضان

وتحج البيت ثم قال الا ادلك على ابواب الخير الصوم جنة و الصدقة تطفي

الخطيئة كما يطفي الماء النار و صلوة الرجل في جوف الليل ثم تلا: ” تتجافى

جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً وطمعاً حتى بلغ يعملون “

(السجدة: ۱۷، ۱۸) براء اس الامر و عموده ذروة سنامه قلت بلى يا رسول الله قال
 راس الامر الاسلام و عموده الصلوة و ذروة سنامه الجهاد ثم قال الا خبرك
 بملاك ذلك كله قلت بلى يا رسول الله ناخذ بلسانه ثم قال قال كف خليك هذا
 قلت يا نبى الله و انا لموء خدون بما نتكلم به فقال ثكلتك امك يا هاد و هل
 يكتب الناس فى النار على و جوههم او قال : على مناخرهم الا حصائد السنتهم
 (الترمذى) ”معاذ بن جبل رضى الله عنه سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا اے محمد ﷺ!
 مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور مجھے آگ (دوزخ) سے دور رکھے“
 محمد ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تم نے ایک بڑی بات پوچھی ہے اور وہ یقیناً آسان ہے اس پر جس پر اللہ تعالیٰ
 نے اسے آسان کر دیا تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نماز قائم کر اور
 زکوٰۃ ادا کرے اور تو رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں
 تجھے بھلائی کے دروازوں کے بارے میں مطلع نہ کروں روزہ ڈھال ہے۔ اور صدقہ گناہوں کو اس
 طرح مٹا (بجھا) دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کے وقت انسان کی نماز پھر یہ
 آیت تلاوت فرمائی ”ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے
 پکارتے ہیں (یہاں تک کہ یھملوں تک پہنچے) پھر فرمایا ”کیا میں تجھے نہ بتاؤں! دین کی اصل شے اور
 اس کا ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی! میں نے عرض کیا! ہاں یا رسول اللہ! محمد ﷺ نے فرمایا: معاملہ
 کی بنیاد اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی (بلندی) جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا
 میں تجھے نہ بتاؤں کہ ان سب کا دار و مدار کس شے پر ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پس
 محمد ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑا پھر فرمایا اس کو روک کر رکھ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا ہم اس
 سے جو بات کرتے ہیں، اس کی وجہ سے پکڑے جائیں گے؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تیری

ماں تجھ کو کھودے تو کیا انسانوں کو چہروں کے بل آگ میں گرائے گی یا فرمایا: ان کے نکتوں کے بل سوائے، ان کی زبانوں کے ماحصل (باتوں) کے“

☆ عن ابی ثعلبة الخشی جرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ عن رسول ﷺ قال ان

اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوها وحد حدوداً فلا تعتدوها وحرماً اشیاء فلا

تنتھکوها وسکت عن اشیاء رحمةً لکم غیر نسیان فلا تبحثوا عنها (الدارقطنی)

”ابو ثعلبہ خشی جرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں رسول ﷺ

سے۔ محمد ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرائض لازم کئے ہیں پس تم ان کو ضائع مت کرو اور کچھ

حدود مقرر کیں پس ان سے آگے نہ بڑھو اور بعض اشیاء حرام ٹھہرائیں پس ان کی حرمت مت توڑو اور

کچھ اشیاء سے خاموشی اختیار کی تم پر رحم کرتے ہوئے بغیر بھولے پس تم ان سے بحث نہ کرو۔“

☆ ”بہترین عمل حلال روزی کمانا ہے“ ☆ ”حلال طریقے سے روزی کمانا ہر مسلمان پر فرض ہے“

☆ ”سعد بن ابی وقاصؓ نے محمد ﷺ کے سامنے عرض کیا کہ اے رسول! میرے لیے دعا فرمائیے کہ

میری ہر دعا قبول ہو محمد ﷺ نے فرمایا ”رزق حلال کھاؤ تمہاری ہر دعا قبول ہوگی“

”محمد ﷺ سے سوال کیا کہ اے رسول! کونسا کسب طیب ہے آپ ﷺ نے فرمایا ”آدی کا اپنے ہاتھ

سے کمانا اور ہر ایسی بیع جو مقبول ہو“ ☆ ”حلال روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے“

☆ ”حلال کی کمائی کا طلب کرنا فرض کے بعد فرض ہے“

☆ ”اگر ایک انسان حرام مال کھاتا ہے اور پھر اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو اس کا صدقہ مقبول نہیں

ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو ناپاک سے صاف نہیں کرتے“

☆ ”قیامت کے روز ہر انسان کو اس بات کا جواب دینا ہوگا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا اور اسے

کہاں خرچ کیا“

☆ ”جو انسان مرنے کے بعد حرام مال چھوڑ جائے وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ بن جائے گا“

☆ ”وہ جسم کہ جس نے حرام کے مال سے پرورش پائی جنت میں داخل نہ ہوگا“

☆ ”ہر وہ گوشت جو حرام کے مال سے پلا ہو آگ اس کے زیادہ لائق ہے“

☆ ”جس نے دس درہم کا لباس خریدا ان میں سے ایک حرام کا تھا جب تک وہ لباس اس کے جسم پر رہے گا اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا“

☆ ”ایک انسان کے بال بکھرے ہوئے ہیں جسم گرد آلود ہے، لباس سفر کر کے آتا ہے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے کہ اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، پینا، لباس حرام کا ہے اور اس کی پرورش بھی حرام سے ہوئی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی“

کسب حلال کے فوائد و ثمرات

اب کسب حلال کے فوائد و ثمرات اجمالی طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ رزق حلال کمانے والا قلبی اطمینان میں رہتا ہے۔

۲۔ رزق حلال کمانے والے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

۳۔ رزق حلال کمانے والے کے اعمال حسنہ قبول ہوتے ہیں۔

۴۔ رزق حلال کمانے والے میں پاکدامنی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ رزق حلال کمانے والا رحمدل اور ہمدرد بنتا ہے۔

۶۔ رزق حلال کمانے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔

۷۔ رزق حلال کمانے سے انسان کو دیگر اعمال حسنہ میں بھی برکت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

۸۔ رزق حلال کمانے والے کے دل میں دوسروں کے لیے بلاوجہ نفرت پیدا نہیں ہوتی۔

۹۔ رزق حلال کمانے والے میں سخاوت کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔

۱۰۔ رزق حلال کمانے والا لین دین میں عدل کے ساتھ دیگر معاملات میں بھی عدل کی روش اپناتا ہے۔

۱۱۔ رزق حلال کمانے والے چوری، ڈکیتی وغیرہ سے محفوظ رہ کر معاشرتی امن و سکون کا باعث بنتا ہے۔

حلال کمائی کے فضائل

☆ ۱۔ لتاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (ترمذی)

”جو تاجر اپنے کاروبار میں صداقت اور دیانتداری سے کام لیتا ہے وہ آخرت میں انبیاء صدیقوں اور شہیدوں کی جماعت میں داخل ہوگا“

☆ من سعی علی عیالہ ففی سبیل اللہ ومن طلب الدنیا فی عفاف کان فی درجۃ الشہداء (طبرانی) ”جو انسان اپنے اہل و عیال کے لیے حلال کمانے کی کوشش کرے وہ اللہ کے راستہ میں ہے اور جو پاک دامنی کے لیے دنیا کو طلب کرے وہ شہداء کے درجے میں ہے“

☆ اطب طعمک تستجب دعوتک (طبرانی)

”حلال کھانا کھایا کرو تمہاری دعاء قبول ہونے لگ جائے گی“

☆ رجل فرأى أصحاب النبي ﷺ من جلده ونشاطه فقالوا يا رسول الله لو كان هذا في سبيل الله فقال رسول الله ﷺ ان كان خرج يسعى على ولده الصغار فهو في سبيل الله وان كان خرج يسعى على ابوين شيخين كبيرين فهو في سبيل الله وان كان خرج يسعى على نفسه يسعها فهو في سبيل الله وان كان خرج يسعى رياء ومفاخرة فهو في سبيل الشيطان (طبرانی)

محمد ﷺ کے سامنے سے ایک مرد گزرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کی جسمانی قوت کو دیکھ کر عرض کیا اے رسول ﷺ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر یہ اللہ کی راہ میں نکلا ہوا ہوتا“

محمد ﷺ نے فرمایا اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کی خاطر طلب معاش کے لیے گھر سے نکلا ہوا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہی ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کی خاطر کسب مال کے لیے نکلا ہوا ہے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے نفس کو حرام سوال سے بچانے کی خاطر کسب معاش کے لیے نکلا ہوا ہے تو یہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر یہ ریا کاری اور فخر کی خاطر طلب معاش کے لیے گھر سے نکلا ہوا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستہ میں ہے“

☆ من اكل طيبا وعمل في سنته وامن الناس بوائقه دخل الجنة قالوا يا رسول الله ان هذا في امتك اليوم كثير قال وسيكون في قرون بعدى (ترمذی) ”محمد ﷺ نے فرمایا جس نے طیب رزق کھایا اور سنت پر عمل کیا اور انسان اس کی اذیت اور شر سے محفوظ رہے تو یہ جنت

میں داخل ہو گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے انسان تو محمد ﷺ کی امت میں بہت زیادہ ہیں محمد ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ اس قسم کے انسان صدیوں میں پیدا ہوں گے۔

سلف صالحین کے کسب حلال پر دلچسپ واقعات

علماء اسلام نے خود اعتمادی اور اپنے ضمیر کی آزادی کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کیا ہوا تھا تا کہ دنیا والوں سے بے نیاز ہو کر علم اور دین کی خدمت انجام دے سکیں۔ مشہور تابعی امام ابو قللابہ نے اپنے شاگرد ایوب سختیانی سے فرمایا کہ ایوب تم بازار میں بیٹھ کر کاروبار کیا کرو اس میں انسانوں سے بے نیازی اور دین میں خیر و خوبی ہے اس کے بعد ایوب نے اپنے استاد کی نصیحت کے مطابق کچے چمڑے کی تجارت شروع کر دی پھر ایک مرتبہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرے گھر والے ایک مٹھی سبزی ترکاری کے محتاج ہیں تو میں تمہارے سامنے بیٹھ کر اطمینان سے درس نہ دیتا (۱) عبداللہ بن مبارک نے اپنے شاگرد حسن بن ربیع بورانی سے استفہام کیا کہ حسن تمہارا کیا پیشہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں بورانی ہوں پوچھا کہ بورانی کا کیا مطلب ہے؟ حسن بن ربیع نے کہا کہ میرے یہاں لڑکے لوریہ (چٹائی) بناتے ہیں یہ سن کر عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اگر تمہارا کوئی پیشہ نہ ہوتا تو میں تم کو اپنے پاس رہنے نہ دیتا (۲)

اسی طرح سہیل بن علی کہتے ہیں کہ میں مصر کے قاضی خیر بن نعیم حضرمی کے پاس یمن میں جا کر بیٹھا کرتا تھا میں ان کو دیکھتا تھا کہ وہ تیل کا کاروبار کرتے تھے ایک دن میں نے کہا کہ آپ عہدہ قضاء کے منصب پر فائز ہو کر بھی کاروبار کرتے ہیں؟ یہ سن کر انہوں نے میرے موٹھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ انتظار کرو جب دوسرے کے خیال میں تم بھوکے رہو گے۔ میں نے پوچھا کہ دوسرے کے خیال میں بھوکے رہنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مگر حقیقت اس وقت کھلی جب کہ میں بھوکا رہا اپنے بال بچوں کے کھلانے کے سلسلے میں (۳)

پہلے زمانے کے انسان اپنے نام کے ساتھ اپنے ذرائع معاش اور پیشوں کا بھی اضافہ کرتے تھے تا کہ عوام و خواص سب کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کاروبار ہے ہم دوسروں کے محتاج نہیں۔

انسان کا کن صورتوں میں کمانا ضروری ہے

(۱) ضروریات زندگی :- انسان بقدر ضرورت اتنا تو کمائے جس سے کھا کر اپنی کمر سیدھی کر لے اتنا کمانا علماء فرماتے ہیں فرض عین ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے فرائض جس کا شرعاً اس کو حکم ہے اس کو ادا نہیں کر سکتا اور یہ شریعت کا اصول ہے کہ جس شے پر کسی فرض کی ادائیگی موقوف ہو وہ شے بھی فرض ہو جاتی ہے ضرورت سے زائد کمانا اس پر ضروری نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس کمائی سے وہ

اس وقت کو اللہ کی عبادت میں مشغول کر لے۔ من اصبغ امنافى سر به معافى بد نه . عنده قوت يومه فكا نما خيزت له الدنيا بحدافيرها . (ترمذی و مشکوٰۃ) ”جسے صبح اپنے گھر پر سکون نصیب ہو صحبت و تندرستی بھی ملی ہو اور اس دن کا کھانا اس کے پاس موجود ہو تو گویا کہ کل کائنات اس کے پاس موجود ہے“

(۲) اہل و عیال کے لیے :- جس طرح اپنی ذات کے لیے کمانا فرض ہے اس کے بعد اسی طرح اپنے اہل و عیال یعنی بیوی بچوں کے لیے بھی کمانا فرض ہے۔ ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَا رُوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْنَهُنَّ﴾ (۶:۲۵) ”جہاں تم رہتے ہو ان عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کے لیے مکان دو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو“

(۳) والدین کے لیے :- اگر بوڑھے حاجت مند والدین بھی موجود ہوں تو ان کا کوئی دوسرا سہارا نہ ہو تو اب ان کی ضرورت کو بھی پورا کرنے کے لیے کمانا فرض ہوگا۔

(۴) قریبی رشتہ داروں کے لیے :- وہ رشتہ دار جن سے شریعت نے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے ان کی بھی ضروریات کو پورا کرنا فرض تو نہیں مستحب ہے ہاں فرض کی صورت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے رشتہ دار جس کے ساتھ شریعت نے صلہ رحمی کا حکم فرمایا ہے اور وہ عورت یا بچہ ہو اور ان کے گزارہ کا کوئی سامان نہیں اور وہ کمانے پر بھی قادر نہیں ہیں تو ان کا نفقہ ان کے قریبی رشتہ داروں پر فرض ہے اگر ایک ہی درجے کے کئی رشتہ دار ہوں اور صاحب وسعت بھی ہو تو خرچ سب پر تقسیم کر کے ان کا گزارہ نفقہ دیا جائے گا۔ (تیسرے نظریے)

(۵) ضروریات سے زائد کمانا:۔ ان چاروں صورتوں کے علاوہ کمانا انسان پر ضروری نہیں اس صورت میں چاہے عبادت میں مشغول ہو جائے یا عبادات کا خیال رکھتے ہوئے مال جمع کرے دونوں ہی صورتیں جائز اور مباح ہے سلف صالحین میں دونوں کی مثالیں موجود ہیں۔

کسب حلال کیوں ضروری ہے؟

اسلامی معیشت کے اہم ترین اصول میں سے یہ ہے کہ انسان حلال مال کمائے اور حلال ہی کو کھائے حرام کے لقمے سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔

﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ﴾ (۵: ۸۸)

”اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے طیب اور حلال رزق میں سے کھاؤ اور اسی سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (۲: ۱۶۹) ”اے انسانو! زمین کی اشیاء میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہیں اس کو کھاؤ اور اس بارے میں شیطان کے قدموں پر مت چلا کرو وہ تمہارے واسطے کھلا دشمن ہے“

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۲۳: ۵۱)

”اے میرے رسولو! تم پاکیزہ اور حلال اشیاء کو کھایا کرو اور نیک اعمال کرتے رہو بے شک میں تمہارے اعمال سے بخوبی آگاہ ہوں“

”سعد رضی اللہ عنہ نے محمد ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ایسی دعا فرما دیجئے کہ جب دعا کروں وہ

قبول ہو جائے محمد ﷺ نے فرمایا حلال کھاؤ تا کہ دعا قبول ہو“

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے مسافر ایسے ہیں کہ ان کا کھانا اور کپڑا حرام کا ہے پھر ہاتھ پھیلا کر

دعا مانگتے ہیں تو ان کی دعا کیسے قبول ہوگی (مسلم)

انسان تقویٰ کے درجات کو پہنچ نہیں سکتا جب تک کہ مشتبہ رزق سے اپنے آپ کو نہ بچائے اور اگر

مشتبہ شے سے نہیں بچتا تو پھر آہستہ آہستہ وہ حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کسب حلال کے لیے پانچ باتیں

فقہ ابو اللیث فرماتے ہیں:۔ جو انسان اپنی کمائی کو حلال اور طیب بنانا چاہتا ہو تو وہ پانچ باتوں کا خیال رکھے۔

(۱) اس کمائی میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کے کسی فرض کردہ عبادت میں کوئی کمی نہ کرے۔

(۲) اس کمائی کی وجہ سے کسی مخلوق کو تکلیف نہ دے۔

(۳) اس کمائی سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی کفالت مقصود ہو یا کاری یا خزانہ بنانا مطلوب نہ ہو

(۴) اس کمائی کے لیے اپنے آپ کو ہمت سے زیادہ مشقت میں نہ ڈالے۔

(۵) رزق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کسب کو محض ایک سبب اور ذریعہ یقین کرے۔

(تنبیہ الغافلین (مترجم) ص ۲۸۲)

کسب حرام سے پرہیز کیوں ضروری ہے؟

☆ محمد ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی انسان اپنے منہ میں مٹی بھر لے یہ

اس سے بہتر ہے کہ اپنے منہ میں حرام لقمہ ڈالے (فضائل تجارت، ص ۹۱)

حرام مال کے کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی

☆۔ ایک روایت میں آتا ہے:۔ ایک فرشتہ بیت المقدس میں ہر شب کو اعلان کرتا ہے جو انسان حرام

مال کھائے گا اللہ تعالیٰ اس انسان سے فرض قبول فرمائیں گے اور نہ ہی نفل۔ (فضائل تجارت، ص ۹۱)

☆۔ اور جو انسان دس درہم کا کوئی کپڑا خریدے اور اس دس درہم میں ایک درہم حرام کا ہے تو

جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی (مسند احمد)

حرام کمانے والا جہنم میں جائے گا

☆۔ جو انسان حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر کما تا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پرواہ کئے بغیر اسے جس

دروازے سے چاہیں گے جہنم میں ڈال دیں گے (کنز العمال)

حرام مال سے پرورش پانے والا جسم جہنم میں جائے گا

☆ ایک روایت میں ہے جو گوشت حرام مال سے پرورش پائے وہ جہنم میں جانے کا زیادہ مستحق ہے

حرام مال کا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا

☆ ایک روایت میں آتا ہے جو انسان حرام مال کمائے گا اگر اس مال سے وہ صدقہ بھی دے تب

بھی قبول نہ ہوگا اور اگر چھوڑ کر مرے دوزخ کے دروازے تک کا اس نے توشہ چھوڑا ہے۔

(ابن حبان، مشکوٰۃ و کذا صحیح)

حرام مال کے کھانے سے نماز بھی قبول نہیں ہوتی

☆۔ اسی طرح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسان اتنی نماز پڑھے کہ کمر جھک جائے اور

روزہ اتنے رکھے کہ بال کی طرح دبلا ہو جائے مگر حرام کھانے سے پرہیز نہ کرے تو اس کا یہ نماز اور

روزہ کچھ بھی اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔

☆۔ اسی طرح سفیان ثوری فرماتے ہیں جو انسان حرام کے مال میں سے صدقہ دیتا ہے اس کی مثال

اس انسان کی سی ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوئے۔

☆۔ عبد اللہ بن مبارک کا ارشاد گرامی ہے کہ شبہ کی وجہ سے میں ایک درہم واپس کر دوں یہ مجھے اس

سے زیادہ محبوب ہے کہ ایک لاکھ اور ایک سو درہم صدقہ کروں۔

حرام کمائی نیک اعمال کو بھی ضائع کر دیتی ہے

☆ ایک روایت میں آتا ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ ایسے انسان لائے جائیں

گے جن کے ساتھ تہامہ پہاڑ جتنی نیکیاں ہوں گی مگر اللہ کے دربار میں انہیں کوئی حیثیت نہ ملے گی اور

پھر اس انسان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول ﷺ یہ کیسے ہوگا؟ محمد ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ یہ انسان نمازیں پڑھتے ہوں مگر ان کے باوجود جب کوئی ذرا حرام مال سامنے آیا اس کو

بے دریغ لے لیتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے نامہ اعمال کو ضائع کر دیں گے“ (۴)

الا الدین والدنیا کمیزان تاجر اذا انحط منه کفة علت الاخری

خبر دار دین اور دولت (دنیا) ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں جب ایک نیچے ہو جائے تو دوسرا

بلند ہو جاتا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے سخت بھوک کی حالت میں غلام کے پاس دودھ تھا اس کو پی لیا پھر معلوم ہوا کہ یہ دودھ تو اس نے ناجائز طور سے حاصل کیا تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حلق میں انگلی ڈال کر اس کو قے کر دیا (۵)

کسب حرام سے پرہیز نہ کرنے پر اکابرین کے اقوال

یوسف بن اسباط فرماتے ہیں کہ کوئی جوان جب عبادت گزار بن جاتا ہے تو شیطان اپنے مددگاروں سے کہتا ہے کہ دیکھ اس کی خوراک کہاں سے آتی ہے اگر اس کا کھانا پینا ناجائز طریقہ سے ہو تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس کو چھوڑ دو کہ اپنے نفس کو عبادت میں تھکا تا رہے تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اس کی یہ عبادت حرام کا استعمال کرتے ہوئے نفع نہ دے گی۔ (۶)

وہب بن الورد فرماتے ہیں کہ تم نماز میں ستون کی طرح کھڑے رہو تمہیں یہ کچھ نفع نہ دے گی جب تک کہ تم یہ تحقیق نہ کر لو کہ تمہارے پیٹ میں جو جا رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں جو انسان حرام مال نیک کام میں خرچ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انسان اپنا ناپاک کپڑا پیشاب سے پاک کرے حالانکہ ناپاک کپڑے کو پانی ہی پاک کر سکتا ہے اسی طرح گناہ کو حلال مال ہی مٹا سکتا ہے۔

بعض برائیاں بعض اعمال کو ضائع کر دیتی ہیں
فقہ ابو اللیث نے کہا محمد ﷺ نے فرمایا:-

بندہ جو بھی حرام مال کماتا ہے پھر اس کو صدقہ کرتا ہے تو اس پر اس کو ثواب نہیں ملتا۔

(۲) حرام مال کی کمائی سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔

(۳) اگر اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے تو یہ مال اس کے لیے جہنم کا نقشہ بنتا ہے

(۴) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں۔ (۷)

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں سے ایک انسان

زی لے اور پہاڑ پر جا کر لکڑیاں کاٹے اور پیٹھ پر لا کر اس کو فروخت کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ انسان اپنے منہ میں ایسا لقمہ دے جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔ (۸)

اس سلسلہ میں اشرف علی تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ حرام کما کر اگر صدقہ کرے تو قبول نہ ہوگا اور خاک بھی ثواب نہ ملے گا بلکہ بعض علماء نے کہا کہ حرام مال خیرات کر کے ثواب کی امید رکھنا کفر ہے وہ فقیر جسے مال دیا گیا ہے اور وہ باوجود جاننے کے خیرات دینے والے کو دعاء دے تو وہ بھی ان علماء کے قول کے مطابق کافر ہو جائے گا اور اگر ایسا کسی اور خرچ میں لایا جائے تو بھی کچھ

برکت نہ ہوگی اور اگر اپنے بعد ایسا مال چھوڑے گا تو اس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگا۔۔۔۔۔ غرض حرام میں بجز ضرر کے نفع نہیں۔ (۹)

ساری کائنات کا رزاق حقیقی کون؟

ہر انسان کو اس پر یقین رکھنا فرض ہے کہ سارا رزق اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہی سب کو روزی دیتا ہے اور یہ روزی دینا انسان کی محنت و مزدوری پر موقوف نہیں ہے بہت سی مخلوقات ایسی ہیں کہ جن کے پاس اسباب معیشت کچھ بھی نہیں ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو وقت پر روزی پہنچاتا ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (۲:۱۱) ”زمین پر چلنے والی ساری مخلوق کی روزی اللہ کے ذمہ ہے اور وہ جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا، سوتا اور سب کچھ کھلی کتاب لوح محفوظ میں موجود ہے“

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ وَإِنَّا أَوْيَاءُكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۲۴:۳۳) ”محمد ﷺ ان انسانوں سے پوچھے کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون روزی

دیتا ہے محمد ﷺ بتا دیجئے مجھے اللہ ہی روزی دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں“

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (۳۱:۱۰) ”محمد ﷺ ان سے فرمائیے کہ تم کو آسمان اور زمین میں سے رزق کون دیتا ہے؟

تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ بے جان سے جان دار اور جاندار سے بے جان کون

تخلیق کرتا ہے؟ اور پوری کائنات کا نظام کون چلاتا ہے؟ وہ فوراً کہہ دیں گے اللہ پس تم ان سے کہو پھر تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے ہو“

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾
 (۶۰:۲۹) ”بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ ہی ان کو اور تم کو بھی روزی پہنچاتا ہے وہ سب کی سنتا اور جانتا ہے“

(۵) ﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”آسمان اور زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں اس کی ملکیت میں ہیں جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی وسعت اور فراخی پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ہر شے کا علم ہے“

(۲) ﴿إِنَّمَا عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ﴾ (۹۰:۳۸)

”کیا ان کے پاس تمہارے رب کی رحمتوں کے خزانے ہیں جو زبردست بخشنے والا ہے“

بغیر کمائے متوکل بننے سے بھی اللہ رزق دیتا ہے ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (۳:۶۵) ”جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دیتا ہے اور اس کو رزق دیتا ہے ایسی جگہ سے جہاں اس کو خیال و گمان بھی نہ ہو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے تحقیق اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لیے اندازہ کر رکھا ہے“

لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرِزَقَكُمْ كَمَا يُرِزِقُ الطَّيْرَ تَغْدُو خِمَاصًا وَتُرُوحُ بَطَانًا (ترمذی) ”اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے گا جیسے وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے وہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پر ہو کر واپس لوٹتے ہیں“

بغیر کمائے نماز پڑھنے اور انسانوں کو نماز پڑھنے کی دعوت دینے پر بھی روزی ملتی ہے

(۸) ﴿وَأَمْرًا أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ

الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ﴿ (۱۳۲:۲۰) ”اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے معاش تو ہم آپ کو دیں گے اور بہتر انجام تو متقین کا ہے“
 بغیر کمائے تقویٰ اختیار کرنے سے بھی اللہ روزی عطا کرتا ہے

(۹) ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ هَارِزُوقًا قَالَ يَمْرُؤُمِ اَنْتِ لَكَ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿ (۳۷:۳) ”جب کبھی زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی پاتے پھر تعجب سے پوچھتے یہ تمہیں کہاں سے ملتا ہے مریم علیہا السلام اس کے جواب میں کہتیں یہ روزی اللہ کی طرف سے ملتی ہے اور اللہ جس کو چاہے بلا حساب رزق دیتا ہے“

بغیر کمائے استغفار کا اہتمام کرنے سے بھی روزی ملتی ہے

(۱۰) ﴿قُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبُّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلٰیكُمْ مِدْرَارًاۙ وَ يُمِدِّدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿ (۱۲۰:۷۱) ”نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنیرب سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر وہ بارش برسائے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا“

بہر حال اگر انسان اللہ کو اپنا رزاق یقین کر لے اور اسی پر بھروسہ اور توکل کرے تو اللہ کبھی اسے

بھوکا نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے مایوس کرتے ہیں اور ہر ایک کو اس کا رزق پہنچ کر ہی رہتا ہے

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا! تو سہی اور کافر کی کیا ہے

ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں تھا میں تین دن تک ایک فقیر کو دیکھتا رہا جو بالکل خاموش رہتا تھا ان تین دنوں میں نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا دل کھانے کے لیے کسی شے کو چاہتا ہے اس نے کہا روٹی اور کباب ابراہیم خواص فرماتے ہیں میں مسجد سے نکلا تاکہ اس فقیر کے لیے روٹی اور کباب خرید لاؤں مگر سارا دن پھر تارہا مجھے یہ اشیاء کہیں نہ ملیں میں مایوسی

کی حالت میں واپس آ گیا۔

فرماتے ہیں کہ رات کو کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے دروازہ کھولا تو ایک انسان گرم گرم روٹی اور کباب ہاتھ میں لیے کھڑا ہے اس نے مجھ سے کہا کہ کباب اور روٹی لے لو میں نے کہا کہ بھائی یہ اشیاء کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا کہ آج ہمارے گھر میں بعض امور کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا اہل خانہ نے قسم کھائی کہ یہ سارا کھانا مسجد میں دے دیں گے ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔

الہی! اذا كنت تريد ان تطعمه فلم اتعبني طول النهار

”اے اللہ جب آپ نے اس فقیر کو کھانا کھلانا ہی تھا تو پھر سارا دن مجھے کیوں تھکا دیا“

کسب حلال سے پہلے اس کے مسائل کا سیکھنا ضروری ہے

مام غزالی فرماتے ہیں:-

”خرید و فروخت سے مال کمانے سے پہلے اس کے مسائل کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے جو اس مشغلہ میں لگے کیونکہ علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے تو جس میں جو مشغول ہونا چاہتا ہے اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اشیاء جو معاملات کو فاسد کرتی ہیں وہ اس سے واقف ہو جائے اور جو معاملات کو مفاسد کرنے والے امور کو اجمالی طور پر بھی نہیں جانتا تو پھر وہ کیسے سوال کرے گا اور جو یہ کہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے گا تو اس وقت مسائل معلوم کر لوں گا تو اسے کہا جائے گا کہ جب تک اجمالی طور پر معاملات کو فاسد کرنے والی اشیاء کو نہ جانتا ہوگا تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ یہ غلط ہے یا صحیح وہ تو برابر تجارت کرتا ہی رہے گا اور اس کو صحیح سمجھتا رہے گا خلاصہ یہ ہوا کہ تجارت کرنے سے پہلے اس قدر جاننا ضروری ہوگا جس سے جائز اور ناجائز میں تمیز ہو جائے“ (۱۰)۔

اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ”کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے“ اس کی وضاحت میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسم ہیں (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔ فرض عین تو وہ علم ہے جس میں مشغولیت اور واسطہ پڑتا ہو اور جس سے واسطہ اور مشغولیت نہیں تو اس کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہوگا۔

کسب حلال کے شرعی اصول و ضوابط

ایک طرف ان اصولوں کی پابندی کرنے سے تجارت جائز ہو جاتی ہے دوسری طرف عادلانہ منصفانہ تجارت وجود میں آتی ہے جس سے عوام کو ہر شے مناسب داموں مل سکتی ہے اس طرح کرنے سے ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

پہلا اصول: جس تجارت میں دھوکہ دہی اور فریب کاری ہو یا جہالت ہو یہ اصول اس حدیث سے ہے جس میں آتا ہے۔ نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرور (بخاری و مسلم) ”محمد ﷺ نے جس تجارت میں دھوکہ ہو اس سے منع فرمایا ہے“ اس اصول کے بہت سے مسائل سامنے آئیں گے مثلاً

(۱) اندرون ملک کی اشیاء کو بیرون ملک کی کمپنیوں کی مہر لگا کر فروخت کرنا

(۲) ادنیٰ کوالٹی کی شے کو اعلیٰ کوالٹی کی شے ظاہر کر کے اس کو فروخت کرنا

(۳) ایک شے کے بجائے گاہک کی ناواقفیت سے اس کو دوسری شے دے دینا

(۴) عیب دار شے کو بغیر بتائے صحیح قیمت میں فروخت کرنا

(۵) جانور کے پیٹ کے بچے کو فروخت کرنا کیونکہ معلوم نہیں کہ بچہ بھی ہے یا نہیں ہونے کے بعد وہ زندہ

بھی رہے گا یا نہیں (اس قسم کی سینکڑوں مثالیں اس اصول کے تحت آتی ہیں) ان سب میں دھوکہ اور جہالت ہے اس لیے ناجائز ہیں۔

دوسرا اصول: جس شے کو فروخت کیا جا رہا ہے وہ شریعت کی نگاہ میں مال تجارت بھی ہو مثلاً شراب،

خنزیر، حرام شے شریعت میں یہ جائز نہیں ان سب کو بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

تیسرا اصول: جو شے اپنی ملکیت میں نہیں ہے شریعت میں اس کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے اس

کی مثال اس طرح ہے۔ کسی دوکان دار کے پاس گاہک آتا ہے یا ٹیلیفون کے ذریعہ اس دوکاندار کو

کپڑے کے تھان اور وہ فلاں مل کے فلاں رنگ کا آرڈر دے جاتا ہے اس نوعیت کا کپڑا اس دوکاندار

کے پاس موجود نہیں وہ اس سے سودا طے کر لیتا ہے اور وقت بھی طے کر لیتا ہے پھر وہ دوکاندار اس قسم

کے کپڑے کو دوسرے سے خرید کر اس کے حوالہ کر دیتا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ مال اس دوکاندار

کے قبضہ میں نہیں تھا اس نے بغیر قبضہ کے دوسرے کو کیسے فروخت کر دیا اس میں بھی دھوکہ ہو سکتا ہے کہ مال کسی حادثہ میں ضائع ہو جائے تو وہ دوکاندار کا نقصان اور مال وقت پر نہ ملے تو خریدار کے نقصان کا خطرہ ہے۔

دوسرا یہ کہ اس فروخت کرنے میں سود در سود کمایا جا سکتا ہے کہ مال قبضہ میں نہیں اس کو سود لے کر فروخت کر دیا پھر دوسرے نے مزید اس کو سود لے کر فروخت کر دیا اور پھر یہی معاملہ تیسرا، چوتھا پانچواں فرد بھی کرتا ہے اور ابھی تک مال کسی کے قبضہ میں نہیں آیا۔

چوتھا اصول: جھوٹ بول کر اشیاء کو فروخت کرنا اس طرح مال کو لینا جائز نہیں ہوگا۔

کوئی دوکاندار گاہک سے کہتا ہے کہ یہ شے میں نے ۱۰۰ روپے کی خریدی ہے اور اس پر گاہک کو اطمینان دلانے کے لیے وہ قسم بھی کھا لیتا ہے حالانکہ اسکی قیمت ۱۰۰ روپے نہیں ہے گاہک اس کی بات پر اعتماد کر کے دوکاندار کی بتائی ہوئی قیمت کے اوپر چند روپے نفع دے کر اس شے کو خرید لیتا ہے اس طرح کی بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں۔

پانچواں اصول: جس تجارت میں سود آجائے تو وہ تجارت ناجائز ہو جاتی ہے جیسا کہ آجکل بازاروں میں پرانے سکوں کا تبادلہ نئے سکوں سے کچھ کمی کے ساتھ کرتے ہیں یہ ناجائز اور سود ہے بالکل برابر ہونا چاہیے۔

چھٹا اصول: جس کاروبار میں جو آجائے وہ کاروبار بھی حرام ہو جاتا ہے۔

ساتواں اصول: میٹر، ناپ، تول وغیر میں کمی بیشی کرنا مثلاً: ٹیکسی ورکشہ میں غلط میٹر لگا کر زائد پیسے وصول کرنا یہ آمدنی بھی حرام ہے۔

آٹھواں اصول: ذخیراندوزی کرنا۔

نواں اصول: ایک معاملہ پر دوسرا معاملہ کرنا

دسواں اصول: حقوق مشتری کو فروخت کرنا مثلاً قدرتی نہر کا پانی یا سمندر کا پانی جس میں سب کا ہی

حق ہے اس کو کوئی قبضہ کر کے فروخت کرے یہ بھی جائز نہ ہوگا۔
(یہ تمام اصول اسلام میں معیشت کے بنیادی اصول سے ماخوذ ہیں)

رزق حلال کی فضیلت

یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم۔ ”اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے خرچ کرو“ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کمائی پاک بھی ہوتی ہے اور ناپاک بھی۔

☆ ولا تیسوا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا ”نکمی اور ناپاک شے خرچ کرنے کا ارادہ بھی مت کرو حالانکہ تم خود اس کو قبول نہیں کرو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کرو“

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (۵۱:۲۳)

”ہم نے تمام رسولوں کو حکم دیا کہ بقاء حیات کے لیے طیب رزق استعمال کرتے رہو ان نعمتوں کے استعمال کے بعد جو تمہارے اندر ایک قوت پیدا ہوگی اس قوت کے ذریعے صالح اعمال کرتے رہو“

اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال اعمال پر مقدم ہے اور صلاح و تقویٰ کا پیدا ہونا اکل حلال کا

نتیجہ ہے حلال کھانے سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

☆ محمد ﷺ نے فرمایا بعض انسان طالب علم اور کار خیر کے لیے طویل سفر کرتے ہیں۔ پراگندہ حال غبار آلودہ دعا کرتے ہیں ان کی دعاء کیسے قبول ہوگی؟ ان کی دعاء قبول نہیں ہوتی جب کہ ان کا کھانا حرام، لباس اور غذا حرام کا ہے۔ (مسلم)

☆ لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت و کل لحم نبت من السحت فالنار اولیٰ

”وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جو حرام سے پرورش پایا ہے اور وہ گوشت جو حرام سے پرورش

پایا ہو آگ ہی اس کے لیے مناسب ہے۔ (مشکوٰۃ)

☆ حلال روزی کا تلاش کرنا فرائض کے بعد فرض ہے اور ارشاد فرمایا جو انسان اپنی اولاد یا والدین یا

اپنے نفس کے لیے حلال روزی کماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔ (ترغیب)

☆ جوانبسان بیواؤں اور مسکینوں کے لیے سعی کرتا ہے اس کا اجر اس انسان کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور رات کو نوافل میں قیام کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے (ترمذی)

☆ جس نے حلال روزی کماتے ہوئے یادست کاری کی مشقت میں شام کی وہ مغفور ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی خطا، قصور اور لغزشوں کو معاف فرمادے گا (کنز العمال)

☆ اللہ تعالیٰ اس انسان کو دوست رکھتا ہے جو مومن ہو اور حلال روزی کماتا ہو۔

☆ محمد ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی: یا سعد اطب مطعمک تکن مستجاب

الدعوة (ترغیب) ”اے سعد حلال کھانے کی عادت بناؤ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے“

رزق حلال کی یہ برکت ہوگی کہ تم جو دعائو گے وہ قبول ہوگی اور اکل حرام کی نحوستوں میں سے ایک نحوست یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔

کسب مال حلال کے مراتب اور درجات

اکل حلال کے بھی مختلف مرتبے اور درجے ہیں جو ایک دوسرے پر فائق ہیں۔

۱۔ ہاتھ کی کمائی: ☆ ما اکل احد طعاماً خیر من ان یاکل عمل یدہ (بخاری)

”کوئی کھانا ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں ہے“ ہاتھ سے محنت مشقت کر کے جو کمائی حاصل ہوگی وہ سب

سے زیادہ پاکیزہ کھانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعثت سے قبل محمد ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے جیسا کہ

ترمذی کی روایت میں ہے اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

داؤد علیہ السلام زرہ (جنگی لباس) بناتے تھے اور زکریا علیہ السلام نجاری (بڑھئی) کا کام

کرتے تھے۔ التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء یوم

القیامة (ترمذی) ”جو تاجر اپنے کاروبار میں صداقت اور دیانتداری سے کام لیتا ہے وہ آخرت میں انبیاء

صدیقوں اور شہیدوں کی جماعت میں داخل ہوگا“

☆ التاجر فاجر الامن اخذا الحق واعطاه

”ہر تاجر گنہگار ہے مگر وہ تاجر گنہگار نہیں جس نے اپنا بھی حق لیا اور دوسرے کا بھی حق دیا (کنز العمال)

مطلب یہ ہے کہ جس نے تجارت میں سچائی اور امانت داری کو اختیار کیا اس کی کمائی حلال اور پاکیزہ ہے جس نے جھوٹ بولا جھوٹی قسمیں کھا کر دھوکہ قریب سے کام لیتے ہوئے تجارت کی اس کی کمائی مشکوک یا حرام ہے

☆ بدترین کمانے والا وہ انسان ہے جو مانگ کر کھائے اگرچہ جائز طریقہ سے ہی درست دراز کیا ہو
 ☆ فمن اخذه بطيب نفس بورك له فيه و من اخذ با شراف نفس لم يبارك له فيه
 و كان كالذي ياكل ولا يشبع (بخاری) ”جس نے اس مال کو خوش دلی کے ساتھ حاصل کیا اسے برکت دی گئی ہا اور جس نے مال کو ذلت نفس سے حاصل کیا اسے برکت نہیں ملتی وہ اس انسان کی طرح ہے جو کھانا کھائے لیکن اس کا پیٹ نہ بھرے“ یعنی مال ہوتے ہوئے بھی مزید حرص کی وجہ سے پریشان رہے گا اس کو قناعت حاصل نہیں ہوگی۔

☆ الید العلیا خیر من ید السفلی!

”دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے“

یہی وجہ ہے سلف صالحین نے حسن معاملات کو عبادت پر مقدم رکھا ہے۔

حلال و حرام پاک و ناپاک اشیاء

ہر وہ شے نجس ہے جس کی ناپاکی پر شرعی دلیل قائم ہو جیسے خون، شراب، خنزیر، پیشاب پاخانہ مردار، ان اشیاء کو خریدنے سے ملک ثابت نہیں ہوتی اور ان کو فروخت کر کے نفع کمانا بھی جائز نہیں مگر یہ کہ ماہیت بدل جائے، جیسے شراب سرکہ بن جائے، مردار نمک ہو جائے سرگین راکھ ہو جائے۔

☆ اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ نے شراب، مردار اور خنزیر اور بتوں کا بیچنا حرام کر دیا ہے تو محمد ﷺ

سے عرض کیا گیا اے رسول اللہ ﷺ یہ تو فرمائیے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے کہ اس سے کشتیاں اور

چڑے چکنے کیے جاتے ہیں اور چراغ جلائے جاتے ہیں ارشاد فرمایا نہیں وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ یہود کو

ہلاک کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی تو حرام کی تو اسے پگھلا کر بیچا اس کی قیمت کھائی۔

ناپاک اشیاء کسی پاک شے کی تابع ہو جائے جیسے خون اور پیشاب وغیرہ جو کسی کپڑے وغیرہ لگا ہو یہ بک سکتا ہے استعمال بھی جائز ہے البتہ اس کو زائل کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: تیل میں کوئی ناپاک شے مل جائے اور تیل کی مقدار ناپاک سے زیادہ ہو تو اس کا بیچنا جائز ہے

(حج) مسجد کے علاوہ دوسری جگہ چراغ جلانا جائز ہے (عالمگیری)

مسئلہ: جس نشہ والی شے میں بذاتہ سیلان ہو، جیسے شراب یا تاڑی وہ ناپاک بھی ہے اور حرام بھی اور اگر ذاتی سیلان نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ہے اگرچہ اس میں تصرف کر کے سیال بنالیں جیسے بھنگ اور افیون یہ حرام ہیں ناپاک نہیں ہے حرمت کے ساتھ سیلان کو نجاست میں دخل ہے جیسا کہ بہتا ہوا خون ناپاک قرار پایا۔

مسئلہ: نشہ آور بہنے والی شے کو دوسری کسی شے میں ملا کر غیر سیال بنالی جائے جیسے ٹاٹری جو سکت یا نان پاؤ میں خمیر کی جاتی ہے ناپاک ہی رہے گی اور جس میں ملائی گئی اسے بھی ناپاک کر دے گی پکانا نہ مفید طہارت ہے نہ دلیل حرمت (حرام شے پکالینے سے حلال نہ ہوگی اسی طرح ناپاک شے پکالینے سے پاک نہ ہوگی)

مسئلہ: صرف خشک گوبر (سرگین) اگر مٹی ملی ہوئی ہے تو تبعاً اور نہ ضرورت کی وجہ سے اسلاف کے

تعالل کی وجہ سے جائز ہے اور پانس (کھاد) بھی بھی بحکم ضرورت بک سکتی ہے (جامع الصغیر) اس پر

خون وغیرہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ تعال امر غیر معقول ہے جو قابل قیاس نہیں ہے لہذا خون کا

بیچنا حرام ہے۔ پاک شے جس کی نجاست پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو یہ حلال بھی ہے حرام بھی۔

حرام کی چار اقسام

۱۔ حرمت خاصہ:۔ صرف بعض کے حق میں حرام ہو۔ جیسے صدقات واجبہ اغنیاء وغیرہ یا چاندی سونے کا

زیور ریشمی لباس جو خاص مردوں کے لیے حرام ہے باقی منافع ان کے لیے حلال ہے۔

۲۔ حرمت وصفی :- بذاتہ حلال ہو مگر کسی وصف خبیث کی وجہ سے حرمت آگئی۔ جس وقت وہ وصف خبیث جاتا رہا حرمت بھی چلی جائے گی جیسے بھنگ افیون بعلت فتور عقل لہو و طرب کے لیے پینا حرام ہے اور علاج کی ضرورت سے حلال ہے۔

مسئلہ :- ایسی اشیاء کا استعمال جو موجب سکر ہوں بیماری کی حالت میں بطور دوا جائز ہے بشرطیکہ اس کی عادت نہ بنالی جائے اور قصداً بھی نہ ہو۔ بلکہ صرف مجبوری کی حالت میں ہو ورنہ ہر شے نفع کے لیے حیلے سے ذوا بن سکتی ہے اور زہر کی وہ مقدار جو مہلک ہو حرام ہے مگر ناپاک نہیں اور جو مقدار مہلک نہ ہو اس کا استعمال جائز ہے۔

۳۔ حرمت اصلی :- جس میں حرمت کی تینوں قسمیں نہ پائی جائیں جیسے ہڈی اور حرام جانوروں کا گوشت جب کہ ذبح شرعی سے پاک ہو جائے کھانے کے سوا دوسرے استعمال میں لانا جائز ہے۔

۴۔ حرمت عارضی :- یہ وہ خبیث ہے جو مخالفت شرعی سے قائم ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

حرمت عارضی کی دو اقسام

حرام مملوک :- لین دین میں جو قوانین ہیں ان کی مخالفت سے جو حرمت آجاتی ہے جیسے بیوع اور اجارات فاسدہ کے معاوضے ان میں بخوشی قبضہ پائے جانے سے ملک حاصل ہو جاتی ہے مگر ہر ایک کے ذمہ واجب ہے کہ بیع اور ثمن کو واپس کر دے۔ (ہدایہ)

مسئلہ :- ایسے مال جس شے کے عوض لیے گئے تھے اگر وہ شے ہلاک ہو جائے یا قابل رد نہ رہے یا مالک معلوم نہ ہو یا اس کا نشان نہ ملے اس تک پہنچنا دشوار ہو یا واپسی پر رضامند نہ ہو اور کوئی قاضی بھی نہیں جو اس کو مجبور کرے تو اس مال کو فروخت کرے اصلی قیمت لے لے اور جو نفع ملے اس کو صدقہ کر دے (ہدایہ)

مسئلہ :- اس قسم کی حرمت متعدی نہیں ہوتی (در مختار) پس ایسی مال کو مفت یا قیمت دے کر لینا جائز ہے مگر ایک گونہ کراہت کے ساتھ (ثامی)

مسئلہ:- وارث بیوی بچوں کے لیے جائز ہے کہ ایسے مال سے اپنا حق وصول کریں (الاشباہ)

۱- حرام غیر مملوک:- وہ مال ہے جس پر ناجائز قبضہ کر لیا جائے اس کی تین قسمیں ہیں:-

۱- حق اللہ:- جیسے زکوٰۃ، عشر نذر اور مسجد وغیرہ کے مال

۲- حق العبد:- جیسے چوری، غصب، رشوت، سود، قمار (جوا) زنا کی اجرت وغیرہ

۳- حقوق مشترکہ:- وہ مال جس سے بہت سے انسانوں کا حق متعلق ہو جیسے اوقاف، مدارس

بیت المال کے اموال بیوع باطلہ اور اجارہ باطلہ کے عوض یہ قسم دوسرے حراموں اور نجسوں سے زیادہ

خبیث تر ہے۔

حرام مال میں گناہ کے اسباب

حرام غیر مملوک سے کئی طرح کے گناہ لازم آتے ہیں

۱- مالک کی حق تلفی جیسے سود اور چوری میں

۲- حرام پر قبضہ کرنے اور اس سے نفع مانے کا مواخذہ

۳- اگر اس مال حرام کو کسی اور شے کے عوض میں دیا تو ایسے ناجائز طریقہ سے برأت کا فائدہ حاصل کرنا

یعنی جب کسی سے مال خریدیں گے تو گلو خلاصی تب ہوگی کہ جب قیمت ادا کر دیں گے تو یہ ناجائز

روپے دے کر جان بچائی کہ قاضی کے یہاں روپیہ ادا نہ کرنے کا مقدمہ دائر نہ ہو اس طرح ناجائز

طریقہ پر برأت حاصل کریں۔

۴- اگر یہ ناجائز مال کسی کو مفت دے دیا تو یہ احسان حصول ثواب کی ناجائز امید ہے۔

۵- لینے والا کوئی مسلمان ہے تو اسے بھی بلاء و مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔

۶- اگر اسے معلوم نہیں تو دھوکہ دہی کا وبال ہے۔

۷- اگر اس مال سے کوئی کام یا مال حاصل کیا تو ایسا بیجا تصرف اور نفع حاصل کرنے کا گناہ ہے۔

۸۔ اگر کسی کا زخیر میں لگایا جیسے مساجد یا مدارس یا فقراء، مساکین پر صدقہ کرنا تو ایسی ناپاک اور حرام شے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کی گستاخی پر وعید ہوگی۔

حرام غیر مملوک کا حکم

۱۔ ان مالوں کی حرمت متعدی ہے نہ ہاتھ کے بدلنے سے پاک ہوگی نہ ہی میراث سے حلال ہوگی پس ایسے مال کو نہ خود کھائے اور نہ ہی کسی کو کھلائے

۲۔ نہ ان مالوں کا مفت لینا جائز ہے نہ کسی شے کے عوض میں وصول کرنے مباح ہے نہ میراث پر قبضہ اور تصرف حلال ہے۔

۳۔ ان مالوں پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں، صدقہ کرنا بھی جائز نہیں اور صدقہ پر ثواب بھی ثابت نہیں۔

۴۔ جہاں تک ہو سکے جن کے مال ہیں انہیں کو واپس کر دیئے جائیں یا منت سماجت کر کے یا کوئی معاوضہ دے کر ان سے معاف کرائے جائیں اور جب ایسا ممکن نہ ہو اور اس کے مالک نہ مل سکیں یا پہچانے نہ جائیں تو حق دار کے حق کو ادا کرنے کی نیت سے مستحق فقراء کو دے دیئے جائیں اور ہرگز ثواب کی نیت نہ کی جائے ورنہ کمال گستاخی سے کفر کا خوف ہے۔

۵۔ فقراء کو بحالت مجبوری لینا جائز ہے۔

۶۔ جس مال کی حرمت و نجاست اصلی نہ بلکہ طریق وصول میں خلاف ورزی سے حرمت کا حکم دیا گیا ہو اور وہ بعض کے حق میں ممنوع نہ سمجھا گیا ہو تو اس انسان سے مفت یا کسی شے کے عوض میں لینا جائز ہے جیسے صدقہ جو فقراء پر تو حلال ہے اغنیاء وغیرہ پر حرام ہے۔

حرام غیر مملوک پاک مال سے مخلوط ہو جائے

اس کی چار صورتیں ہیں:-

۱۔ حلال کو حرام سے آسانی کے ساتھ جدا کیا جاسکے۔ جیسے سو روپے سودی قرض دے کر ایک سو دس

روپے حاصل کئے اب دس روپے کو علیحدہ کر دے تو سو حلال اور روپیوں میں نہ تعین ہے نہ امتیاز جو چاہے دے۔

۲۔ قیمت ادا کر کے حرام سے علیحدگی ہو سکتی ہے جیسے سو روپے میں ایک مکان بیع کے طور پر خریدا اس سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ اس کو فروخت کر دے اگر کچھ نفع ملے اس کو صدقہ کر دے اور اصلی رقم اپنے پاس رکھ لے اگر کچھ نقصان ہو تو اس کو برداشت کر لے اگر کسی کو سو روپے قرض دے کر ایک گھڑی بطور رہن کے رکھ لے سال پورا ہونے کے بعد وہی گھڑی اصل اور سود کے عوض میں لے لے تو اب گھڑی سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ فروخت کر کے سو روپے اصل رقم لے لے اور باقی صدقہ کر دے۔

۳۔ حلال کو حرام سے جدا کرنا مشکل ہو جیسے کسی کے گندم میں جو مل گئے تو بہتر تو یہی ہے کہ جن جن کر علیحدہ کر دیا جائے اور اگر علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو جیسے دودھ میں چینی مل گئی اب ملے ہوئے مال کی قیمت لازم ہو گئی وہ قیمت مالک کو دے دے اگر مالک نہ ملے تو خیرات کر دے اگر چہ ایسے خلط کرنے سے گنہگار ہوگا اگر سہوا ہو جائے تو اللہ سے معافی کی امید ہے اور احتیاط ایسے مشتبہات سے بچنے میں ہے۔

۴۔ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ اس میں مال خبیث شامل ہے یا نہیں اس کی دو صورتیں ہیں

(۱) اگر حلت کا قرینہ قوی موجود نہ ہو اور بچنا ممکن بھی ہو تو حرام ترجیح دے اور اگر بچنا مشکل ہو اور ابتلا عام ہو تو وہ اعراض کافی ہے کیونکہ مجرد ظن سے حرمت کا ثبوت ظنی اور احتیاطی ہے قطعی اور وجوبی نہیں اور بلوائے عام سے بچنا مشکل ہے۔

حرام مال سے بچنا واجب

حرام مال سے بچنا واجب اور تمام امور پر مقدم ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (۵۱: ۲۳) اے رسولوں کی جماعت

حلال مال کھاؤ اور صالح کام کرو

پہلا درجہ حرام قطعی :- اس کی نجاست و حرمت کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف و اہتلاف نہ ہو اور نہ ہی اس کے طریق معرفت میں کوئی تردد ہو جیسے شراب خنزیر وغیرہ جو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں وہ مال جس کی نسبت قبضہ کرنے والا خود اقرار کرتا ہے یا دو عادل گواہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ مال فلاں حرام طریقہ سے وصول کیا گیا ہے یا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اس طرح کہ زید نے آنکھوں کے سامنے کسی کی بکری کو ذبح کیا یا سود کارو پیہ وصول کیا یا رشورت لی یا کسی سے زبردستی چھین لیا۔ ایسے مال کو نہ خود استعمال کر سکتا ہے نہ کسی کو مفت یا کسی شے کے عوض میں دے سکتا ہے نہ کسی دوسرے انسان کو جسے اس کی حرمت کا یقین ہو گیا ہے مفت یا کسی شے کے عوض میں لینا جائز ہے

دوم حرام مشتبہ :- جس کی دلیل یا معرفت میں تردد ہو مثلاً اس کی رحمت کے بارے میں علماء مجتہدین مختلف ہیں یا طریق معرفت قطعی نہیں اور اس کے تین درجے ہیں۔

۱۔ موہوم :- جب کہ صرف وہم ہی وہم ہو جیسے بازاری انواہ کہ فلاں دواء یا غذا میں شراب یا کوئی نجس یا حرام شے ملی ہوئی ہے۔

۲۔ مشکوک :- جس شے کی حلت و حرمت میں دو طرح کی دلیلیں برابر قوت رکھتی ہوں جیسے جھیرگا جس کو بعض نے مچھلی سمجھ کر حلال کہا ہے اور بعض نے کیڑا سمجھ کر حرام کہا ہے یا ایسے انسانوں کے مال جس کی کچھ آمدنی حلال اور کچھ حرام ان کی ہر آمدنی پر دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

۳۔ مظنون :- ظن غالب کی وجہ سے کسی شے کو حرام یا نجس قرار دینا جیسے کسی کی ظاہری آمدنی یا زائد آمدنی حرام ہے۔

مشتبہ مال کا حکم

موہوم کی طرف دھیان کرنا صحیح نہیں ہے اور مشکوک اپنی اصل پر محمول ہے اگر وہ شے اصل میں پاک ہے تو شک سے ناپاک نہیں ہو سکتی جیسے گڑ، چینی یا کپڑا وغیرہ جو اصل میں پاک تھا مگر عارضی

طور پر ناپاکی کا احتمال ہے اب محض شک سے نہ اصلی طہارت زائل ہو سکتی ہے نہ عارضی ناپاکی ثابت ہو سکتی ہے ایسے مشکوک کپڑا اگر دھو بی دھوتا ہے جو عام طور پر کافر یا محض لاشعور ہوتا ہے اب یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ان کا دھونا شرعاً غسل معتبر ہو یا نہیں کہ جس کے بعد پاکی کا حکم لگایا جاسکے۔

اب چونکہ دھونے میں اصل پاکی کا حاصل ہونا ہے اس لیے وہ کسی شک سے زائل نہیں ہو سکتی لہذا پاکی کا حکم لگایا جائے گا۔

ایسے ہی وہم کہ جانور کو ذبح کرنے والا قصائی شرعی حکم سے ناواقف ہوتے ہیں یا ذبح کرتے وقت بے احتیاطی کرتے ہیں لہذا یہ وہم کہ جانور صحیح ذبح ہو یا غلط اب ذبح ہونا ظاہر ہے ذبح میں غلطی کرنا خلاف شرع کرنا موہوم اور مخفی بات ہے اس لیے اس کو حلال ہی کہا جائے گا۔

ایسے چینی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے بنانے میں بعض ناپاک اشیاء سے مدد لی جاتی ہے حالانکہ ان کے طریق اختلاط و استعمال پر نہ معتبر گواہی موجود ہے اور نہ عدم جواز کا علم کافی ہے۔

ایسی انگریزی دوائیں جن میں شراب یا دوسری ناپاک اشیاء کے ملائے جانے پر زور لگایا جاتا ہے مگر اب تک ثابت نہیں کیا جاسکا کہ جس جوہر قوی کو وہ ان اشیاء میں عام طور پر ملایا کرتے ہیں وہ اپنی لعت میں اسے شراب کہتے ہیں آیا وہ شرعاً حد شراب میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں اور میرے نزدیک وہ سم ہے شراب نہیں۔

الحاصل مشکوک بھی واجب الترتک نہیں بعض صلحاء امت کا ان کے استعمال سے احتیاط فرمانا صرف اس لیے تھا تا کہ مواقع حرمت سے دور رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی نا فہمی اور غفلت سے بھی ہلاک نہ ہوں جیسا کہ ایک محتاط انسان راستہ کے درمیان چلتا ہے اور دریا کے تابیاب پانی میں بھی پاؤں نہیں ڈالتا کہ کنارے پر چلنے سے مبادا کہیں پاؤں پھسل کر دوسری جانب چلا جائے تو کون بچا سکے گا یہ مرتبہ کمال تقویٰ و مزید احتیاط کا ہے جن کے اہل وہی انسان ہیں لیکن مظنون یعنی جبکہ حرمت کے وجوہ

معرفت قوی ہوں اور غالب حالت مقتضی ہو کہ یہ مال حرام طور پر حاصل کیا گیا ہے اس پر علماء سلف نے بہت زور دیا اور بلا توقف اسے صریح حرام کیساتھ ملحق فرمایا ہے۔ کیونکہ احکام فقہی اکثر ظنی ہیں وللا کثر حکم الکل مسلم ہے۔ جب کہ حلال و حرام میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا ایسے مال کو حرام و ناپاک قرار دے کہ ان سے اجتناب کرنا سلف صالحین کا معمول رہا ہے اور کتابیں ایسے اموال کے استعمال سے ممانعت کے ساتھ بھری ہوئی ہیں۔

مشتبہ مال کے متعلق متاخرین کی رائے

مگر اسی کے ساتھ مصلحت شناس علماء کرام کی یہ بھی کوشش رہی ہے کہ شریعت مطہرہ میں جہاں تک گنجائش ہو احکام میں گنجائش دی جائے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھیں اور حرام مشتبہات سے بچنے کی فکر ہی چھوڑ دیں۔

چنانچہ احکام فقہی پر مرتب کتابوں پر نظر کرنے والے جانتے ہیں کہ ترک مشتبہات کے مسئلہ میں ہر صدی کے بعد پتہ بہت ضرور ہوتی ہے۔ اس بارے میں امام غزالی کی تصانیف ملاحظہ ہوں عالمگیر جو ایک حامی شریعت مجی سنت عالم و متقی بادشاہ تھے انہی کے حکم سے فتاویٰ عالمگیر یہ تیار ہوا فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین کا قول یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں مشتبہات سے احتراز کرنا مشکل ہے تو جب تک یقینی طور پر علم نہ ہو جائے کہ بعینہ یہی مال حرام ہے تو اس مال کے استعمال کو ترک کرنا واجب نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:- ہمارا زمانہ جو فضولیات و لغویات سے بھرا ہوا ہے جس کی فضول کاروائیوں اور آزادیوں سے نہ حکومت محفوظ ہے نہ تجارتیں بچ سکیں نہ ملازمتیں اس سے پاک ہیں نہ اجارہ کا معاملہ صحیح ہے نہ زراعتیں سود اور رشوت سے پاک ہیں۔ اسی طرح بیوع فاسدہ کے علاوہ ایک دو نہیں ہزاروں بلائیں ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ ترک مشتبہات پر زور دیا جائے۔

احتیاطی تدابیر



- ۱۔ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی کہ اپنے تمام معاملات کو حرام و ممنوع آلائشوں سے پاک رکھے جائیں۔
- ۲۔ وہ اموال جن کے حرام ہونے کا یقین ہو گیا ہے اور کوئی تاویل اس کی حلت پر قائم نہیں ہو سکتی چھوڑ دیئے جائیں۔

۳۔ مشتبه مالوں میں زیادہ بحث نہ کی جائے۔

سہولت کی چند مثالیں

- ۱۔ سرگین (گوبر) اور پانس (کھاد) جو قطعاً ناپاک ہے اس کی بیج کو جائز قرار دیا گیا ہے۔
- ۲۔ بارش کے دنوں میں ناپاک کچھڑ کو ضرورۃً پاک قرار دیا گیا ہے۔
- ۳۔ ناپاک کپڑے جس کا مقام نجاست معلوم نہ ہو ایک حصہ دھونے سے پورے کپڑے کو پاک قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ جنگل اور میدان میں بنے ہوئے کنوؤں میں گوبر، لید وغیرہ کا گرنا ایک حد تک معاف ہے اس سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا لیکن گھر کے کنواں میں معاف نہیں ہے۔

۵۔ ایک گھر کی لڑکیوں کے بارے میں رضاعت کا شبہ ہو تو احتیاطاً کسی سے نکاح جائز نہیں۔ لیکن اگر شہر کی تمام عورتوں کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس شبہ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ ایک دکان کے بارے میں مال حرام کا شبہ پیدا ہو جائے تو اس دکان سے خرید و فروخت بند کی جاگی لیکن اگر پورے بازار کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس شبہ پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ جن تصاویر سے احتراز ممکن نہیں ہے وہ معاف سمجھی گئی ہیں جیسے نوٹوں میں جو تصویریں ہیں۔

۸۔ محمد ﷺ کے زمانہ میں مسلمان تاجر یہود و نصاریٰ سے مال خریدنے میں زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی حرام کاری قرآن میں منصوص ہے۔

لولا ينههم الربانيون والاحبار عن اكلهم السحت .

الغرض جہاں عموم بلوی ہو اور احترام حقیقہً مشکل ہو تو ایسی صورت میں عفو اعراض بہتر ہے اور اگر کسی نے اپنے خاص معاملہ میں رعایت کر لی تو نہ مال کہیں سے مل سکے گا نہ فروخت کر کے قیمت وصول کر پائے گا۔

مسئلہ :- جس ملک میں حرام خوری اس قدر عام ہو جائے کہ اس سے بچنا دشوار نظر آئے جیسے ہمارے ملکوں میں سود رشوت وغیرہ بیوع فاسدہ عام ہیں تو ان مالوں سے احترام واجب ہوگا جن کے بارے میں یقین ہو جائے کہ یہ مال حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا ہے۔

مسئلہ :- جہاں یہ حرام خور قلیل اور ذلیل حالت میں ہوں جیسے ہمارے شہر میں زنا کار بدکار اور گلوکار وغیرہ ان سے بچنا واجب ہے بشرطیکہ قرینہ صحیحہ اور ظن غالب موجود ہو کیونکہ اس موقع پر احترام ممکن ہے لہذا حرمت اصلی اپنی حالت پر برقرار ہے اور پہلے مسئلہ میں احترام مشکل ہے اس لیے عارض تخفیف سے کام لیا گیا ہے۔

۲۔ جب اکثریت اس حرام کاری سے اجتناب کرے گی تو اقلیت خود بخود مجبور ہوں گی اور جب قلیل سے معاملات کو ترک کیا جائے گا تو دوسروں کے لیے بھی تنبیہ ہوگی اس طرح گناہوں کے کام کے لیے سدباب ہوگا کہ انسان ایسے حرام خوری سے اجتناب کریں گے۔

حرام مال سے قیمت ادا کرنے کا حکم

حرام مال سے جو قیمت ادا کی جاتی ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔

- ۱۔ عقد مطلقاً واقع ہو مثلاً حرام آمدن والے کپڑے کا ایک تھان خریدایا کسی انسان سے مزدوری کروائی صراحت کے ساتھ نہیں کہا کہ مزدوری حرام مال سے دوں گا لیکن ادا کرتے وقت حرام مال سے ادا کیا۔
- ۲۔ عقد کرتے وقت صراحت کے ساتھ ذکر کیا کہ اس رقم یا اس گندم کے عوض خریدتا ہوں جو حرام ذریعہ

سے حاصل کیا گیا ہے لیکن پھر قیمت حلال مال سے ادا کر دی۔ ان دونوں صورتوں میں جو لیا حلال ہے۔
اگرچہ غیر نقدیں (یعنی سونا چاندی کے علاوہ) کا بدلنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ عقد کرتے وقت متعین کیا کہ اس کپڑے کی قیمت حرام پیسوں سے ادا کروں گا پھر کپڑا خریدنے کے بعد حرام پیسہ ہی سے قیمت ادا کی تو ایسی خریدی ہوئی شے میں خبث آ گیا ہے یا اس طریقہ پر کوئی کام لیا اور حرام ہی کی رقم سے اجرت دی تو ایسی رقم کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی عقد میں نقدین (یعنی سونا چاندی یا نوٹ) کو عوض ٹھہرائیں یا مثلیات محض ادا کرنے کے عوض ٹھہرائیں اور اشارہ سے متعین نہ کیا جائے تو کوئی فرد متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ عوض ذمہ میں ثابت اور لازم ہو جاتا ہے عقد صحیح اور جائز ہوگا اور جو مال یا کام اس کے عوض میں لیا جائے وہ جائز اور حلال ہے۔ البتہ عوض کی ادائیگی کے وقت اگر حرام مال دیا گیا ہے تو دینے والا اس نا جائز تصرف کی وجہ سے گھنگار ہوگا اگر لینے والے کو معلوم ہو تو وہ بھی گھنگار ہوگا لیکن خریدار ہر حال میں بری الذمہ ہوگا قضاء بھی اور دیا نہ بھی۔

مسئلہ:۔ اگر مقروض نے مال حرام سے قرض ادا کیا تو قرض ادا ہو جائے گا اس کا ذمہ بری ہوگا اور قرض وصول کرنے والے کے حق میں وہ قرض حلال ہوگا۔ اس کی دو قسمیں۔

(۱) حلال غیر مملوک جیسے عاریت پر لی ہوئی شے (۲) حلال مملوک جیسے ہبہ

ملک حلال کے چھ اسباب ہیں

۱۔ عقود:۔ جیسے خرید و فروخت اور اجارہ (کرایہ داری)

۲۔ عطایا:۔ جیسے ہبہ، صدقہ، عاریت

۳۔ زوائد:۔ اپنی ملک جو خود بخود بڑھے جیسے باندی کو اولاد یا درختوں کے پھل یا درخت وغیرہ

۴۔ اباحت:۔ جیسے دریا کا پانی جنگل کی گھاس یا دعوت کا کھانا وغیرہ

باب ۷ اسلامی نظام میں زکوٰۃ و عشر کی حقیقت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس نے زندگی کے ہر پہلو پر راہنمائی کی ہے خواہ اس پہلو کا تعلق انسان کے معاش و معیشت سے ہو اور خواہ تعلقات عامہ سے، نظام عدل سے ہو یا نظام معاشرت، دفاعی امور ہوں یا تعمیری سرگرمیاں اسلام کسی بھی مقام پر کسی فرد کو اپنی راہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑتا علاوہ ازیں یہ بھی ہے کہ اسلام نے راہنمائی کے لیے کسی خاص طبقہ، خطہ، رنگ نسل یا علاقہ کے انسانوں کو منتخب نہیں کیا بلکہ اس کی راہنمائی عام ہے امیر بھی اس کا محتاج ہے تو غریب بھی، آقا بھی تو غلام بھی، مالک بھی اور خادم بھی، اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی گورا بھی اور کالا بھی، اسلام کی نظر میں بحیثیت انسان سب برابر ہیں معیار فضیلت اسلام کے نزدیک اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف کردار و عمل کی پرہیزگاری اور تقویٰ ہو سکتا ہے۔

چونکہ اسلام معاشرے کے ہر فرد کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے اس لیے اس نے کمزور اور غریب افراد کی مالی حیثیت بھی اصلاح کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس کے لیے بھی ایک ایسے ضابطہ اخلاق وضع کیا ہے کہ جو اپنی مثال آپ ہے اسلام کے اس ضابطہ اخلاق کو ہم نظام زکوٰۃ و عشر کا نام دے سکتے ہیں زکوٰۃ اور عشر اس نظام کے دو اہم رکن ہیں دیگر صدقات و خیرات بھی اگرچہ نظام کا حصہ ہیں، لیکن زکوٰۃ اور عشر کی اہمیت ان سب سے بڑھ کر ہے۔

”ایک انسان جس کے بعض اعضاء کمزور ہوں اور بعض قوی وہ کوئی کام بھی آسانی کے ساتھ نہیں کر سکتا، اسی طرح انسانیت ایک جسد واحد ہے جس کے بعض اعضاء قوی ہیں اور بعض کمزور جب تک کمزور اعضاء کے ضعف کو دور نہ کیا جائے انسانیت کا یہ جسد پورے سکون کے ساتھ اپنا ارتقائی سفر نہیں کر سکتا۔ اس جسد کے قوی اعضاء صاحب ثروت ہیں اور اس کے کمزور اعضاء، غریب اور مسکین انسان ہیں جس مال کے ذریعے ان کمزور اعضاء کی کمزوری دور ہو سکتی ہے وہ سارا مال ان قوی انسانوں کے قبضے میں ہے جب تک یہ انسان اپنے مال سے ان کمزور افراد کی کمزوری کو دور نہ کریں گے پوری انسانیت کا جسد سکون اور راحت کے ساتھ اپنی ارتقائی منزل طے نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسلام میں اصحاب ثروت کمزور افراد کا ایک مالی حصہ مقرر کر دیا گیا ہے جب تک یہ انسان اس مالی حصہ کو کمزور

افراد پر خرچ نہ کریں گے ان کی انسانیت سکون کے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی۔ آپ جس کی زندگی میں بے چینی اور اضطراب محسوس کریں گے اس کی بنیادی وجہ یہی ہوگی کہ اس نے کسی بے بس انسان کا کوئی نہ کوئی حق ضرور تلف کر رکھا ہوگا اسی طرح مال کے ضیاع اور اس میں بے برکتی کا بھی یہی سبب ہے کہ اس مال میں کسی مظلوم کی حق تلفی کے انکارے لازمی ہوں گے۔

چوس کر شاخ کا لہو گل نے اپنا جو بن سنوارنا چاہا

اسلام نے اس معاشی سکون کے لیے عشر زکوٰۃ اور میراث وغیرہ کے حصے مقرر کر دیئے ہیں اس باب میں عشر زکوٰۃ کی بحث کی گئی ہے تاکہ جن اہل ثروت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے وہ اس پر عمل کر کے اپنی زندگی کے بھیانک انجام سے محفوظ رہ سکیں“ (۱)

زکوٰۃ کا لغوی مفہوم

زکوٰۃ کا لغوی معنی اضافہ، نشوونما، طہارت اور پاکیزگی ہے اضافہ اور نشوونما کے معنی میں اگر اس کو لیا جائے تو اس کا اطلاق اس عبادت پر اس لحاظ سے ہوگا کہ زکوٰۃ دنیا میں بھی مال و دولت کو بڑھاتی ہے اور آخرت میں بھی اجر و ثواب کا اضافہ کرتی ہے اور اگر اس طہارت و پاکیزگی کے معنی کا اطلاق اس عبادت پر کیا جائے تو یہ اس طرح صحیح ہوگا کہ زکوٰۃ مال کو پاک و صاف کر دیتی ہے غرباء کا حق جو اس کے ذمہ تھا اس کی ادائیگی کے بعد اب یہ صحیح معنوں میں اس کا مال بنا ہے۔

اصطلاحی مفہوم

مختلف مفکرین نے زکوٰۃ کی مختلف تشریحات اور تعریفیں کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہ: ”زکوٰۃ ایک حق ہے جو صاحب مال پر واجب ہوتا ہے“

امام احمد بن حنبل: ”زکوٰۃ خاص قسم کے مال پر خاص قسم کے انسانوں کا حق ہے جو معینہ وقت گزر جانے کے بعد واجب ہوتا ہے“

امام راغب اصفہانی: ”وہ حصہ جو مال سے حق الہی کے طور پر نکال کر دیا جاتا ہے“

اہم نکات: زکوٰۃ کے معاملہ میں چند اہم نکات ہیں جن کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے

۱۔ زکوٰۃ ایک فریضہ ہے۔

۲۔ ایک خاص قسم کے افراد پر ہے۔

۳۔ ایک خاص قسم کے مال پر ہے۔

۴۔ ایک خاص قسم کے افراد کے لیے ہے۔

۵۔ ایک خاص شرح کے ساتھ ہے۔

۱۔ ایک خاص مدت کے ساتھ ہے۔

۱۔ زکوٰۃ ایک فریضہ ہے

اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے اور یہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

﴿وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ

اللَّهِ...﴾ (۱۱۰:۲) ”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے

اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے“ ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ

(۹:۵۱) ”اور ان کے اموال میں سائل اور محروم نادار کے لیے حق تھا“ ﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ

وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ...﴾ (۴۱:۹) ”اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو“

۲۔ ایک خاص قسم کے افراد پر ہے

زکوٰۃ ہر انسان پر لازم نہیں کی گئی بلکہ یہ صرف صاحب نصاب افراد پر مقرر کی گئی ہے۔ نقد رقم اور

سونا چاندی کے علاوہ جانوروں میں بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔

۳۔ ایک خاص قسم کے مال پر

سونا اور چاندی خواہ کسی حالت میں ہوں زیورات ہوں یا برتن، اشرفیوں کی شکل میں یا ڈلی کی

شکل میں ہوں ان پر ہر حال میں زکوٰۃ واجب ہوگی اگر یہ تجارت کے لیے ہوں تو ان پر بالاتفاق

زکوٰۃ واجب ہے لیکن اگر گھر میں عورتوں کی زیب و زینت کے لیے ہی استعمال ہو رہے ہوں تو شوائف

اور حنابلہ اس پر زکوٰۃ کے قائل نہیں لیکن حنفیوں کا یہی مسلک ہے کہ اس صورت میں بھی اس پر زکوٰۃ ہو

کی اور یہی مسلک زیادہ قوی دلائل رکھتا ہے حتیٰ کہ بعض شواہد اور حنا بلہ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا جانوروں کی زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ وہ سب سال سے کم نہ ہوں اگر سب کے سب سال سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اگر ان میں سے ایک بھی سال بھر کا ہو یا اس سے زائد تو سب پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ سامان پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ گھر کی ضروریات یا استعمال کے لیے نہ ہو تجارت کے لیے ہو۔ عصری تقاضوں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱۔ خاص قسم کے افراد کے لیے ہے

قرآن نے زکوٰۃ کے آٹھ قسم کے مصارف بیان کئے ہیں۔

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ وَ الْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُوءَ لَفَةً قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَرْمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ ابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (۶۰:۹) ”یہ صدقات تو دراصل فقیروں، مسکینوں اور ان کے لیے جو صدقات کے کام پر نامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور مقرر خنداروں کی مدد کرنے میں اور راہ الہی میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کیلئے ایک فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور وہی علیم و حکیم ذات ہے“

اس آیت میں حسب ذیل آٹھ مصارف بیان کئے ہیں جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے:-

۱۔ فقراء۔ ۲۔ مساکین۔ ۳۔ عاملین۔ ۴۔ مولفۃ القلوب۔ ۵۔ فی الرقاب۔ ۶۔ غارمین۔ ۷۔ فی سبیل اللہ۔ ۸۔ ابن السبیل۔ (نوٹ) ان مصارف پر ایک علمی مسودہ زیر تسوید ہے۔

۵۔ ایک خاص شرح کے ساتھ ہے: سونے اور چاندی میں چالیسواں حصہ یا اڑھائی فی صد زکوٰۃ کی مد جو مقرر کی گئی ہے اسی طرح نقد رقم میں بھی چالیسواں حصہ ہے مال تجارت میں بھی قیمت کا چالیسواں حصہ ہے البتہ جانوروں میں زکوٰۃ کی شرح مختلف ہے۔ اس مد میں حالات کے مطابق حکم و اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل آگے دیکھئے۔

۶۔ ایک خاص مدت کے ساتھ ہے

زکوٰۃ میں ایک خاص مدت یعنی ایک سال کا بھی اعتبار کیا گیا ہے زکوٰۃ انسان کے صاحب نصاب ہوتے ہی اس پر واجب نہیں ہو جاتی بلکہ مال پر ایک سال گزرنے پر واجب الادا ہوتی ہے سال کے شروع اور آخر میں انسان صاحب نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ درمیان میں اس کا مال کم ہو گیا ہو لیکن اگر درمیان میں مال کسی موقع پر بالکل ختم ہو گیا ہو تو دوبارہ جب صاحب نصاب ہو تو اس وقت سے سال کا حساب کیا جائے گا۔

لیکن عصر حاضر میں جدید معاشی کاروبار کے لیے اس مدت میں بھی حکم و اضافہ کیا جاسکتا ہے جیسے:۔
 ”قرون اولیٰ سے اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اڑھائی فیصدی زکوٰۃ مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضہ بیس فیصد ہے تو یہی بیس فیصدی شرح قرار پائے گی“ (۲)

عن علی عن النبی ﷺ ، قال اذا كانت لك مائتا درهم و حال عليها لحول ففيها خمسة درهم و ليس عليك شيء في الذهب حتى يكون لك عشرون ديناراً فاذا كانت لك عشرون ديناراً و حال عليها الحول فيها نصف دينار.

(رواہ ابوداؤد) ”علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، جب تیرے پاس دو سو درہم چاندی ہو اور اس چاندی میں جب ایک سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اس طرح اگر تیرے پاس بیس دینار سونا ہو اور اس سونے پر جب ایک سال گزر جائے تو اس سونے میں سے نصف دینار زکوٰۃ ادا کریں“

عہد نبوت میں اسی نصاب پر تو اتر کے ساتھ عمل ہوتا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور نبوی ﷺ میں جس مالیت پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس مالیت کی مقدار دو سو درہم چاندی تھی چونکہ اس دور میں دو سو درہم چاندی کے عوض بیس مثقال (یا دینار) سونا مل جاتا تھا یا بیس دینار کے عوض دو سو درہم چاندی حاصل ہو جاتی تھی، اس لیے مالی حیثیت کے لحاظ سے محمد ﷺ نے فرمایا اگر کسی کے پاس دو سو درہم چاندی بیس دینار سونا ہو تو ان دونوں مقداروں پر زکوٰۃ فرض ہے یا اس طرح سمجھئے کہ دور نبوی میں جو سکہ مروج تھا وہ دو قسم پر تھا ایک سکہ چاندی کا اور دوسرا سونے کا سونے کے سکہ کا نام دینار تھا اور

چاندی کے سکے کا نام درہم تھا قیمت کے لحاظ سے ایک دینار دس درہم کے برابر تھا، یاد دہم ایک دینار کے برابر تھے اسی تناسب سے بیچ و شراء کا کاروبار چلتا تھا زکوٰۃ کی فرضیت چونکہ مالی حیثیت پر موقوف ہے، اس لیے دوسو درہم چاندی یا بیس دینار سونے کی مقدار پر زکوٰۃ فرض کر دی گئی تھی اب ہم خیر القرون میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی چند روایات نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک چاندی اور سونے کا نصاب قیمت کے لحاظ سے برابر تھا۔

۱۔ ہمارے دور میں سونے کے نصاب میں ساڑھے سات تولہ وزن کی شرط رکھی گئی یہ وزن اس گذشتہ دور کے مطابق تھا جب اس وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کے عوض ساڑھے سات تولہ سونا مل جاتا تھا ہمارے دور میں چونکہ ان دونوں وزنوں میں قیمت کے لحاظ کافی تفاوت پایا جاتا ہے اس لئے ہم ساڑھے سات تولہ سونے کی بجائے سونے کے اس وزن پر زکوٰۃ نکالیں گے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوگی جس طرح عہد نبوت میں چاندی کے وزن کے مطابق سونے کے وزن پر زکوٰۃ نکالی جاتی تھی۔

۲۔ عہد نبوت میں چونکہ تجارت کے مواقع میسر نہ تھے اس لئے اس دور میں دولت ایک جگہ جمع رہتی تھی اس وجہ سے اس مال پر ایک سال کی شرط لگادی گئی تھی ہمارے دور میں چونکہ دولت ہر وقت متحرک رہتی ہے ہم پلاٹ بیچ کر ایک گھنٹے کے بعد فیکٹری کا سودا کر لیتے ہیں۔ دوسرے دن اس فیکٹری کو بیچ کر ایک کوٹھی خرید لیتے ہیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد کوٹھی بیچ کر ہم زرعی زمین خرید لیتے ہیں۔ دولت کی اس گردش کی وجہ سے اب زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب ہی ہم دولت کو ایک گردش سے دوسری گردش میں تبدیل کریں۔ اس سے فوراً زکوٰۃ نکال دیں جس طرح آپ دولت کی ہر گردش سے کافی نفع کما رہے ہیں، مسکینوں کا بھی حق ہے کہ وہ بھی زکوٰۃ کے ذریعے اس نفع سے مستفید ہوتے رہیں۔

۳۔ زکوٰۃ دینے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ جس جس مال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہو، خود اپنے ہاتھ سے اس مال کی زکوٰۃ نکال کر مستحق غرباء میں تقسیم کر دے۔ سال کے بعد حکومت جو بینکوں سے زکوٰۃ نکال لیتی ہے پھر اوقاف کے مال کی طرح جہاں جہاں چاہے اسے تقسیم کر دیتی ہے۔ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی،

ضروری ہے کہ اس جمع شدہ رقم کی دوبارہ زکوٰۃ ادا کی جائے (۲)

”زکوٰۃ کے بارے میں زیادہ تر یہی مشہور ہے کہ سال گزرنے کے بعد جمع شدہ مال میں سے جو کچھ بیچ رہے اس کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحق غریبوں میں تقسیم کر دے اس میں ایک دو باتیں کمزور معلوم ہوتی ہیں قرآن میں زکوٰۃ کے بارے میں اس بات پر زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور عشر جو زکوٰۃ کا ایک اہم جزو ہے قرآن میں اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے و اتواحقہ یوم حصادہ۔

”جس دن تم اپنی پیداوار کو کاٹ کر زمین سے علیحدہ کرو اس سے اللہ کا مقرر شدہ حق فوراً ادا کر دو“

دیکھئے اس میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جس دن تم اپنی پیداوار کو کاٹ کر اپنے قبضے میں لے لو اسی دن اللہ کا مقرر شدہ حق بھی ادا کر دو اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ پہلے پیداوار کو اپنے گھر لے جاؤ پھر سال کے بعد تمہارے اخراجات سے جو کچھ بیچ رہے اس بقیہ مال سے عشر ادا کر نہیں بلکہ یہ فرمایا گیا کہ جس دن تم اپنے باغوں کا پھل اتارو یا جس دن کھیت کاٹ کر اس کی پیداوار اپنے قبضے میں لے لو اس دن اس کا عشر بھی ادا کر دو تا کہ جس طرح آج سے تم اس مال سے فائدہ اٹھانے کا آغاز کر رہے ہو اسی طرح غربا اور مساکین بھی اپنا حق وصول کر کے اپنی ضروریات پوری کر سکیں اگر عشر کی ادائیگی کو سال تک ملتوی کر دیتے ہو تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ پیداوار کا مالک تو اس آمد سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے اور جو مساکین اور غربا اس مال کے جتنے شرعی حصے میں اپنا حق رکھتے ہیں وہ بے چارے پورے ایک سال تک اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ ہمیں اس بچے ہوئے مال سے کچھ ملتا ہے یا نہیں“ (۳)

”اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عشر کی فرضیت کو پیداوار کی آمد پر فرض کیا گیا ہے اس پر سال گزرنے کی قطعاً مہلت نہیں دی گئی اسی طرح جس سرمائے کو ہم جس دن بھی حاصل کریں گے اس دن اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا فرض ہو جائیگی مثلاً ہم جب کوئی پلاٹ فروخت کرتے ہیں محنت اور ملازمت کے بعد جس دن ہم اپنی تنخواہ وصول کرتے ہیں یا تجارت کے ذریعے جس دن ہمیں کچھ وصول ہوتا ہے یا جس دن ہمیں دیا ہوا قرض واپس مل جاتا ہے ان تمام صورتوں میں جس دن بھی ہمارے پاس پیسہ آجائے گا اسی وقت پہلے ہم اس سرمائے کی زکوٰۃ نکالیں گے اس کے بعد اس بقیہ مال کو ہم اپنے مصارف میں کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے نصاب میں سرمائے کی کوئی تعداد معین نہیں ہے بلکہ جس سرمائے

سے اس کا گزارہ کشادہ صورت میں چل رہا ہے ایسے سرمائے کا مالک صاحب نصاب ہے“ (۴)

”اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عشر کی ادائیگی پیداوار کی آمد پر فرض کی گئی ہے زکوٰۃ اور عشر چونکہ دونوں ایک ہی حکم میں داخل ہیں اس لیے زکوٰۃ بھی سرمائے کی آمد پر فرض ہوگی نہ کہ سال کے بعد بچے ہوئے سرمائے پر فرض ہوگی۔ باقی رہا جس حدیث میں کہ سال گزرے پر مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کریں یہ حدیث سنداً و متناً اتنی کمزور ہے کہ اس سے قرآن کی منصوص تشریح معطل نہیں ہو سکتی۔ محققین علماء کی رائے ہے کہ آغاز میں جب چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی تھی اس وقت اس دور کے معاشی حالات کو مد نظر رکھ کر کیا گیا تھا اب جبکہ ہمارے زمانے میں غریب طبقہ بہت ہی تنگی کے ساتھ اپنا گزارہ کر رہا ہے اہل ثروت پر لازم ہے کہ غرباء کی اس گرتی ہوئی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے زکوٰۃ اور عشر کی شرح میں حسب احتیاج اضافہ کر دیں اس اضافے سے کتنے بے بس اور نادار انسانوں کی خوشیوں میں اضافہ ہو جائے گا عشر کی مقدار بارانی زمینوں پر دسواں حصہ مقرر ہے۔ جن زمینوں پر کاشت کے ذریعے کافی خرچہ آتا ہے اس کے لیے بیسواں حصہ مقرر ہے اہل غربت کی بے بسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں حصے کی بجائے دسواں حصہ کر دیں اور بارانی زمینوں پر پانچواں حصہ مقرر کر دیں۔ اس لیے کہ ہماری آمد کا سب سے زیادہ ذریعہ زرعی زمینوں پر موقوف ہے جس سے زمین دار طبقہ دن بدن زیادہ آمد کا استحصال کر رہا ہے باقی نقد پیسے کا حصول چونکہ محنت، ملازمت اور تجارت پر موقوف ہے اس میں انسانی محنت کا چونکہ زیادہ حصہ شامل ہے اس لیے زیادہ موزوں یہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے چالیسواں حصہ کو بیسویں میں تبدیل کر دیں اگرچہ اس میں ہم اپنی انفرادی رائے کا اظہار کر رہے ہیں اس لیے عصر حاضر کے محققین اہل علم اپنے علمی اجتہاد سے اس میں جو مناسب سمجھیں کمی بیشی کر سکتے ہیں ہمارا مقصد بھی یہی ہے کہ اس دور میں زکوٰۃ و عشر کی شرح میں تبدیلی بہت ہی ضروری ہے تاکہ غریب کے ڈتے ہوئے زخموں کا کچھ نہ کچھ مداوی ہوتا رہے“ (۵)

”مکتہ المکرمہ میں رابطہ العالم الاسلامی کے تحت جون ۱۹۷۸ء میں اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے کہ کیا زکوٰۃ کے متعلق رسول ﷺ کی متعین فرمودہ جزئیات میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں چند جمید علماء نے

لکھا ہے:۔ علی ان المقصود بالزکوٰۃ ان تسد حاجه المحتاجین وتفرح
الازمات فان لم تفرج الازمته فان وضع القدر المفروض لا يعفى من المسوليته
وعلى القادرین الا سهام و على الدولة ان تاخذ من القادرین لان رسول الله حذر
مقدار الزكاته بحاجته عصره ولم يحدد القرآن مقاریرها (باب الاجتهاد مفتوح ص ۶۶)

”زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ وہ حاجت مندوں کی ضروریات کو پورا کرے اور ان کی پریشانیوں کو دور کر
دے اگر موجودہ شرح سے حاجت مندوں کی پریشانیاں دور نہیں ہوتیں تو پھر اس شرح سے زکوٰۃ ادا
کرنے سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی زکوٰۃ کا انتظام کرنے والوں اور حکومت
کا فریضہ ہے کہ وہ صاحب نصاب انسانوں سے زیادہ شرح سے زکوٰۃ وصول کریں کیونکہ رسول اللہ
ﷺ نے جو شرح مقرر کی تھی وہ محمد ﷺ کے زمانے کی معاشی ضروریات کے مطابق تھی اور قرآن مجید
نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اس کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے“ (۶)

اس بحث کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

”۱۔ آغاز میں فرمودہ نبوی ﷺ کے تحت جو زکوٰۃ کی شرح متعین کی گئی تھی رابطہ عالم اسلامی کے
اجتماع میں علماء نے فیصلہ کیا تھا وہ اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق تھی اب موجودہ غرباء کی حالت
کے مطابق اس میں اضافہ ہو سکتا ہے اس میں سال کی شرط تھی اس دور کے مناسب تھی اب چونکہ ہماری
دولت ہر وقت گردش میں رہتی ہے اس لیے جب ہی پیسہ ہمارے ہاتھ آئے گا اسی وقت اس پر زکوٰۃ کی
ادائیگی فرض ہو جائے گی۔ اس دور میں سال کے بعد بچے ہوئے سرمائے کی شرط لازم نہیں ہے یعنی
زکوٰۃ آمد پر بچت پر نہیں ہے۔

۲۔ جس سرمائے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کی کوئی حد متعین نہیں ہو سکتی جس کا رو بار یا آمد کے بعد اس
کا گذارہ اچھا چل رہا ہے اس آمد پر زکوٰۃ فرض سمجھی جائے گی ہاں سونے چاندی کے نصاب میں صرف
چاندی کے نصاب کو ملحوظ رکھا جائے گا سونے کا علیحدہ کوئی نصاب نہیں ہے زیورات چونکہ ہر وقت گھر
میں جمع رہتے ہیں اس لیے ان کی زکوٰۃ سال کے بعد دینا ہوگی۔

۳۔ اس دور میں مناسب ہے کہ زکوٰۃ کے چالیسویں حصے کو نصف کر کے بیسواں حصہ مقرر کر دیں یعنی

ایک سو روپے میں سے پانچ روپے زکوٰۃ دینی بہت ہی موزوں ہے اس سے اہل ثروت کو بہت ہی ثواب ہوگا۔ اسی طرح عشر کی مقدار میں مناسب اضافہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ قربانی کا جانور خرید کر کے ذبح کے بعد تقسیم کرنا اگرچہ مسنون طریقہ ہے اس عمل سے خرچہ تو زیادہ آتا ہے لیکن غریبوں کو اس سے کم فائدہ حاصل ہوتا ہے حالانکہ قربانی کا واحد مقصد یہ ہے قرآن میں ہے واطعموا البائس الفقیر (۲۸:۲۲) ”قربانی کا گوشت مصیبت زدہ غریب کو کھلایا کرو“

دیکھئے! اس میں قربانی کی ادائیگی میں مصیبت زدہ غریبوں کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے لہذا اس وقت غربت کے مصائب چونکہ زیادہ بڑھ رہے ہیں اس لیے مناسب ہے جہاں اس کی زیادہ حاجت ہو وہاں بکرے لے کر ذبح نہ کریں بلکہ اس کی قیمت کسی مصیبت زدہ کے حوالے کر دیں۔

آپ نے دیکھا ہے کہ قربانی کے موقع پر بڑے بڑے شہروں میں پچاس پچاس ہزار کے بکرے خرید کر اہل ثروت قربانی کرتے ہیں آپ ذرا انصاف کے جھروکوں میں ذرا جھانک کر دیکھیں ذبح کرنے کے بعد ایسے قیمتی بکرے کی کھال اور معمولی پاؤ برابر گوشت کسی غریب کو نصیب ہوتا ہے۔

باقی بکرے کے ہزاروں روپے بکر منڈی کے ظالم تاجر کھا جاتے ہیں کیا اس سے بہتر نہیں ہے کہ پورے پچاس ہزار روپے کسی مصیبت زدہ غریب کے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ وہ اتنے پیسے سے اپنا کوئی معمولی کاروبار کر کے وہ اپنی پوری زندگی کو غربت کے آتشکدے سے بچا سکے (۷)

نظام ربوبیت کائنات کی ہر شے میں کچھ نہ کچھ مضمر صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں ان مضمر صلاحیتوں کا صحیح نشوونما پا کر اپنے منتہائے مقصود کو پہنچ جانا ربوبیت کہلاتا ہے رب سے مراد قانون ربوبیت جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے یہی وحدۃ الوجود ہے۔ جیسے

”نظام ربوبیت پرویز کی برگسانی روحانیت کا خارجی رخ ہے نظام ربوبیت کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ہرانا کو اپنے امکانات کے بلند ترین مقامات پر پہنچنے کی آسانیاں حاصل ہونی چاہئیں لیکن انا کی تکمیل میں مادی رکاوٹیں حائل ہیں بھوک، پیاس اور فلاس وغیرہ نظام ربوبیت ان مادی روکاوٹوں کو دور کرتا ہے ان مادی روکاوٹوں میں معاش کو بنیادی حیثیت حاصل ہے چنانچہ نظام ربوبیت اشتراکیت سے ملتا جلتا ایک نظام ہے جو اللہ کے اثبات پر قائم ہے اس کا نظام منتہائے کامل یہ ہے کہ فرد دنیاوی طور پر

آسودہ ہو اور پھر آلودگی کے شکر کے طور پر ”انائے مطلق“ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ جس نے تغیر کے قانون کو قائم کیا پھر اس کی شرع وحی کی صورت میں خود متعین کی یہ انسان کی تکمیل کا مقام ہے پرویز کے نزدیک صلوٰۃ اس کا ایک سہل ہے چنانچہ نظام ربوبیت کا نام نظام صلوٰۃ بھی ہے (۸)

”پرویز صاحب اور ان کے احباب علم کی فکری اساس اسی نکتہ پر مرکوز ہے کہ جب تک معاشرے میں ربوبیت عامہ کا نظام جاری نہ کیا جائے بعثت انبیاء اور قرآن کی تنزیل کا صحیح مقصد پورا نہیں ہو سکتا اس مقصد کی ترویج کے لیے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ اپنے پاس رکھتا ہو اپنی ضرورت کی تکمیل کے بعد باقی سب کچھ دوسروں پر تقسیم کر دے پرویز صاحب نے ”نظام ربوبیت“ میں اس مقصد کو بڑی بسط و فصاحت کے ساتھ پھیلا کر لکھا ہے لیکن ان کا یہ سارا نظریہ صرف تقسیم کی تشریح کرتا ہے لیکن وہ ہمیں یہ نہیں بتلاتا کہ حصول دولت کے لیے قرآن حکیم کن کن ذرائع کی اجازت دیتا ہے جن پر ہم عمل کر کے دولت کو اپنی تحویل میں لے لیں اس کے بعد اپنی ہر وافر شے کو دوسروں پر خرچ کرتے رہیں“ (۹)

”موجودہ دور میں جن ذرائع سے ہمارا معاشرہ دولت سمیٹ رہا ہے ان میں سے اکثر ذرائع ظلم پر مبنی ہیں جیسے سودی کاروبار، سنگنگ، رشوت، کاروبار میں دھوکہ، محنت کشوں کی حق تلفی، جوا، ڈاکہ زنی، ریزنی اور مزارات کی شریکہ نیازیں وغیرہ آپ انصاف کریں جب ہمارے معاشرے کی اکثریت دولت کو اس انداز سے جمع کر رہی ہو۔ جس سے دوسرے انسانوں کے حقوق کو بڑی بے دردی سے لوٹا جا رہا ہو اور پھر ایسے غاصب اور حرام خور معاشرے کو دعوت دینا کہ تم اپنی جمع شدہ دولت میں سے ہر وافر سرمایہ دوسروں پر خرچ کر دو یہ عجیب ربوبیت عامہ کی تعبیر ہے کہ حصول رزق کے لیے تو معاشرے کو کوئی تشریحی کلیہ نہ بتلایا جائے صرف تقسیم رزق کے لیے ربوبیت عامہ کے نظریے کو اتنی وسعت دی جائے گویا سارا قرآن ہی اس مقصد کے لیے نازل ہوا تھا“ (۱۰)

”قرآن میں سے جن قوموں کی طرف سابقہ انبیاء مبعوث ہوئے تھے وہ تو میں جس طرح اپنے عقائد میں توحید کی اقدار کو پامال کر رہی تھیں اسی طرح ان کے معاشی نظام میں ظلم اور حرام خوری کا زیادہ غالبہ تھا اہل کتاب کو دیکھ لیجئے قرآن میں ہے کہ یہ حرام خوری اور سودی کاروبار میں زیادہ مصروف تھے اہل عرب کا بھی یہ حال تھا کہ راہزنی کے ذریعے لوٹ مار کرتے تھے سودی کاروبار جو اورتوں کی

نیازات پر ان کی معاش موقوف تھی اس قسم کی قوموں کی طرف جو نبی بھی مبعوث ہوئے تھے وہ انہیں یہ نہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس جس قسم کا بھی مال جمع ہے اس حرام مال میں سے اپنی ضرورت کے لیے رکھ لو باقی سارا مال دوسروں میں تقسیم کر دو بلکہ توحید کی دعوت کے بعد وہ نبی ان کے ایسے کاروبار پر اچھی طرح سرزنش کرتے تھے“ (۱۱)

”شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے ان کی معاش زیادہ تر تجارت کے کاروبار پر موقوف تھی لیکن وہ اپنے تجارتی کاروبار میں ماپ تول کے ذریعے کمی کر کے بڑے ظالمانہ طریقہ سے اپنی قوم کو لوٹتے تھے شعیب علیہ السلام پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے تھے اس کے بعد انہیں فرماتے کہ تجارت کے ذریعے حصول دولت کا عادلانہ طریقہ یہ ہے کہ ماپ تول کے معاملے میں بالکل کمی نہ کی جائے بلکہ بیع و شراء میں اتنی احتیاط سے کام لیا جائے کہ کسی ایک شخص کے برابر بھی حق نہ مارا جائے لیکن وہ اکتنا زر کی ہوس میں اتنے حریص ہو چکے تھے کہ وہ اپنے اس رویے کو بالکل بدلنے پر تیار نہ تھے بلکہ بڑی ڈھٹائی کے بعد جواب دیتے اور ان نفع فی اموالنا ما نشاء“ شعیب علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں بلکہ تیرے کہنے پر ماپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں ہم تیری یہ بات بالکل نہ مانیں گے“ (۱۲)

”اس سے معلوم ہوا کہ جو معاشرہ حصول زر کے لیے ایسے ظالمانہ ہتھکنڈوں کے ساتھ رات دن عوام کا خون چاٹ رہا ہے ایسے معاشرے کو پہلے صحیح مال جمع کرنے کے لیے قرآنی اصول سمجھائے جائیں یا ایسے حرام خور معاشرے کو ترغیب دی جائے کہ تمہارے پاس جو کچھ جمع ہے اپنی اہم ضرورت کے بعد باقی اپنی ساری دولت کو دوسروں پر نچھاور دیکر وہی وجہ ہے کہ قرآن پہلے حصول زر کے غلط ہتھکنڈوں کی اصلاح کا حکم دیتا ہے اس کے بعد صرف پاکیزہ مال سے خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس مال میں دوسروں کے حقوق شامل ہو جائیں جب تک وہ حقوق ادا نہ کیے جائیں اس مال کے اصل وارث بھی اس میں تصرف نہیں کر سکتے میراث کی آیت میں ہے کہ جب تک اس مال سے قرض لینے والوں کا قرضہ نہ اتارا جائے اس سے اس میراث کے سارے وارث اس کے مالک نہیں بن سکتے آیت یہ ہے من بعد و صیة تو صون بہا و دین۔ مرنے والا اپنے مال میں جتنے حصے کی وصیت

کر جائے یا قرضہ چھوڑ جائے جب تک ان دونوں شتوں کو پہلے ادا نہ کر دیا جائے کوئی وارث اپنے حصے کا مالک نہیں بن سکتا“ (۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جس مال میں دوسروں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں وہ مال شرعاً کسی مصرف میں بھی استعمال نہیں ہو سکتا اب جو معاشرہ اتنے مظلوم انسانوں کے حقوق تلف کر کے رات دن اپنی دولت جمع کر رہا ہو ایسا معاشرہ جب غضب شدہ ایسے حرام مال کا خود صحیح مالک نہیں بن سکتا وہ ایسے مال سے قرآنی انفاق کے ذریعے دوسرے حاجت مندوں میں کیسے صرف کر سکتا ہے معاشرے کے اس معاشی بقاء کے لیے اصلاح کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ پہلے انہیں یہ سمجھایا جائے کہ رزق حلال حاصل کرنے کے لیے قرآن ہمیں کن کن ذرائع کی تعلیم دیتا ہے پھر اس مال کو حوائج انسانی پر خرچ کرنے کے لیے مصارف کی کس طرح تقسیم کرتا ہے“ (۱۴)

اس سے ثابت ہوا کہ پرویز کا تصور نظام ربوبیت لینن اور مارکس فلسفے کا چر بہ ہے جیسے ”پرویز نظام ربوبیت کے جس تعبیر کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتے ہیں اس نظریے کی ساخت میں اس کے نزدیک اللہ کا وہی تصور ہے جس تصور کو مارکس اور لینن سوشلزم کے فلسفے میں پیش کرتے ہیں لینن اللہ کے تصور کی اس طرح تشریح کرتا ہے۔ سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک خوف کی صورت پیدا کر دی ہے جس سے ایک حاکم اعلیٰ کے تخیل کی بنیاد پڑی اسے انسان نے اللہ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا سو جب تک انسانی ذہن سے اللہ کے اس تصور کو فنا نہ کر دیا جائے سرمایہ داری کی لعنت کسی طرح بھی ختم نہیں ہو سکتی“ (۱۵)

پرویز صاحب کے نزدیک نظام ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس میں ہر انسان کے لیے سامان زیست کی فراوانی ہو وہ زیست کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

”دنیا میں عزت کی زندگی جس میں سامان زیست کی فراوانی ہو اور اس کے لیے کسی بالا دست قوت کا خوف دامن گیر نہ ہو انسانیت کے لیے یہی شایان شان زندگی ہے بھوک اور خوف کی زندگی اللہ کا عذاب ہے“ (۱۶)

اسلام میں تو بالا دست قوت کا نام اللہ ہے۔ پرویز صاحب کے نزدیک چونکہ اللہ کا تصور خوف

سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کے نزدیک عزت کی زندگی وہ ہے جس میں سامان زیست کی فراوانی اور اس کے دل میں کسی ہستی کی بالادستی کا خوف بالکل موجود نہ ہو۔ یہی عصر حاضر کا تصور وحدۃ ادیان اور روشن خیالی ہے۔

عشر کی تعریف

”زکوٰۃ کے بعد عشر اس نظام کا دوسرا رکن ہے عشر سے مراد زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے عشر کا لفظی معنی ہے دسواں حصہ چونکہ اس کی شرح کل پیداوار کا قریباً دسواں حصہ ہوتی ہے اس لیے اسے عشر کہا جاتا ہے قرآن نے زکوٰۃ کی طرح عشر کو بھی لازم قرار دیا ہے ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ﴾ (يَوْمَ حَصَادِهِ) ﴿١٣١:٦﴾ ”ان کی پیداوار کھاؤ جبکہ یہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو“ بقول علاء الدین مسعودی الکاسانی۔ ”عشر کے لفظی معنی دسواں حصہ ۱۰/۱ ہیں کسی شے کے دسویں حصے کو عشر کہتے ہیں“ اصطلاح شریعت میں بارانی زمین کی پیداوار سے بطور اللہ کے حق کے وصول کیے جانے والے دسویں حصے اور مجازاً نہری اور چاہی زمین کی پیداوار سے بیسویں وصول کیے جانے والے حصے کو عشر کہتے ہیں اور اس کا ادا کرنا فرض ہے اس بات پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے“ (۱۷)

عشر زکوٰۃ اور آئمہ کرام:۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”وہ شرعی حق کیا ہے جس کے بارے میں مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ فصل کاٹنے ہی کے دن ادا کر دینے کا حکم دے رہا ہے؟ علامہ جصاص فرماتے ہیں:۔

ان المراد بقوله و اتوا حقه يوم حصاده هو العشر (۱۸)

”اللہ تعالیٰ کے قول و اتوا حقه يوم حصاده میں حق سے مراد عشر ہے“

جصاص کے علاوہ اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کو زرعی پیداوار کی زکوٰۃ عشر کے معنی میں لیا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:۔

فوجب ان يكون المراد بهذا الحق حق الزکوٰۃ (۱۹)

لہذا ثابت ہوا کہ اس آیت میں و اتوا حق يوم حصاده میں حق سے مراد زرعی پیداوار ہے۔

زکوٰۃ عشر کا حق ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالے سے انس بن مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ واتوا حقه يوم حصاده میں حق سے زرعی پیداوار کی زکوٰۃ عشر مراد ہے جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے۔ (۲۰)
علامہ قرطبی فرماتے ہیں:-

آپ نے انس بن مالک، ابن عباس، حسن بصری، ابن زید، محمد بن حنفیہ، ضحاک، اور سعید بن مسیب کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ مراد عشر پیداوار کا دسواں حصہ یا نصف عشر پیداوار کا بیسواں حصہ ہے اور اس کا ادا کرنا ہر صاحب نصاب پر اسی طرح فرض ہے جس طرح زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ (۲۱)
صاحب استطاعت مسلمانوں پر جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی۔۔۔ واجب ہے اسی طرح ہر عشری زمین کی بقدر نصاب پیداوار سے عشر ادا کرنا واجب ہے اور عشر فصل کٹتے ہی واجب ہو جاتا ہے جو کاشت کار اسے ادا نہ کرے وہ سخت گنہگار ہوتا ہے اور اس کی ساری پیداوار اس وقت تک ناپاک رہتی ہے جب تک اس کا عشر ادا نہ کیا جائے

زکوٰۃ اور عشر میں فرق

عشر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کا نام ہے لیکن اس کے باوجود زکوٰۃ اور عشر میں کچھ فرق موجود ہے زکوٰۃ کی تفصیلات کے بیان میں ہم نے چھ اہم نکات کا بیان کیا تھا انہی نکات کی روشنی میں ہم عشر کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ عشر بھی زکوٰۃ کی طرح ایک فریضہ ہے فرض ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

۲۔ عشر کے خاص قسم کے افراد زکوٰۃ کے خاص قسم کے افراد سے مختلف ہوں گے زکوٰۃ صاحب نصاب افراد پر لازم ہے جبکہ عشر میں امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق کوئی نصاب نہیں ہے پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر بہر حال عشر ہوگا البتہ امام ابو یوسف اور امام شافعی عشری زمین کی پیداوار میں پانچ وسق (تقریباً ۹۳۸ کلوگرام) کو نصاب مقرر کرتے ہیں۔

۳۔ زکوٰۃ اور عشر کا خاص قسم کا مال بھی مختلف ہوگا عشر ایسی پیداوار سے ہوگا جو کھیتی میں مقصود بالذات ہو

اور زمین کے محصول پر اس کا اثر پڑتا ہوا البتہ جو پیداوار مقصود بالذات نہ ہو بلکہ کھیتی کے ساتھ ویسی ہی پیدا ہو جاتی ہو اور نہ اس کے لیے آبپاشی کی ضرورت ہو نہ اس سے زمین کے محصول پر اثر پڑتا ہو اس قسم کی پیداوار عشر سے مستثنیٰ ہوگی علاوہ ازیں عشری زمین میں اگر شہد ہو تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا البتہ شواہح شہد پر عشر کے قائل نہیں۔

۴۔ زکوٰۃ اور عشر کی شرح میں بھی اختلاف ہے زکوٰۃ کی شرح نقدی وغیرہ میں چالیسواں حصہ ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جانوروں میں بھی مختلف شرح کے ساتھ زکوٰۃ ہوتی ہے لیکن عشر کی شرح بارانی زمینوں میں دسواں حصہ یعنی دس فیصد اور نہری زمینوں میں بیسواں حصہ یعنی پانچ فیصد ہے۔

۵۔ مصارف کی مد میں زکوٰۃ اور عشر برابر ہیں جو مصارف زکوٰۃ کے ہیں وہی مصارف عشر کے بھی ہیں۔ جدید حالات و ضروریات کے مطابق اس مد میں بھی حک و اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ زکوٰۃ میں ایک سال کی مدت کا تعین ہے لیکن عشر میں ایسا نہیں ہے بلکہ جو نہی فصل پک کر تیار ہو جائے اس پر عشر واجب ہوگا اگر ایک سال میں ایک سے زیادہ دفعہ ایک ہی زمین میں فصل تیار ہوتی ہے تو ایک سے زیادہ دفعہ بھی عشر واجب ہوگا۔ عصر حاضر میں عشر کی طرح کاروباری مال پر زکوٰۃ فوری فرض ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ و عشر اور قرآن

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ. أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ. لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطًا مَّا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ. إِنَّا لَمَغْرُمُونَ. بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ. أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ. أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ﴾ (۵۶: ۶۳-۷۰)

”اچھا یہ تو بتاؤ کہ جو کچھ تم بولتے ہو سے تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کر کے تباہ کر دیں پھر تم حیرت زدہ ہو کر کہنے لگو گے کہ ہم پر تو ان پڑ گیا ہم تو بالکل ہی محروم ہو گئے اچھا پھر تم یہ بتاؤ کہ جس پانی سے تم اپنے کھیتوں میں آب پاشی کرتے ہو اسے بادل سے تم برساتے ہو یا اس کے برسانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کر ڈالیں تو تم شکر کیوں نہیں کرتے“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ. وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. وَاتَّكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (۳۲:۱۳-۳۳)

”وہ اللہ ہی جس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا اور آسمانوں سے بارش نازل کی پھر اس پانی سے مختلف پھل بطور رزق کے پیدا کیے اور تمہارے نفع کے لیے اپنی قدرت کاملہ سے کشتی کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے نفع کے لیے دریاؤں اور نہروں کا جال پھیلا دیا اور تمہارے نفع کے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو ہمیشہ سے یہ کام سرانجام دے رہے ہیں اور تمہارے نفع کے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا اور میرے بندو! تمہیں ہر وہ شے دی جو تم نے مانگی اور تمہیں اتنی نعمتیں دیں کہ اگر تم انہیں شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے مگر انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکر ہے“

”اچھا یہ بتاؤ کہ یہ زمین کس کی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس کا خالق و مالک نہیں ہے؟ بارش کون برساتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نہیں برساتا؟ تمہارے کھیتوں میں اگنے والی فصل کو حرارت اور مٹھاس بخشنے کے لیے کیا سورج اور چاند اپنا فرض انجام نہیں دیتے؟ کیا ہوا میں چل کر اگنے والے پودوں کو قوت فراہم نہیں کرتیں؟ جن نہروں سے تم اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہو ان میں پانی کون پہنچاتا ہے؟

پھر جب گندم کا پودا تن کر کھڑا ہو جاتا ہے اس کے خوشوں میں گندم کے دانے گھونگھٹ ہٹا ہٹا کر جھانکنے لگتے ہیں تو تم کھیت کے منڈیر پر بیٹھ کر اپنی لہلہاتی ہوئی فصل کو دیکھتے ہو تمہارا سینہ خوشی سے پھول جاتا ہے تم نے مٹی پر اپنا پسینہ گرایا تھا آسمان وزمین کے خالق و مالک نے تمہاری محنت کو قبول کیا اور آج تمہیں اپنی محنت کا پھل نظر آ رہا ہے۔

شام کا جھپٹنا وقت شروع ہوا آفتاب عالمتاب نے اپنی سنہری قبالتاری اور رات کی اوٹ میں اپنا چہرہ چھپا لیا دن بھر کا تھکا ماندہ کسان امیدوں کے بے شمار چراغ اپنی تنومند چھاتی میں جلانے گھر لوٹ آیا اب اگر رات میں آندھی آجائے، اولے برس پڑیں، ٹڈیوں کے دل آکر فصل کا صفایا کر دیں تو کسان کیا کر سکتا ہے؟ سوچو اگر تم صبح کو آؤ اور کھڑی فصل کو چورا چورا دیکھو تو تمہارا کیا حال ہوگا

حالانکہ اس فصل کے اگانے میں تمہارا کوئی عمل و دخل نہیں ہے کہ تم نے ٹریکٹر چلا کر اللہ کی زمین کو نرم کیا تھا اسی کی عطا کردہ چند اشیاء کو کھا دینا کر کھیت میں ڈال دیا تھا اس کے بخشے ہوئے ”دانہ گندم“ کو بطور بیج کے زمین کی چھاتی میں چھپا دیا تھا یا تو جھومتے بادل آئے اور سیراب کر گئے یا اسی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دریاؤں سے نہریں کاٹ کر تم اپنے کھیت میں لائے اور کھیت کو پہنچ لیا تھا مگر غور کرو کہ تم کتنے دکھی ہو گئے تمہارے خواب بکھر گئے تمہاری امیدوں کے چراغ بجھ گئے اب کی فصل میں تمہاری کنواری بیٹی کے ہاتھ پیلے نہیں ہوں گے لگان اور مال گزاری کہاں سے ادا کرو گے؟ کھاد ٹریکٹر اور نہری پانی کے واجبات کیسے دو گے؟ خیالات و عزائم کے جو محل تم نے تیار کیے تھے صرف رات بھر میں دھڑام سے زمین پر گر پڑے حالانکہ فصل کے تیار کرنے میں تمہارا جو حصہ ہے وہ صرف۔۔۔۔۔ ”پینے کے چند قطرے اور اعضاء کی تھوڑی بہت محنت“ زمین اللہ تعالیٰ کی، پانی اللہ کا، قوت نمو اللہ کی، حرارت و حیات اللہ کے بنائے سورج سے رس اور مٹھاس کے سجائے ہوئے چاند کی وجہ سے ہوائیں اللہ کی، سب کچھ تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تمہارا کیا ہے؟ تم کتنے کبیدہ خاطر غمزہ اور رنجور ہواتے غمزہ کہ تمہیں کوئی تسلی بھی نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور فصل پک کر تیار ہو جائے کٹائی اور گہائی کے سارے مرحلے بحسن و خوبی طے ہو جائیں گندم کی برداشت بھی مکمل ہو جائے فصل بخیر و عافیت اٹھ کر تمہاری کوشیوں اور گوداموں میں آجائے دام بھی کھرے ہو جائیں، واجبات بھی ادا ہو جائیں تو تمہارا سر فخر سے بلند ہو جائے گا تمہاری جیبیں گرم ہوں گی اور تم کبھی اپنے کیے ہوئے بازوؤں کو دیکھو گے کبھی کھاد کی تعریف کرو گے کیڑے مار دو اوں کا قصیدہ پڑھو گے اور اسے بھول جاؤ گے جس کی نظر کرم اور نگاہ التفات نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے“ (سید تین باٹی)

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَ نَابِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَوسًا. قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَى شَاكِلِيهِ فَرُبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا﴾ (۸۳: ۱۷)

”جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی کزوت میری طرف سے پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہو جاتا ہے محمد ﷺ فرمادیتے تھے کہ ہر انسان اپنے اپنے طرف اور طریقے کے مطابق ہی کام کرتا ہے تمہارا رب ہی جانتا ہے کون صحیح راستے پر ہے“

”مفسرین نے لکھا ہے کہ اس مقام پر نعمت سے مراد صحت، عافیت، مال و اولاد وغیرہ ہیں جب یہ نعمتیں انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں انہیں اپنی قوت و محنت و جدوجہد کا ثمرہ سمجھتا ہے اور جب یہ نعمتیں چھن جاتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے لگتا ہے یہ انسان کی کم نگاہی اور کوتاہ بینی ہے“

مومن کا نقطہ نظر

حقیقی مومن کا ان معاملات میں نقطہ نظر یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر انعام کو منعم حقیقی کی عطا اور بخشش تصور کرے، کوشش کرے، محنت کرے، اسباب اختیار کرے، ہر نعمت کو حاصل کرنے کے لیے جو ذرائع اور وسائل اختیار کیے جاتے ہیں ایک ایک ذریعہ اور ایک ایک وسیلہ کو اختیار کرے لیکن یقین رکھے کہ سب اللہ ہی کی عطاء اسی کے حکم و مرضی سے ہوگا کوشش ہم صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ اس کا فرمان ہے لیس الانسان الاماسعی انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی کی وہ کوشش کرے گا“

مومن کو تو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے:-

کیا فائدہ فکر و بیش و کم سے ہوگا

جو کچھ ہو اوہ کرم سے تیرے

ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا

جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

ومن و کافر و منافق کے نقطہ نظر میں یہی فرق ہے کہ مومن ہر نعمت و نعمت اور کامیابی و ناکامی کو اللہ کی طرف سے جانتا ہے اور کافر و منافق انہیں اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (میدتین ہاشمی)

اسلام کا تصور ملکیت

اس دنیا میں ہمارا کچھ نہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مکان کے مالک ہم ہیں یا یہ کھیت میرا ہے، یہ باغ میرا ہے، یہ سواری میری ہے، تو دراصل گفتگو از روئے شریعت مجازی گفتگو مانی جائے گی۔

”اصل مالک تو اللہ ہی ہے ہم اس پر اس کے حکم کے قابض ہیں اور اسی کے حکم کے مطابق تصرف کرنے کے مجاز ہیں زمین کے حقیقی مالک نے اپنے کرم اور بندہ پروری سے ہمیں زمین کا ایک ٹکڑا دیا ہے کہ اس میں ہل چلاؤ، اسکی سچائی کرو، اور اس میں بیج ڈال دینے کے بعد چند لمحوں کے لیے

اپنے حول و قوت سے نکل کر ذرا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا اور سچے دل سے مالکِ حقیقی کو پکار کر کہنا کہ
 الہی! جو میرا کام اور تیرا حکم تھا وہ میں نے کر دیا اب فصل اگانا، اسے شادابی بخشنا، اس کی حفاظت کرنا،
 ناگہانی آفتوں سے بچانا، یہ سب تیرا کام ہے تو اپنے اس کمزور اور محتاج بندے اس کے بچوں اور اس
 کے ڈھور ڈنگروں پر نگاہ کر م فرما اور اس کی گتھیوں کو سلجھا دے“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ تمہارا کفیل ہو گا اور وہ اپنے فضل و عنایت کے خزانے تمہارے اوپر کھول
 دے گا اب جب فصل کٹ کر تمہارے گھر میں آگئی اناج سے تمہاری کوٹھیاں بھر گئیں تو تمہیں سمجھنا
 چاہئے کہ تم اناج کے ان دانوں کے حقیقی مالک نہیں ہو بلکہ ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے تم اس کی ملکیت
 کے امین اور اس کے خزانے کے خزانچی ہو اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس کے بخشے ہوئے خزانے کو اس
 کے حکم کے مطابق خرچ کرو بالکل اسی طرح جس طرح بینک کا کیشیر بینک کے منیجر اور مالک کے حکم
 کے مطابق چیک کی رقم ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے لیکن وہ عادل اور قادر مطلق بھی ہے اگر وہ چاہتا تو یہ بھی حکم دے دیتا
 کہ سارا نغل میرے راستے میں لٹا دو اور خود خالی ہاتھ گھر چلے جاؤ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی عطاء
 تمہارے ہی قبضے میں رہنے دی صرف اتنا حکم دیا۔

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا نُكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرِّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (۱۳۱:۶)

وہی اللہ ہے جس نے چھتریوں پر چڑھے اور بغیر چڑھائے ہوئے باغات تخلیق کیے جن میں کھجور کے
 درخت اور کھیتی کہ ان کے کھانے کی اشیاء مختلف ہوتی ہیں اسی طرح زیتون، انار ایک دوسرے کے
 مشابہ اور غیر مشابہ بھی ہیں لہذا تم ان کے پھلوں اور پیداوار میں سے کھاؤ اور ان کا شرعی حق اس کے
 کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں
 کرتا“ مذکورہ بالا آیت کے علاوہ سورہ بقرہ میں بھی ایک آیت ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
 زرعی پیداوار کا ایک مقرر حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ضروری ہے اور خرچ کرتے وقت

شیطان کے کسی بہکاوے میں نہیں آنا چاہیے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ. الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲: ۲۶۷)

”اے ایمان والوں! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ اشیاء اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں اور اللہ کے راستے میں خراب شے کے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو کیونکہ تم خود اسے لینا پسند نہیں کرتے صرف اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، جان لو کہ اللہ بے نیاز اور لائق حمد ہے شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا، فحش باتوں اور بخل کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت اور علم والا ہے“

اگر کوئی انسان کافی غور و خوض سے ان آیات کو پڑھے پھر اس میں چھپی ہوئی حکمتوں کو خلوص دل سے تلاش کرے تو اسے درج ذیل باتیں سمجھ میں آئیں گی۔

۱۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتیں مال و متاع اس لیے نہیں ہیں کہ انسان انہیں تجوریوں میں بھر کر بیٹھا رہے بندگان الہی اس کی بلا سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہوتے ہیں تو بھوتے رہیں بلکہ یہ ایک اسلامی اور انسانی فریضہ ہے کہ مومن کے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں محض اس منعم حقیقی کی رضا جوئی کی خاطر صرف کرے اور جو انسان محروم ہیں ان کی کفالت میں ہاتھ بٹائے۔

۲۔ دوسری یہ کہ بندہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے یہ بندے کا اپنا مال نہیں ہے بلکہ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے اصل میں مال تو اللہ ہی کا ہے بندہ اطاعت حکم الہی میں وہ مال (ایک مقررہ مقدار میں) ان انسانوں کو دے رہا ہے جن کو دینے کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ مال دیتے وقت بندے کو چاہیے کہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ پوچھے کہ آیا یہی مال اگر تجھے ملتا تو، تو اسے قبول کرتا یعنی اللہ کی راہ میں عمدہ پاکیزہ اور طیب مال خرچ کرنا چاہیے۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ زمین سے جو پیداوار بندے کو میسر آتی ہے یہ دراصل اللہ ہی نے نکالی ہے اس لیے

اس سے اللہ کا حق وابستہ ہو چکا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں کوتاہی برتے گا تو اس کے نتائج نہایت سنگین ہوں گے مثلاً اولے پڑ جائیں گے، سیلاب آجائے گا یا مقدمہ بازی شروع ہو جائے گی اور انواع و اقسام کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ اللہ کا حق بندے سے خود اس کا حق بھی چھین کر لے جائے گا لہذا جس طرح بیج ڈالنے کے بعد بیج پانی ضروری ہے کھاؤ ڈالنا ضروری ہے، کھڑے مار دو اؤں کا استعمال ضروری ہے اور مستقل نگرانی لازمی ہے تاکہ فصل برباد نہ ہو اور کسان کو اس محنت کا اچھا پھل ملے اسی طرح اللہ کا حق ”عشر“ بھی ادا کرنا ضروری ہے تاکہ کسان کی فصل ہر قسم کی آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں بھی ہر قسم کی آسانی مہیا کی ہے تاکہ انسان کو بار بھی معلوم نہ ہو اور اس کی فصل بھی پاک، صاف اور محفوظ ہو جائے۔

۵۔ پانچویں بات کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے یعنی جب انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی پاکیزہ کمائی اور اپنی زرعی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ (عشر یا نصف عشر) اللہ کی راہ میں نکال دے تو اس وقت شیطان اس کے کان میں سرگوشی شروع کر دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو ورنہ تمہارا مال اور تمہارا غلہ کم ہو جائے گا پتہ نہیں اگلے سال فصل ایسی ہوگی یا نہیں؟ پتہ نہیں جو منافع کاروبار میں امسال ہوا ہے آئندہ سال بھی ہوگا یا نہیں؟ یہ رقم تم دوسروں کو کیوں دیتے ہو؟ اپنے پاس رکھو اپنے مال کو بڑھاؤ اور پونجی کو بڑھاؤ اور اپنی کمائی ہوئی دولت اور دانے دوسروں کے حوالے کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان آیات میں شیطان کے ان نفسیاتی حملوں کا ذکر فرما کر ان کا جواب دے رہا ہے کہ شیطان تمہیں محتاجی سے ڈرا کر بخل کا سبق پڑھاتا ہے اور میں تم سے دو باتوں کا وعدہ کرتا ہوں ایک مغفرت کا اور دوسرے فضل کا۔ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور فضل کا تعلق دنیا سے یعنی میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم میرا حکم مانو گے اور میرے حکم کے مطابق اپنی پاکیزہ کمائی سے میرا عائد کیا ہو فرض زکوٰۃ اور عشر کی صورت میں پورا کر دو گے تو میں تمہارے بے شمار گناہوں کو بخش دوں گا تم اللہ تعالیٰ کی بخشش کا معاملہ کل حشر کے میدان میں دیکھو گے جن بال بچوں اور غربا اور اقرباء کے لیے تم دولت جمع کر کے رکھنا چاہتے ہو اور میرے نام پر خرچ کرنے سے کتراتے ہو ان میں سے کوئی فرد قبر میں تمہارے ساتھ نہ جائے گا۔ حشر میں تمہارے کام نہ آئے گا یہ سب انسان حشر کے میدان میں تمہیں دیکھ کر بھاگیں

گے اور تمہیں پہچاننے سے انکار کر دیں گے ایسے وقت میں ڈھائی فیصد رقم جو تم نے میرے نام پر دنیا میں بصورت زکوٰۃ اور دس فیصد اور پانچ فیصد غلہ بصورت عشر دیا تھا وہاں کام آئے گا میری رحمت تمہاری دستگیری کرے گی اور میری مغفرت کے دامن میں تمہیں پناہ ملے گی۔ یہ معاملہ تو آخرت سے تعلق رکھتا ہے جہاں سے کسی کو مفر نہیں امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گداکسان ہو یا جاگیردار، تاجر ہو یا مزدور سب کا آخری ٹھکانا ہی قبر ہے جہاں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔

تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا شمعیں بھی جلا لوجا لا نہیں ہوتا

دنیا کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اس آیت میں ایک وعدہ فرما رہے ہیں اور وہ وعدہ ”فضل“ کا ہے فضل بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے تاہم قرآن کریم میں اکثر مقامات پر روزی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (۶۲: ۱۰)

”پس جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرو“

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (۷۳: ۲۰)

”اور بعض انسان دوسرے ملک میں سفر کر کے اللہ کا فضل تلاش کریں گے“

ان تمام آیات میں فضل روزی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یہ بات زیادہ واضح انداز میں اگلی آیت

میں بیان ہوئی ہے۔ ﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُنْفِسْكُمْ وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ

وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظَلْمُونَ﴾ (۲: ۲۷۲)

”جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے اپنے لیے خرچ کرتے ہو اور جو اللہ کی رضا جوئی کی خاطر کرتے ہو۔ یا

درکھو کہ تم اپنے مال میں سے جو میرا ہی بخشا ہوا ہے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو وہ سب تم کو پورا پورا لوٹا

دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہیں کی جائے گی“

یعنی اگر تم نے میرے حکم کے مطابق میری رضا جوئی کی خاطر اپنا مال خرچ کیا تو اس سے مجھے تو

کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اس کا فائدہ تمہیں ملے گا کیونکہ میرے راستے میں مال خرچ کرنا ایک قسم کی

سرمایہ کاری (Investment) ہے ایک لگاؤ کے ساتھ سو پاؤ گے اور یہ بھی آخری نہیں اس سے بھی

زیادہ ہو سکتا ہے پھر میں جو تمہارا خالق و مالک اور رازق العباد ہوں تم سے یہ وعدہ کرتا اور ضمانت دیتا ہوں کہ تمہیں تمہارا مال پورا لوادوں گا اور تم پر معمولی سا بھی ظلم نہیں ہونے دوں گا یہ آیت ایک مومن کے لیے لمحہ فکر یہ مہیا کرتی ہے کہ سٹیٹ کی طرف سے دس روپے کے نوٹ پر مرقوم ہے:-

بینک دولت پاکستان

دس روپیہ

حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کریگا

گورنر

بینک دولت پاکستان

ایک لمحے کے لیے ہمارے ذہن میں شک کا ایک شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا کہ پتہ نہیں ”بینک دولت پاکستان“ مطالبہ پر دس روپیہ ہمیں ادا کرے گا بھی یا نہیں؟ کیوں؟ اس لیے کہ دس روپیہ کا نوٹ حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا ہے۔ تو کیا ملکوت السموات والارض کے مطلق العنان فرماں روا اور خاتون ملک اللہ کی ضمانت اور وعدہ حکومت پاکستان کے وعدے اور ضمانت سے بھی کمزور ہے کہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر تم زکوٰۃ و عشر ادا کرنے سے گریز کرتے ہو؟

پاکستانی کرنسی کی قیمت میں کمی

”ڈالر کے مقابلے میں پاکستانی روپے کی قیمت ایک بار پھر کم کر دی گئی سٹیٹ بینک کی طرف

سے کی گئی ”ری بڑھٹمنٹ“ کے نتیجے میں ڈالر روپے کے مقابلے میں چھ پیسے مہنگا ہو گیا۔

۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء کے بعد کرنسی کی قیمت میں پانچویں بار کمی ہوئی ہے گزشتہ ماہ کی ۲۸ تاریخ کو

کرنسی کی قیمت سات پیسے کم ہو گئی تھی جس تیزی سے ہماری کرنسی کی قیمت گرائی جا رہی ہے اس کی

اصل وجوہ کیا ہیں سٹیٹ بینک کے متعلقہ ماہرین بہتر جانتے ہوں گے لیکن باہمی النظر میں جو وجوہ ہیں

ان میں ہمارا ایکسپورٹ بیس نہ ہونا اور درآمدات زیادہ قابل توجہ ہیں جب تک پیداواری بنیاد مضبوط نہ

ہو اور غیر ملکی منڈیوں میں ہماری اشیاء کی خاطر خواہ برآمد نہ ہو یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا اور وہ

وقت زیادہ دور نہیں جب ہماری کرنسی کے بنیادی یونٹ یعنی روپے کی قیمت نہ ہونے کے برابر رہے

جائے گی حقیقت یہ ہے کہ جدید دور کی بیشتر اشیاء ایسی ہیں جو ہماری آبادی کے متوسط اور غریب طبقے کی خریداری کی استطاعت سے باہر ہو چکی ہیں اور ہر باب اختیار ہیں کہ مضحکہ خیز دعوے کرتے ہیں کبھی ایشیاء میں صنعتی لیڈر بننے کی بات ہوتی ہے کبھی خود کفالت کے عزم دہرائے جاتے ہیں اور غریب اور متوسط طبقے کی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے ہم آزادی کے پچاسویں سال بھی قیمتوں کی ڈھانچے میں استحکام نہیں لاسکے ادائیگیوں کے توازن، قرضوں پر سود کی واپسی، افراط زر اور دیگر معاشی عوامل پر کرنسی کی قیمت گھٹائے چلے جانے کا جو خوفناک اثر ہوگا اس کے ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی یہی عوام روپے کی قیمت میں ایک بار پھر کمی کا باعث بن سکتے ہیں“ (۲۲)

دولت اور وزن کے کم کرنے کا عذاب

”آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری معاشی ضرورت کی اشیاء روز بروز گراں ہوتی جا رہی ہیں حکومت کنٹرول کرنے کے کئی طریقے استعمال کرتی ہے لیکن گرانی کے دیوکوائس طرح پتھرے میں قید نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومتیں جلب زر کے لیے کرنسی اور دولت کے پیمانے کو گھٹاتی اور بڑھاتی رہتی ہیں۔ دوسرے کمزور ملک جو سرمایہ دار ملکوں سے قرض وصول کرتے ہیں وہ اس قرض پر کافی سود لگاتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ جب تک معاشی کاروبار میں وزن اور دولت کے پیمانوں کو عدل میں نہ رکھا جائے عوام رات دن گرانی کے عذاب میں پستے رہیں گے“ (۲۳)

﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ. أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ. وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقَدْرِ وَلَا تَخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (۵۵:۷-۹) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا اور دنیا میں میزان کے نظام کو اس لیے جاری کیا تاکہ ناپ تول کے معاملے میں زیادتی نہ کرو اس لیے تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وزن کے معیار کو عدل کے ساتھ قائم رکھو اور ناپ تول کے ذریعے حکم و اضافہ کر کے کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ“ اس کا خلاصہ اب چند مثالوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:-

”Depreciation“ کرنسی کے کم کرنے سے کس طرح دولت کے پیمانے کو کم کیا جا رہا ہے۔ فرض کرو کسی ملک میں سونے کو اس کی کرنسی کے عوض خرید و فروخت کیا جاتا ہے اس طرح آج کل ایک لاکھ گرام سونے کو ایک لاکھ کی کرنسی سے فروخت کیا جاتا ہے یعنی ایک کرنسی اس وقت ایک گرام سونے کی

نمائندگی کر رہی ہے گویا ایک کرنسی ایک گرام ہی کے قائم مقام ہے۔ چند سال بعد اگر دس لاکھ گرام سونے کو بیس لاکھ کرنسی کے عوض فروخت کیا جائے تو معاشی ماہرین کے نزدیک اب یہ کرنسی نصف گرام سونے کے قائم مقام بن جائے گی حالانکہ اس سے پہلے ایک کرنسی سونے کے برابر تھی۔ دیکھئے! یہ کرنسی دولت کی جس مقدار کی نمائندگی کرتی ہے اس کرنسی کے سکتز نے Depreciation سے دولت کے متعین کردہ پیمانے کو کس طرح کم کر رہا ہے۔ سونے کے مقررہ معیار کے معطل ہونے سے پہلے افراط زر یعنی تمام اشیاء کے لگاتار بڑھنے کا معاملہ پہلے دنیا میں کبھی پیش نہیں آتا تھا بلکہ یہ ممکن بھی نہیں تھا اگر دولت کا معیاری پیمانہ رائج رہے تو افراط کی قباحت بالکل رک جاتی ہے کیونکہ معیاری ثمن کو بڑھانے میں شدید دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اگر اس کی دستیابی بڑھ بھی جائے تو انسان اس کا تبادلہ کم مال کے عوض بالکل نہ کریں گے کیونکہ اس کے جمع رکھنے سے وہ شے کم نہیں ہوتی انسان اسے کم مال سے بدلنے کے بجائے اس کو اپنے پاس رکھنا ہی پسند کریں گے ہاں اگر کسی شے کی رسد اس کی طلب سے کم ہو جائے تو اس کی قیمت لازماً بڑھ جاتی ہے۔ اگر اس شے کی رسد اس کی طلب سے بڑھ جائے تو پھر اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے“ (۲۴)

اس کے بعد افراط زر کے ظلم کی مثال پیش کی جاتی ہے:-

”شاید عوام اس نقص کا پورا ادراک نہ کر سکیں مثلاً اگر چینی کو کرنسی بنا دیا جائے پھر اس کی رسد بڑھانے کے لیے اس کی پیداوار بھی بڑھانی ہوگی۔ اس کی پیداوار پر جتنا خرچ آئے گا وہی خرچہ اس کی قیمت خرید متعین کرے گا اس طرح قیمت خرید اس کی فطری قیمت ہوگی۔ نوٹوں کی کرنسی دولت کی جس مقدار کی نمائندگی کرتی ہے اگر اسے زیادہ مقدار میں چھاپ دیا جائے تو لازماً دولت کی متعینہ مقدار کم ہو جائے گی۔ مثلاً ۱۰۰ کی کرنسی میں سو گرام سونا مل رہا ہے۔ اگر حکومت ۱۰۰ گرام سونے کے لیے دو سو کی کرنسی مقرر کر دے تو کرنسی کے اس Depreciation سے سونے کی متعینہ مقدار بھی کم ہو جائے گی۔ پہلے ایک کرنسی کے بدلے ایک گرام سونا مل جاتا تھا اب ایک کرنسی کے بدلے نصف گرام سونا ملے گا۔ اب فرق معلوم کریں چینی کی کرنسی میں اس کی فطری مقدار باقی رہتی ہے اور کرنسی کی مقدار ایک جگہ قائم نہیں رہتی۔ حکومت جب چاہے عوام کو افراط زر کے عذاب میں مبتلا کر سکتی ہے جس وقت نوٹ جاری

ہوئے تھے تو اس وقت علماء نے کہا تھا کہ یہ ایک اصطلاحی ثمن ہے کہ ان کے ذریعے حقیقی اثمان جاری ہوں گے یہ نوٹ ان پر درج شدہ سونے چاندی کی مقدار کی نمائندگی کرتے تھے اس وجہ سے انہیں معیاری اثمان کا درجہ دے دیا گیا اس کے بعد مسلسل کم کی جانے والی کرنسی نافذ کر دی گئی جس کے نتیجے میں سونا اپنے معیاری ثمن سے معطل ہو گیا۔ کاغذی کرنسی بھی دولت کا پیمانہ ہے لیکن یہ کرنسی دولت کی جس مقدار کی نمائندگی کرتی ہے غوام میں اس کا اعلان نہیں کیا جاتا حکومت چونکہ اس کرنسی کو مسلسل کم کرتی رہتی ہے اس لیے قرض و دین کی ادائیگی میں، تجارت کے نفع و نقصان کے تعین کے لیے ہم ایسی کرنسی کو شرعاً کیسے استعمال کر سکتے ہیں“ (۲۵)

۱۔ فرض کیجئے کہ آج کے دن سونے کی قیمت ۱۵۰۰۰ روپے فی تولہ ہے۔ آپ ایک ایسے انسان سے قرض لے رہے ہیں جس کے پاس نقدی نہیں ہے صرف سونے کا زیور موجود ہے۔ آپ کو ۳۰۰۰۰ روپے کی ضرورت ہے وہ آپ کو دو تولے کا زیور بیچ کر پورے تیس ہزار روپے ادا کر دیتا ہے۔ پانچ سال کے بعد حکومت روپے کی کرنسی کم کر کے ایک تولے کی قیمت ۳۰۰۰۰ روپے کر دیتی ہے۔ اگر اب اس وقت اپنے قرض کے ۳۰۰۰۰ روپے ادا کر دیں تو اسے اس رقم سے ایک تولہ سونا ملے گا۔ آپ بتلائیں اس طرح قرض دینے والا کیا اپنا پورا حق وصول کر رہا ہے بلکہ اس وصولی میں وہ ایک تولے سونے کا نقصان اٹھا رہا ہے۔

۲۔ جب فلس کی اس تعداد کو جو دینار کی نمائندگی کرتے تھے۔ حکومت نے اس تعداد کو زیادہ کر دیا تو امام ابو یوسف نے اس وقت یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ قرض کی ادائیگی کے لیے فلس کی وہ مقدار ادا کرنی ہوگی جتنے دینار اس وقت قرض لیے تھے وہ فلس ان کی اب موجودہ شرح کو پورا کر رہے ہیں۔ مثلاً اس وقت نصف دینار کی شرح پچاس فلس تھی۔ اب جبکہ وہ اپنا قرض ادا کر رہا ہے اس وقت نصف دینار کی شرح ۶۰ فلس ہو گئی ہے تو اب اسے پچاس فلس کی بجائے ساٹھ ادا کرنے ہوں گے۔ اس لیے نصف دینار کی موجودہ شرح یہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا دولت کے پیمانے میں جتنی کمی ہوتی رہے گی لیکن لین دین کے معاملے میں اس کی تلافی لازمی ہوگی۔

۳۔ مثلاً ایک کلو وزن کی شے دس روپے میں مل رہی ہے اگر حکومت کسی پالیسی کے تحت کلو کا وزن ۵۰۰

گرام مقرر کر کے اسے نافذ کر دے تو تمام قیمتیں بھی نصف ہو جائیں گی۔ عوام ظاہراً یہی محسوس کرتے رہیں گے کہ پہلے ایک کلو وزن کی شے دس روپے میں ملتی تھی اب وہی شے جس کا سرکاری وزن ایک کلو ہے۔ پانچ روپے میں مل جاتی ہے۔ پس جس طرح وزن کے پیمانہ کو کم کرنے سے قیمتوں کے گھٹنے کا دھوکہ ہوتا ہے اس طرح دولت کے پیمانہ کو کم کرنے سے قیمتوں کے بڑھنے کا دھوکہ ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ارباب حکومت جب دولت اور وزن کے پیمانے کی معیاری حد متعین کر کے اسے نافذ کریں گے ان دونوں کے پیمانوں میں جب تک کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ شرعاً نہ ہمارے قرضوں کی ادائیگی درست ہو سکتی ہے اور نہ تجارت میں نفع و نقصان کا صحیح تعین کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی عوام گرائی کے عذاب میں بھی رات دن پتے رہیں گے“ (۲۶)

حفاظت الہی کی ایک مثال

”ایک دن ایک انسان میدان میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے بادل میں سے ایک آواز سنی کہ ”فلاں انسان کے باغ کو سیراب کر آؤ“ اس آواز کا آنا تھا کہ بادل اپنی جگہ سے چل پڑا اور سارا پانی ایک قطعہ اراضی میں انڈیل دیا وہ انسان بھی بادل کے ساتھ چلتا ہوا آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں تالاب کی مانند گہرائی ہے سارا پانی وہاں جمع ہو کر آگے بڑھ رہا ہے وہ پانی کے ساتھ چلتا گیا تو اس نے دیکھا کہ ایک انسان اپنے باغ کے بیچ میں کھڑا ہو کر اسی پانی سے اپنے باغ کو سیراب کر رہا ہے اس نے باغ والے سے دریافت کیا کہ بندہ الہی آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتلایا تو یہ حیران رہ گیا کیونکہ اس نے وہی نام بتلایا تھا جو اس نے بادل میں سے سنا تھا باغ والے نے دریافت کیا اللہ کے بندے آپ نے میرا نام کیوں دریافت کیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں نے اس بادل میں سے جس کے پانی سے آپ اس وقت سیراب کر رہے ہیں یہ آواز سنی تھی کہ ”بادل فلاں انسان کے باغ کو جا کر سیراب کر دے“ اور اس میں سے جو نام سناں تیتا تھا وہ آپ ہی کا نام تھا تو بتلائیے کہ آپ ایسا کون سا کام کرتے ہیں جس کی بنا پر آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی عنایت ہوتی ہے؟ باغ والے نے جواب دیا اب جبکہ آپ نے سب کچھ جان لیا ہے اور مجھے بتلا رہے ہیں تو سنئے!“ اس باغ سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے میں اس کے تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتا ہوں ایک حصہ میرے بال بچے اور میں

کھاتا ہوں اور ایک حصہ بیج اور دیگر اخراجات پر صرف کر کے اسی باغ میں لوٹا دیتا ہوں“ (۲۷)

غالباً رسول اللہ ﷺ نے اگلی امتوں میں سے کسی امت کے ایک فرد کا یہ ذاتی واقعہ بیان فرمایا ہے آپ کی امت پر تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے اگر اس امت کے افراد اللہ تعالیٰ کے وعدے اور ضمانت پر اعتماد کر کے اپنی زرعی پیداوار کا وہ حصہ اللہ کی راہ میں نکال دیں جس کا نکالنا اسی طرح فرض ہے جس طرح زکوٰۃ کا نکالنا فرض ہے تو وہ اشیاء یقینی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی پیداوار میں برکت عطا فرمائے گا اور ان کی زراعت دن دو گنی و رات چو گنی ترقی کرے گی کیونکہ قرآن کریم میں نہایت واضح الفاظ میں بتلایا گیا ہے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرُّبُوَ أَوْ يُرِيْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (۲۷:۲) ”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے“

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۶۱:۲)

”جو انسان اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ کہ جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اللہ جسے چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت اور کامل علم والا ہے“

اس مقام پر ایک عام انسان کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سات سو بالیوں کی مثال دی ہے جو صرف ایک دانے سے اگیں اور ایک دانے نے سات سو دانوں کی شکل اختیار کر لی بالکل یہی حالت اس مال کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کے راستے میں خرچ کیا جائے لہذا بڑھوتری اور فائدہ یقینی ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ جس مال سے زکوٰۃ یا عشر ادا کر دیا جائے وہ پاکیزہ اور ہلاکت و تباہی سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اب اس مال میں اللہ تعالیٰ کا حق شامل نہیں ہوتا جو فساد کا باعث ہوتا ہے حدیث میں ہے قال عمر قال رسول الله ﷺ ماتلف مال في برون لا بحرا لا بحسن الزکوٰۃ۔

(۲۸) ”عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بحر و بر میں کوئی مال تلف اور برباد

نہیں ہوتا سوائے زکوٰۃ روک لینے کے یعنی اگر مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے تو وہ مال آخر کار تباہ ہو کر رہے۔
 روى عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ ما خالطت الصدقة
 اوقال الزكوة ما لا افسدته (۲۹) ”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے
 ارشاد فرمایا کہ جس مال میں صدقہ یا زکوٰۃ مل جاتا ہے اسے فاسد اور تباہ کر دیتا ہے“

اگر تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی یا اپنے کھیت یا باغ کی پیداوار سے عشر نہ دیا تو تمہارے
 مال اور پیداوار میں زکوٰۃ اور عشر ملا ہوا ہے یہ شے آخر کار تمہارے مال کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی
 طبرانی الکبیر کی ایک روایت میں تو ہے کہ ایسے انسان کی نماز بھی قبولی نہیں ہوتی۔

عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قال امرنا باقام الصلوة وابتاء الزكوة
 ومن لم يزك فلا صلاة له رواه الطبرانى فى الكبير (۳۰)

”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا

کرنے کا حکم دیا تھا کہ جو زکوٰۃ یا عشر واجب ہونے کے باوجود نہ دے اس کی نماز نہیں ہوتی“

محمد ﷺ تو اپنی امت پر بے حد شفیق تھے چنانچہ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر خود اللہ تعالیٰ
 نے آپ کی اس مبارک صفت کا تذکرہ فرمایا ہے آپ بھلا یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ محنت کر کے مال
 کمانے اور بے انتہاء مشقتیں اٹھانے کے بعد کھیت اور باغ سے پیداوار حاصل کرنے کے بعد آپ کے
 امتیوں کا مال اور پیداوار تباہ ہو جائے اس لیے محمد ﷺ نے ایک نسخہ شافی بتلایا ہے جسے امت کو چاہیے
 کہ قیامت تک حرز جان بنائے رکھے محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

عن ابن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ حصنوا اموالكم بالزكوة
 وداووا مرضاكم بالصدقة (۳۱) ”ابن مسعود سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے

اموال اور پیداوار کو زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ کرو اور اپنے مریضوں کا علاج صدقے کے ذریعہ کیا کرو“
 معلوم ہوا کہ مال کی زکوٰۃ اور پیداوار کا عشر دینے کے بعد مال اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے قلعہ

میں داخل ہو جاتا ہے اسی لیے یہاں رسول اللہ ﷺ نے حصنوا کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو حصن بمعنی
 قلعہ سے ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو نماز کے ساتھ ملایا ہے فرمایا:-

واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو" اب صرف بعض شرائط اور آداب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شرائط زکوٰۃ:- شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ منصوص علیہ شے سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس کی قیمت ادا نہ کی جائے صحیح یہی ہے اور جس نے قیمت ادا کرنے کو جائز کہا ہے اس نے صرف حاجت پوری کرنے کو ملحوظ رکھا ہے اور حاجت کا پورا کرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ حصہ ہے، کیونکہ شریعت کے واجبات تین اقسام کے ہیں:-

۱۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں صرف بندگی کا اظہار ہے جیسے جمرات کو کنکریاں مارنا اس سے شریعت کا مقصد صرف بندے کا امتحان ہے کہ وہ تعمیل کرتا ہے یا نہیں تاکہ بندے کی غلامی ایسے فعل سے ظاہر ہو جس کے معنی بھی وہ نہیں سمجھ سکتا۔

۲۔ دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور وہ ایسے واجبات ہیں جن سے اظہار غلامی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد خالص حقوق ہیں جیسے اربانوں کا قرضہ ادا کرنا اور چھٹی ہوئی شے کو واپس کرنا وغیرہ اس میں نیت اور فعل کا اعتبار نہیں ہے بلکہ جس طرح بھی مستحق کو اس کا حق پہنچ جائے مقصود حاصل ہو جائے گا یہ دونوں قسم کے واجبات غیر مرکب ہیں۔

۳۔ تیسری قسم مرکب واجبات کی ہے اور ان سے دونوں اشیاء مقصود ہوتی ہیں مکلف کا امتحان بھی اور بندوں کے حقوق بھی ان میں جمرات کو کنکر مارنے کی عبودیت اور حقوق ادا کرنے کا حصہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ ان میں سے جو باریک معنی ہیں یعنی اظہار عبودیت ان کو نظر انداز کر دیا جائے اور جو زیادہ دقیق ہے وہی زیادہ اہم ہے اور زکوٰۃ بھی اسی قسم سے ہے اس میں فقیر کا حصہ حاجت پوری کرنے میں ہے اور عبودیت کا حق حکم کی تفصیلات میں اتباع شریعت، شریعت کا مقصود ہے اور اسی

اعتبار سے زکوٰۃ نماز اور حج کے قریب ہوگئی ہے۔ (۳۲)

زکوٰۃ کے آداب

انسان کی ادائیگی زکوٰۃ میں چند ایک ذمہ داریاں ہیں:-

(i) پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مقصد کو سمجھے اور یہ اشیاء ہیں۔ پہلے اپنی محبوب شے نکالنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعویدار کا امتحان، دوسری بخل سے پاک ہونا اور تیسری مال کی نعمت کا شکر۔

(ii) دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ زکوٰۃ پوشیدہ طور پر نکالی جائے کیونکہ اس میں ریا کی آمیزش نہیں ہوتی ظاہر کر کے دینے میں لینے والے کی ذلت کا اظہار بھی ہے پھر اگر اسے خوف ہو کہ زکوٰۃ نہ دینے سے اس پر الزام عائد ہوگا تو علانیہ طور پر ایسے حاجتمند کو دے جو جماعت کے سامنے لینے کو برانہ سمجھتا ہو

(iii) تیسری یہ کہ احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اس کو ضائع نہ کرے اور اس طرح ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو زکوٰۃ لینے والے پر احسان کرنے والا اور انعام کرنے والا سمجھتا ہے تو بسا اوقات اس سے اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے اگر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حاجتمند خود اس پر احسان کرنے والا ہے کیونکہ وہ اس سے اللہ کا وہ حق قبول کرتا ہے جو اس کے مال کو پاک کرتا ہے۔

ساتھ ہی اس بات کو بھی مد نظر رکھے کہ اس کو زکوٰۃ ادا کرنا نعمت مال کا شکرانہ ہے تو پھر اس کے اور زکوٰۃ لینے والے کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں رہتا اور یہ کسی صورت میں بھی درست نہیں کہ لینے والے کو اس کی غریبی کی وجہ سے حقیر سمجھے کیونکہ نہ مال سے فضیلت ہے اور نہ غریبی کوئی نقص۔

۴۔ چوتھی یہ کہ اپنے عطیے کو حقیر سمجھے، کیونکہ اپنے کام کو عظیم سمجھنے والا مغرور ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقی نیکی تین باتوں سے حاصل ہوتی ہے اسے ہلکا سمجھے اور جلدی کرے اور پوشیدہ کرے۔

۵۔ پانچویں یہ کہ اپنے مال میں سے سب سے زیادہ حلال اور اچھے اور محبوب مال کا انتخاب کرے۔ اور اچھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَمَسُّوا الْبَخِيْثَ مِنْهُ تَنْفِقُوْنَ ” اور خرچ کرتے وقت رومی شے کا انتخاب نہ کرو“

چاہیے کہ اس میں دو باتوں کو ملحوظ رکھے ایک تو اللہ تعالیٰ کا حق تعظیم ہے اور اللہ کا زیادہ حق ہے کہ

اس کے لیے محبوب شے دی جائے اگر کوئی انسان اپنے مہمان کے سامنے رزی کھانا رکھے تو اس کا سینہ

جل اٹھے گا دوسری یہ کہ جو کچھ وہ آج آگے بھیجے گا کل قیامت کو وہی کچھ اس کو ملے گا، چاہے کہ وہ اپنے لیے بہتر شے کا انتخاب کرے۔

باقی رہی سب سے پیاری شے تو وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ”تم اس وقت تک بھلائی نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ شے خرچ نہ کرو“
عبداللہ بن رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب آپ کسی شے سے بہت زیادہ محبت کرتے تو اسے اللہ نے اس ربان کر دیتے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ جھہ میں آئے تو بیمار تھے آپ نے مچھلی کھانے کی خواہش کی۔ بڑی مشکل سے صرف ایک ہی مچھلی ملی بیوی صاحبہ نے تیار کر کے آپ کے سامنے رکھی تو اسی وقت ایک مسکین آگیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وہ مچھلی عطا فرمادی بیوی صاحبہ نے کہا ہمارے پاس اور بہت کچھ کھانے کو ہے ہم وہ اسے دے دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں یہی دو کیونکہ ہمیں یہی سب سے زیادہ پسند ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ربیع بن خثیم کے دروازے پر ایک سائل آیا آپ نے فرمایا اسے انگور یا کھجوریں کھلاؤ گھر والوں نے کہا ہم اسے روٹی کھلا دیتے ہیں اور وہ اس کے لیے زیادہ اچھی ہے تو محمد ﷺ نے فرمایا تم پر افسوس ہے اسے انگور کھلاؤ کیونکہ ربیع کو انگور پسند ہیں چھٹی یہ کہ اپنے صدقے کے لیے مستحق انسان کا انتخاب کرے اور یہ کچھ خاص انسان ہیں اور ان کی کچھ صفات یہ ہیں (۳۳)

مستحقین کی صفات

(i) صفت تقویٰ ہے اپنے صدقے کے لیے متقی انسانوں کا انتخاب کرے کہ اس سے ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور زیادہ ہو جائے گی۔

عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عبادت گزاروں کو سجدے کی حالت میں دینا پسند کرتے اور دینار یا درہم کی تھیلی لے آتے اور چپکے سے ان کے پاؤں کے پاس رکھ دیتے اس طرح کہ ان کو تھیلی کا پتہ تو چل جاتا لیکن یہ پتہ نہ چلتا کہ کون رکھ گیا ہے آپ سے کہا گیا آپ ان کے گھروں میں کیوں نہیں بھیجتے تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے پسند نہیں کہ جب وہ مجھے یا میرے ایلچی کو دیکھیں تو ان کا چہرہ ندامت سے متغیر ہو جائے۔

(ii) صفت علم ہے کہ عالم کو دینے میں علم اور دین کی تبلیغ میں اعانت ہے اور یہ شریعت کی تقویت ہے۔
 (iii) وہ ان انسان ایسے ہوں جو انعام صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اسباب کی طرف اتنا ہی متوجہ ہوتے ہیں جتنا کہ شکر یہ ادا کرنے کے لیے مستحب ہے وہ انسان جو عطیہ لے کر مدح کرنے کا عادی ہو اس کو جب نہ۔ ملے تو وہ ہجو بھی کرے گا۔

(iv) وہ اپنے فقر کی حفاظت کرتا ہو۔ اپنی حاجت کو چھپاتا ہو تکلیف کو ظاہر نہ کرتا ہو اللہ نے فرمایا ہے
 يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف "سوال سے بچنے کی وجہ سے بے خبر انسان ان کو دولت مند سمجھتا ہے" ایسے انسان بڑی تحقیق کے بعد ملتے ہیں۔

(v) وہ عیال دار ہو یا بیماری یا قرضے میں گرفتار ہو تو یہ مہر (بند کیے گئے) انسانوں میں سے ہے اور ان پر صدقہ کرنا اور ان کو قید سے چھڑانا ہے۔

(vi) وہ قرابت دار ہو اور ذوی الارحام سے تعلق رکھتا ہو ان پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی جس انسان میں ان میں سے دو صفتیں زیادہ پائی جائیں تو اس کو دینا اتنا ہی افضل ہوگا (۳۴)
 زکوٰۃ لینے والے کے آداب

ضروری ہے کہ زکوٰۃ لینے والا آٹھ قسموں میں سے ہو کیونکہ زکوٰۃ لینے میں بھی کچھ فرائض ہیں۔
 (i) وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زکوٰۃ اس لیے دلوائی ہے کہ اس کی پریشانیاں دور ہو جائیں اور اسے ایک ہی فکر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کی رہ جائے۔

(ii) دینے والے کا شکر یہ ادا کرے اور اس کے لیے دعا اور اس کی ثناء کرے اور یہ اشیاء صرف اتنی ہوں جتنی کہ سبب کا شکر ادا کرنے کی ہوتی ہیں کیونکہ جس نے انسانوں کا شکر یہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور پورا شکر یہ ادا کرنے کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اس عطیے کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ وہ تھوڑا سا ہی ہو اور اس کی مذمت نہ کرے اور اس میں اگر کوئی عیب ہو تو اس کو ظاہر نہ کرے اور جیسا کہ دینے والے کا ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنے عطیے کو حقیر سمجھے اسی طرح لینے والے کے ذمہ یہ ہے کہ اسے بڑا سمجھے اور یہ تمام باتیں نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنے کے برخلاف نہیں ہیں کیونکہ جو انسان واسطے کو واسطہ نہ سمجھے وہ جاہل اور جو واسطہ کو اصل سمجھ لے وہ منکر ہے۔

(iii) جو کچھ اسے مل رہا ہے اس میں غور کرنے اگر وہ حلال مال سے نہ ہو تو بالکل نہ لے کیونکہ غیر حلال مال سے دینا زکوٰۃ نہیں کچھ بھی مشتبہ ہو تو اس سے پرہیز کرے الا یہ کہ تنگی میں مبتلا ہو پھر جس کا اکثر مال حرام کا ہو وہ زکوٰۃ نکالے اور جو مال ملا ہے اس کے خاص معین مالک کو نہ جانتا ہو تو اس میں فتویٰ یہ ہے کہ اس سارے مال کو صدقہ کر دے البتہ تنگی کے وقت اگر صرف مال نہ مل سکے تو اس مال سے بقدر ضرورت لینا جائز ہے۔

(iv) جتنا لیتا ہے اس میں بھی شبہات کے مواقع سے پرہیز کرے اور صرف اتنا ہی لے جتنا کہ اس کے لیے جائز ہے اگر وہ مقروض ہے تو قرض کی مقدار سے زیادہ نہ لے یا غازی ہے تو جتنی ضرورت ہے اتنا لے اور اگر تنگ دستی ہے تو ضرورت کے مطابق لے دولت آنے کی کوشش نہ کرے یہ سب کچھ اس کے اپنے انداز پر موقوف ہے پرہیز گاری مشتبہ شے کو چھوڑ کر دینے میں ہے

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنا سرمایہ پاس ہو تو زکوٰۃ لینا منع ہے اس میں صحیح بات یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا ہو کہ اس کی عام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں تجارت ہو یا صنعت یا زمین کے آمدن یا کوئی اور ذریعہ اور اگر بعض ضرورتیں پوری ہوتی ہوں تو باقی کے لیے لے لے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بقدر ضرورت لے لے لیکن جو بقدر کفالت لے وہ سال کے خرچ سے زیادہ نہ ہو سال کے اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ جب سال پورا ہو جائے تو پھر لینے کا وقت آجائے گا اور اگر سال سے زیادہ لے گا دوسرے فقراء تک ہو جائیں گے (۳۵)

نقلی صدقہ اس کی فضیلت اور آداب

صدقے کے فضائل بے شمار مشہور ہیں ان میں سے وہ بھی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جس کو اپنے ورثہ کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو؟“ صحابہ نے عرض کیا ”اے اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اللہ کا مال پیارا نہ ہو“ محمد ﷺ نے فرمایا تمہارا مال وہ ہے جو تم نے آگے بھیجا اور وارث کا وہ ہے جو پیچھے چھوڑا

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس انسان نے طیب کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں طیب شے ہی قبول

کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ سے لیتا ہے پھر اس کے مالک کے لیے اس کی پرورش کرتا ہے جیسے کوئی تم میں سے اپنے پچھیرے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے“

ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے ”صدقہ کرو صدقہ جہنم سے آزادی ہے“

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی انسان صدقہ کرتا ہے تو اس انسان سے ستر شیطانوں کے جبرے کھل جاتے ہیں یعنی وہ ان سے آزاد ہو جاتا ہے“

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا ”صدقے سے مال کم نہیں ہوتا“

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو محمد ﷺ نے فرمایا ”اس میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟“ انہوں نے کہا ”ایک شانے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا تو محمد ﷺ نے فرمایا سب کچھ باقی رہا صرف شانہ باقی نہیں رہا“

صدقے کے آداب وہی ہیں جو زکوٰۃ میں بیان کیے جا چکے ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس میں سے فقیر کے لیے کون سی شے بہتر ہے، یعنی وہ زکوٰۃ لے یا صدقہ؟ تو کچھ انسانوں نے کہا زکوٰۃ افضل ہے اور دوسروں نے کہا صدقہ لینا بہتر ہے۔

”اس سوال کے جواب میں کہ بہترین صدقہ کون سا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو صحت اور ضرورت کے ہوتے ہوئے بھی صدقہ نہ کرے تجھے تنگدستی کا خوف ہو اور دولت مندی کی خواہش ہو اور اتنی دیر کرے کہ جان حلق تک آجائے اور تو کہے، اتنا فلاں کو دے دو اور اتنا فلاں کو دے دو وہ تو اب فلاں کا ہو ہی چکا ہے“ (۳۶)

دنیا کی اندھی محبت اور زکوٰۃ

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ ”انسان مال کے ساتھ شدید محبت رکھتا ہے“

﴿وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا. وَاحْضُرْتُ الْإِنْفِيسَ الشَّيْخِ، ۵. حَنِىٰ وَاقْنِىٰ﴾

مال چونکہ ہوس کے ذریعے کمایا جاتا ہے اس لیے انسان مال کی محبت میں اندھا ہو جاتا ہے مال کو خرچ کرنے کا جو صحیح سلیقہ ہوتا ہے اس اندھی محبت کی وجہ سے حسن سلیقہ سے محروم ہو جاتا ہے اگر اس مال میں

زکوٰۃ کے ذریعے مساکین کا حق ادا کر دیا جائے تو پھر مال کی اندھی محبت حسن بلیقہ میں بدل جاتی ہے پھر اس کی ایک ایک پائی موزوں جگہ پر خرچ ہوتی رہے گی اگر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو پھر لاکھوں روپے بھی اس کے فضول کاموں میں تباہ ہوتے رہیں گے اسی طرح حسین عورت کے حصول میں بھی چونکہ ہوس کا واسطہ ہوتا ہے اس لیے وہ ایسی عورتوں کے پیچھے اپنی قیمتی جائیدادیں برباد کرتا ہے یعنی جس شے کو بھی ہوس کے ذریعے حاصل کیا جائے گا حصول کے بعد اس میں صحیح عقل اپنے صحیح توازن پر مشکل سے برقرار رہتی ہے۔

زکوٰۃ دینے سے چونکہ مساکین کی بعض تکلیفیں دور ہو جاتی ہیں اور نہ دینے سے ان کی تکلیفوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اس سے مساکین کو اذیت پہنچتی ہے نہ دینے والے کے حق میں اذیت کا باعث بن جاتی ہے اور یوں بھی ہوتا ہے ایک غریب جو کس مرض میں مبتلا ہو تو علاج کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں اگر اسے زکوٰۃ کا پیسہ بروقت مل جاتا ہے تو وہ علاج کر کے شفا یاب ہو جاتا ہے اب باری تعالیٰ کی منتقم ذات یوں بھی کر دیتی ہے کہ جس مرض میں وہ مسکین مبتلا تھا وہ بیماری اس تارک زکوٰۃ کے بدن میں منتقل کر دے ان حقائق کو قرآن مجید کے علاوہ دنیا کی کوئی تعلیم بھی منشرح نہیں کر سکتی۔

انفاق میں شح کا ذکر: ﴿وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شَحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۱۶:۶۳) مال میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور جو انسان نفسانی حرص سے محفوظ رہے گا وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

نظام زکوٰۃ و عشر ایک نظر میں

اسلام کا نظام زکوٰۃ و عشر اپنے اندر کئی فوائد و ثمرات لیے ہوئے ہے جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:-

۱۔ ادائیگی زکوٰۃ و عشر سے اطاعت احکام الہی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

۲۔ مومن کا دل دنیا کی محبت سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگتا ہے۔

۳۔ حاجتمندوں اور غریبوں کی کفالت ہوتی ہے۔

- ۴۔ غربت اور تنگدستی سے مجبور ہو کر کئے جانے والے جرائم کا خاتمہ ہوتا ہے۔
- ۵۔ زکوٰۃ کی رقم سے غریب بے روزگار افراد اپنا کاروبار کر سکتے ہیں اس طرح سے بے روزگاری کا خاتمہ ممکن ہے۔
- ۶۔ غریب سود پر قرض لینے کی مصیبت سے بچ سکتے ہیں اس طرح سود کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔
- ۷۔ سود کے خاتمہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ امیر کے امیر تر ہونے اور غریب کے غریب تر ہونے کا جو انداز رائج ہے وہ ختم ہوگا اس طرح طبقاتی کشمکش کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔
- ۸۔ زکوٰۃ اور عشر کی صحیح تقسیم سے گداگری کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے۔
- ۹۔ ادائیگی زکوٰۃ و عشر سے رضائے الہی کے حصول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
- ۱۰۔ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کی خوبی بھی پیدا ہوتی ہے۔
- ۱۱۔ امیر و غریب جب زکوٰۃ و عشر کے لین دین کے لیے ایک دوسرے سے ملیں گے تو ان میں باہمی الفت بھی پیدا ہوگی۔
- ۱۲۔ غربت جو کہ موجودہ دور کا ایک پریشان کن مسئلہ بن چکی ہے زکوٰۃ و عشر کے نظام سے اس کا خاتمہ ممکن ہے۔
- ۱۳۔ زکوٰۃ و عشر کی باقاعدہ ادائیگی سے صاحب مال یہ سوچے گا کہ اگر میں اپنے مال کو کسی نفع بخش کاروبار میں نہیں لگانا تو میرا مال زکوٰۃ و عشر ادا کرتے کرتے ہی ختم ہو جائے گا چنانچہ وہ مال کو پڑا رہنے کی بجائے نفع بخش کاروبار میں لگائے گا اور اس سے ملکی معاشی ترقی میں اضافہ ہوگا۔
- ۱۴۔ نئے نئے کاروبار کے شروع ہونے کی بناء پر بے روزگار افراد کے لیے ملازمت اور حصول روزگار کے مواقع میسر ہوں گے۔
- ۱۵۔ گردش دولت مناسب انداز میں جاری رہے گی اور سمٹ کر چند ہاتھوں تک محدود نہ رہے گی۔
- ۱۶۔ اصل مقصود انسانیت کی خیر خواہی ہے۔
- ۱۷۔ باطل افکار عالم پر اسلام کا غلبہ ہونا۔
- زکوٰۃ و عشر کے نظام کے ان فوائد پر نظر کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس نظام میں تمام معاشی مسائل

کامل موجود ہے اور یہ شے اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ صرف دو مدت میں اسلام نے ایک ایسا نظام پیش کیا ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم وغیرہ کی لمبی چوڑی تفصیلات بھی اس نظام کے سامنے ماند ہیں۔ (ماخوذ)

مصادر و مراجع

- ۱۔ علامہ ابوالخیر اسدی، اسلام میں معاشی سکون کا حل، مجلس نشر السنۃ مخدوم رشید، ملتان
- ۲۔ علامہ ابوالخیر اسدی، ریاض القرآن، ص ۳۔ علامہ ابوالخیر اسدی، قرآن کے علمی جوہرات، درس ۱۷
- ۳۔ نفس المرجع درس نمبر ۱۷۔ ۵۔ نفس المرجع درس نمبر ۱۷۔ ۶۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۷
- ۷۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۷۔ ۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، ص ۱۵۸
- ۹۔ نفس المكان، درس نمبر ۱۶۔ ۱۰۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۶۔ ۱۱۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۶
- ۱۲۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۶۔ ۱۳۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۶۔ ۱۴۔ نفس المرجع، درس نمبر ۱۶
- ۱۵۔ مارک پیٹر، ہیمز اینڈ سکل ۱۶۔ اسباب زوال امت، ص ۱۷۔ علاء الدین مسعود الکاسانی۔
- بدائع الصنائع، ۲: ۵۴۰: ۱۹۱۰۔ ۱۸۔ امام بھصاص، احکام القرآن ۳: ۱: ۱۳۳۵ھ
- ۱۹۔ فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ۱۳: ۲۱۴: ۱۹۳۸ء)۔ ۲۰۔ ابن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن، ۲: ۱۸۱: طبع
- لاہور ۱۹۷۳ء (۲۱) محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۹۹: طبع بمصر، ۱۹۶۷ء
- ۲۲۔ قرآن کے علمی جوہرات، ص ۵، درس ۱۵ (۲۳) نفس المرجع، درس ۱۵ (۲۴) نفس المرجع ص ۲
- ۲۵۔ نفس المرجع، ص ۳، درس ۱۵ (۲۶) نفس المرجع، ص ۴، درس ۱۵ (۲۷) امام احمد، مسند امام احمد
- (الفتح الربانی) ۸: ۱۸۶: ۱۸۷: طبع بمصر ۲۸۔ (المنذری، الترغیب والترہیب: ۱: ۵۴۲: طبع بمصر
- ۲۹۔ نفس المرجع: ۱: ۵۴۳۔ ۳۰۔ نفس المرجع، ۱: ۵۴۳۔ ۳۱۔ لہیثمی: مجمع الزوائد: ۳: ۱۶۳: طبع
- بیروت ۱۹۲۷ء ۳۲۔ امام عبدالرحمن ابن جوزی، ماہنامہ ”روح بلند“ لاہور، ص ۳۸ نومبر ۲۰۰۵
- ۳۳۔ نفس المرجع، ص ۳۹ (۳۴) نفس المرجع، ص ۴۱ (۳۵) نفس المرجع، لاہور، ص ۴۲،
- (۳۵) نفس المرجع، ص ۴۳

باب ۸ اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف کے اصول

انفاق فی سبیل اللہ کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اس کی فضیلت و اہمیت اور ترغیب کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَبِيلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۲۶۱:۲)

”جو انسان اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے اضافہ عطا فرماتا ہے وہ فراخ دست اور علیم بھی ہے“

﴿مَنْ ذَ الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ﴾ (۱۱:۵۷)

”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسد دے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے“

﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُفْسِكُمْ﴾ (۲۷۲:۲)

”خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بہتر ہے“

﴿إِنْ تَقْرَضُوا لِلَّهِ قَرْضًا حَسَنًا يُضْعِفَهُ لَكُمْ﴾ (۱۷:۶۳)

”اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسد دو تو وہ تمہیں اس کا اجر کئی گنا بڑھا کر دے گا“

﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ. أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾

(۳-۳:۸) ”جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ

کرتے ہیں۔ ایسے ہی انسان حقیقی مومن ہیں“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ. وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ

وَادِيًا إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۲۰:۹-۱۲۱)

”یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا ہے اسی طرح نہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ راہ الہی

میں تھوڑا یا بہت کچھ خرچ وہ اٹھائیں اور سعی جہاد میں کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ

نہ دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کر دیں

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ، وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ (۳۹:۳۴)

”جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو رزق دیتا ہے وہ بہترین رزق دینے والا ہے“

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِينَ﴾ (۱۹۵:۲) ”اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند کرتا ہے“

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (۱۰:۵۷)

”آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے“

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ الْيُكْمُ﴾ (۲۷۲:۲)

”جو کچھ مال تم خیرات کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا“

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا﴾ (۲۷۰:۲)

”تم نے جو کچھ خرچ اور نذر بھی مانی ہو اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا پورا علم ہے“

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (۲۷۳:۲)

”ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہ رہے گا“

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ

يَبْضُطُ﴾ (۲۲۵:۲) ”تم میں کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسد دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا

کرواپس کر دے؟ کمی و بیشی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے“

﴿لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمْ مَوَاهِمَهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ

قَرْضًا حَسَنًا لَا تُكْفِرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا يُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

(۱۲:۵) ”اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی نصرت کی اور اپنے

رب کو اچھا قرض دیتے رہے تو یقین رکھو میں تمہاری برائیاں زائل کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں

داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی“

﴿إِنَّ الْمَصْدَقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَعْفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾
 (۱۸:۵۷) ”مردوں اور عورتوں میں جو صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اپنے رب کو قرض

حسدیا ہے ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے“

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا﴾ (۲۰:۷۳)

”نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسد دیتے رہو جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہے“

انفاق فی سبیل اللہ حدیث کے تناظر میں

☆ ”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیوروں سے کرو“

☆ ”ہر روز جب بندے صبح اٹھتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ!

خرچ کرنے والے کو اچھا بدلہ عطا کر اور دوسرا کہتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر دے“

☆ ”اے ابن آدم! حاجت سے زائد مال کو تیرا خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے اگر تو اس کو خرچ نہ

کرے گا تیرے لیے برا ہے“

☆ ”دو انسانوں پر رشک جائز ہے ایک وہ جس کو مال دیا گیا اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ

کرتا ہے اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی

تعلیم دیتا ہے“

☆ ”عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک روز ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت اللہ تعالیٰ کی راہ

میں تقسیم کر دیا گیا محمد ﷺ تشریف لائے تو دریافت کیا کہ بکری میں کچھ باقی بچا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا

کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ایک دست اس کی باقی ہے تو محمد ﷺ نے فرمایا:-

”اس دست کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کر دیا گیا وہی درحقیقت باقی ہے اور کام آنے والا ہے“

☆ ”انسانو! جلد صدقہ کر لو کیونکہ صدقہ دینے سے بلا نہیں بڑھتی“

☆ ”صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے قبل اللہ تعالیٰ کے ہاں میں پہنچ جاتا ہے“

☆ ”اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی باقی ہو البتہ وہ تھوڑا بہت کہ جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں“

☆ ”جو انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو دو اشیاء خرچ کرے گا اسے جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا“ دو دو اشیاء کے خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء بھی خرچ کرے اس کا جوڑا خرچ کرے مثلاً دو بکریاں، دو گائیں اور دو اونٹ وغیرہ

انفاق فی سبیل اللہ کے آداب و ضوابط

اب چند ضروری آداب و ضوابط کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کا خیال اور لحاظ رکھنا انفاق فی سبیل اللہ میں ضروری ہے۔

۱۔ حصول رضائے الہی ہی مقصود ہو: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى. الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى. وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى. إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى. وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾ (۹۲: ۲۱-۱۷) ”جہنم سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت ہی متقی جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو وہ تو صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور وہ ضرور اس سے خوش ہوگا“

۲۔ صدقہ کے بعد دل آزاری اور احسان جتلانا نہ ہو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ﴾ (۲۶۴: ۲) ”اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان اور دکھ دے کر اس انسان کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض انسانوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے“

۳۔ انفاق اور صدقہ ریا کاری کے لیے نہ ہو

﴿وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا﴾ (۳۸: ۳) ”وہ انسان بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال محض دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت اللہ تعالیٰ اور نہ ہی روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔ سچ یہ

ہے کہ شیطان جس کا رفق ہو اسے بہت ہی بری رفاقت میسر آتی“

۴۔ خرچ کیا جانے والا مال گھٹیا اور ردی نہ ہو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا

تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ﴾ (۲۶۷:۲)

”اے ایمان والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے

بہتر حصہ راہ الہی میں خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری شے چھانٹنے کی

کوشش کرنے لگو حالانکہ وہی شے اگر کوئی تمہیں دے دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارا نہ کرو گے الا یہ کہ تم

اسے قبول کرنے میں اغماض برت جاؤ“

۵۔ صدقات میں اخفا اور اظہار دونوں جائز ہیں

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾

(۲۴۳:۲) ”جو انسان اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر رب کے پاس ہے“

۶۔ اخفا زیادہ بہتر ہے

﴿إِنْ تَبَدُّ وَالصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾

(۲۷۱:۲) ”اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو تمہارے

حق میں زیادہ بہتر ہے“

۷۔ جس وقت خرچ کی زیادہ حاجت ہو اس وقت خرچ زیادہ بہتر ہے

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلِ أَوْلِيكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ

أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَتْلُوا﴾ (۱۰:۵۷) ”تم میں سے جو انسان فتح کے بعد جہاد اور خرچ کریں گے وہ

کبھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بعد میں خرچ

اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے“

۸۔ قریب المرگ ہونے سے قبل تندرستی میں صدقہ دو

﴿وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (۱۰:۶۳)

”جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ ”اے میرے رب! کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ کرتا اور صالحین میں شامل ہو جاتا“

۹۔ انفاق فی سبیل اللہ کو چٹی یا تاوان نہ سمجھا جائے

﴿وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّ وَالْوَارِثُ عَلَيْهِمْ ذَاتُ الْوَارِثَةِ السُّوءِ﴾ (۹۸:۹) ”ان بدوؤں میں ایسے ایسے انسان بھی موجود ہیں جو راہ الہی میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر تاوان / بوجھ سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں زمانہ کی گردشوں کا انتظار کر رہے ہیں کہ تم کسی چکر میں پھنسو تو وہ اپنی گردن سے اس نظام کی اطاعت کا قلابہ اتار پھینکیں جس میں تم نے انہیں کس دیا حالانکہ بدی کا چکر خود انہی پر مسلط ہے“

۱۰۔ انفاق فی سبیل اللہ بدولی سے نہیں خوشی سے دو

﴿وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كُرْهُونَ. فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (۵۳:۹-۵۵)

”وہ انسان راہ الہی میں بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں اشیاء کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بتلائے عذاب رکھے اور یہ جان بھی انکار حق ہی کی حالت میں دیں“

۱۱۔ انفاق حالت ایمان میں ہونہ کہ فسق و کفر میں

﴿قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ (۵۳:۹)

”اے محمد ﷺ ان سے کہ دیجئے کہ ”تم اپنے مال راضی بخوشی خرچ کرو یا بکراہت بہر حال وہ قبول نہ

کیے جائیں گے کیونکہ تم فاسق قوم ہو“

۱۲۔ خود تنگ ہو کر انفاق نہ کیا جائے زائد از ضرورت دیا جائے

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ...﴾ (۲۱۹:۲) ”محمد ﷺ سے سوال کرتے ہیں راہ الہی

میں کیا خرچ کریں؟ فرمادیجئے جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو“

۱۳۔ گن گن کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے

حدیث میں ہے:- ”خرچ کرو اور شمار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ سے شمار کرے گا یعنی تجھے بھی گن گن کر

محدود مقدار میں دے گا اور روک کر نہ رکھ اللہ تجھ پر روک کر رکھے گا جہاں تک ہو سکے خیرات کر“

۱۴۔ رزق حلال میں سے انفاق ہو حرام مال سے نہ ہو

محمد ﷺ نے فرمایا ”جس نے طیب کمائی سے کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ طیب مال ہی

کو قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے پھر اس کو اس طرح پالتا ہے جس طرح تم میں

سے کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ یا اس کا ثواب احد پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے“

اس حدیث کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے یعنی ایک مال کو بے برکت کرنا یا مٹانا جو ہے وہ بائیں

ہاتھ سے تعبیر دے گا اور دائیں ہاتھ سے تعبیر و برکت مراد ہے۔

۱۵۔ خرچ کرتے وقت دل میں مفلسی کا خدشہ نہ ہو

رسول ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

”اے بلال! خرچ کرو اور عرش کے رب سے غربت کا ڈر نہ رکھ“

۱۶۔ صدقہ دینے کے بعد واپس نہ لے

محمد ﷺ نے فرمایا:- ”صدقہ دے کرو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی تانے چاٹتا ہے“

۱۷۔ اپنے قریبیوں اور رشتہ داروں کو اولیت دی جائے۔ محمد ﷺ نے فرمایا:-

”جو اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیتا ہے اس کے لیے دوا اجر ہیں ایک قرابت کا اور ایک صدقہ کا“

غربت میں دوسروں پر ایثار

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ...﴾ (۲۱۹:۲) ”محمد ﷺ سے سوال کرتے ہیں ہم

راہ الہی میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو“

ہر گھر میں خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو کوئی نہ کوئی شے وافر صورت میں موجود ہوتی ہے جو اس کی ضرورت سے وافر اور دوسرے کے لیے ضروری ہوتی ہے اس لیے حکم ہے کہ تم اپنی ہر وافر شے دوسرے احتیاج مندوں کے حوالے کر دو۔

﴿قَالُوا لِمَ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ . وَلِمَ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِينِ﴾ (۴۳:۴۳)

”وہ کہیں گے کہ ہم نہ نماز ادا کرتے اور نہ ہی مسکین کو کھانے کھلاتے تھے“

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نمازی خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو اس پر کچھ صدقات فرض ہیں خواہ

کسی صورت میں بھی ہو ﴿أَوْ اطْعَمَ فِي يَوْمٍ مَسْغَبَةٍ﴾ (۱۳:۹۰) انتہائی فاقہ کی حالت میں

بھی دوسرے حوائج مندوں کا خیال رکھتے ہیں انتہائی فاقہ کی حالت میں بھی دوسروں کی مصیبت کو ترجیح

دیتے ہیں ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) مقصود صرف

اس کی خوشنودی ہے کہ وہ اپنے اللہ والے کو لینے والے سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ اپنے رب کی رضا

کو ہر شے پر مقدم رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ ﴿مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَعُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ

بَاقٍ﴾ (۹۶:۱۶) جو اشیاء تم اس دنیا میں اپنے لیے جمع کر رہے ہو وہ مسلسل ختم ہوتی جائیں گی اور جو

اشیاء تو تم اپنے اللہ کے پاس جمع کر رہے ہو وہ تا ابد باقی رہیں گی۔

سوال یہ ہے کہ ہم اللہ کے پاس اپنی اشیاء کو کس طرح جمع کر سکتے ہیں قرآن میں ہے:-

﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) دوسری جگہ

﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ﴾ وہ اللہ کے ساتھ اپنی محبت ظاہر کرنے کے لیے اپنے مالوں کو مسکینوں،

قیموں، اسیروں اور بے بسوں پر خرچ کرتے ہیں اللہ کے پاس جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل حوائج کی ضروریات پوری کرتے رہو اس طرح تمہارا مال اللہ کے پاس جمع ہوتا رہے گا۔ لیکن ہم دنیا میں اپنی تمام کمائی کو اپنے لیے خرچ کرتے رہتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیک زندگی کی حدیں یہاں ختم ہو جاتی ہیں جن کے تصور میں آخرت کی زندگی ہر وقت سامنے رہتی ہے وہ دنیا اور آخرت کی زندگی کے لیے حسب مراتب خرچ کرتے رہتے ہیں۔

معیار قبولیت و رضاء الہی

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِّن رَّبًّا لِّيرْبُؤَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُؤُوا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (۲۹:۳۰) ”جو سودی قرض تم اس غرض سے دو کہ وہ انسانوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے یہ شے اللہ کے ہاں نہیں بڑھتی اور جو زکوٰۃ اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے دو گے تو یہی وہ انسان ہیں جو اللہ کے ہاں اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں“

نیکی میں مال خرچ کرنے کا طریقہ

جہاں نیکی میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں اس کے لیے یہ حکم ہے ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ﴾ ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) وہ مساکین، یتیموں اور دوسرے غریب انسانوں پر خرچ کرتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ رضا اور خوشنودی وہاں حاصل ہوتی ہے جب اس کے ساتھ محبت بھی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت نہ ہوگی انسان اپنے محبوب مال کو کسی دوسرے پر خرچ نہیں کر سکتا اور محبت کا دار و مدار معرفت پر ہوتا ہے حسن و جمال کی جتنی اعلیٰ معرفت ہوگی اتنے درجے کی محبت بھی زیادہ ہوگی انسان چونکہ مال کے ساتھ شدید محبت رکھتا ہے اس لیے جب اس محبت کے مقابلے میں اللہ کی محبت غالب نہ ہوگی۔ وہ اپنی جیب سے ایک پانی بھی نیکی پر خرچ نہیں کر سکتا آپ نے دیکھا ہوگا کہ انسان جب کسی حسین عورت پر یا بال بچوں پر اپنی دولت خرچ کرتا ہے۔ تو درمیان میں اصل محبت ہی کام کر رہی ہوتی ہے۔

دنیا کا نظام ہے انسان اپنی چھوٹی چھوٹی راحتوں کو چھوڑ کر دنیا کی بڑی بڑی راحتوں کو حاصل کر لیتا ہے دیکھئے ہر کام محنت سے ہوتا ہے محنت تب ہوتی ہے جب وہ اپنے آرام کو چھوڑ دے۔ انسان اگر اپنے آرام کو نہ چھوڑے گا تو وہ محنت کیسے کرے گا جب محنت نہ کرے گا تو اس کے پاس دام نہ ہوں گے تو پھر وہ اپنی زندگی کو کس طرح آرام سے گزارے گا اس سے معلوم ہوا کہ ہر راحت محنت سے حاصل ہوتی ہے اور محنت آرام کے چھوڑنے سے ہوتی ہے قرآن میں ابدی راحت کے حصول کے لیے یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے دنیا میں رات کو انسان جس آرام سے زیادہ حظ اٹھاتا ہے وہ نیند ہے نیند کا مزہ وہاں آتا ہے کہ بستر نرم و گرم ہو۔ انسان کو دنیا میں جس شے سے زیادہ سکون ملتا ہے وہ اللہ کی یاد ہے۔ ﴿الَّذِي يَذُكُرُ اللَّهَ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (۲۸: ۱۳) ”اللہ کے ذکر سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے“ اللہ کی یاد ہر مقام پر ہو سکتی ہے لیکن جس مقام پر انسان سے اپنا آرام چھوٹ جائے ایسے مقام میں اللہ کو یاد کرے تو یاد کے یہ چند لمحات موت کے بعد اس کے ابدی سکون میں تبدیل ہو جائیں گے یہ ابدی راحت تب حاصل ہوتی ہے جب انسان خود بھی اس راحت کے لیے اپنی محبوب راحتوں کو قربان کر دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس مال سے وہ راحت اٹھا رہا ہے وہ اپنی راحت کو کم کر کے دوسروں کی راحت کا خیال رکھتا رہے مال اور نیند کی قربانی سے اس کا انجام اچھا نکلے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی برکات

ہر نیکی کا آسان ہونا۔ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى. وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى. فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَى...﴾ (۹۲: ۵... ۷) ”جس نے انفاق و پرہیزگاری اختیار کی اور اچھے انجام کو سچ مانا پس ہم اس کو راحت کی منزل عطاء کریں گے“ ﴿فَسَنِيَرُهُ لِلْيُسْرَى﴾ سخاوت اور بذل اموال سے نیکی آسان ہوتی ہے، مصائب دور ہوتے ہیں، بخل سے تکالیف کے دروازے کھلتے ہیں حکمت کے دروازے۔ حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ الشيطان يعدكم الفقر. ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ...﴾ (۲: ۲۶۹) ”جسے چاہتا ہے حکمت عطاء کرتا ہے“

مال میں برکت ہونا۔ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ يُضِعُّ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ ”مثال ان انسانوں کی جو

راہ الہی میں خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ کرتا رہتا ہے“

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبُو وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (۲: ۲۷۶)

”اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا“

زکوٰۃ: ﴿تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (۳۰: ۳۹)

”اللہ کی رضا کے لیے تو یہی انسان ہیں جو اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں“

حدیث بخاری و مسلم میں ہے دو فرشتے ہیں۔ ایک سخاوت کرنے والے کے حق میں دعا کرتا ہے۔ دوسرا

بخیل کے لیے بربادی کی دعا مانگتا ہے (تذکیہ نفس، ص ۲۸۰)

﴿ان المبذرين كانوا اخوان الشيطين﴾

”مال میں اسراف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں“

انسان جب اپنے مال میں اسراف کرے گا اور مزخرف کھانوں کی دعوتیں کرے گا تو لازماً اس کے

ارد گرد گندے انسان اور نالائق احباب جمع ہو جائیں گے اس طرح آخر میں مال بھی ختم ہو جائے گا اور

ہمیشہ کے لیے گندے انسانوں میں پھنس جائے گا۔

انسان کی طبعی فطرت بخل اور شح ہے ﴿واحضرت الا نفس الشح﴾ ان کے دلوں کی

گہرائیوں میں بخل پیوست ہو چکا ہے ﴿ويمنعون الماعون﴾ جب یہ انسان ماچس سوئی برتن وغیرہ

اشیاء بھی استعمال کے لیے دوسروں کو نہیں دیتے وہ نیکی میں کثیر مال کیسے خرچ کر سکتے ہیں وہ زیادہ

ترزراندوزی اور شکم کی تعمیر پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اللہ صرف معبود نہیں محبوب بھی ہے

اللہ تعالیٰ صرف معبود نہیں بلکہ ساری کائنات سے زیادہ محبوب بھی ہے اللہ کو معبود بنانا انسان ہے

کہ ہر مصیبت میں اسے پکارتا رہتا ہے لیکن اسے محبوب بنانا بڑا مشکل مقام ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ

حُبًّا لِلَّهِ كَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴿۱۶۵﴾ (۲: ۱۶۵) ”انسانوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علا

اللہ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴿۱۶۵﴾ (۲: ۱۶۵) ”انسانوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علا

وہ دوسروں کو بھی شریک الوہیت قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنے لازم ہے جو ایمان والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے“

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (۹۲:۳) ”تم کامل نیکی کو کبھی نہیں پاسکو گے جب تک کہ تم اپنی محبوب شے کو خرچ نہیں کرو گے اور کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں ہے“

اس کامل نیکی کی قبولیت کا معیار اطاعت الہی اور اتباع رسول ہے اسی لیے فرمایا:-

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (۳۱:۳) ”اگر تم اللہ تعالیٰ کو اپنا محبوب بنا چاہو تو میری تابعداری کرو اور اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“

ان آیات میں ہے کہ کامل مومن وہ ہے، جس کے نزدیک اللہ اشد حبا کا درجہ رکھتا ہو اس میں مسلمان ہر وقت خیال رکھتا ہے کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جس سے میرا محبوب ناراض ہو جائے اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) دوسرے مقام پر آیا ہے ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا﴾ ”وہ اللہ کی محبت کو ظاہر کرنے لیے مساکین بے کس اور قیدی انسانوں کی خبر گیری کرتا رہتا ہے“

نیکی اور عمل:- اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا عمل کس شکل میں پہنچتا ہے۔

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ (۳۷:۲۲)

”قربانی کا عمل جانور کو ذبح کر کے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس عمل میں جانور کا گوشت و پوست اور حسن و جمال یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں جاتیں بلکہ اس عمل میں جو دل کی قلبی کیفیت تقویٰ کی صورت میں ہوتی ہے اس صورت میں اس قربانی کے عمل کی مقبولیت رکھی گئی ہے نیکی کا کوئی عمل اس کی کوئی نہ کوئی مادی صورت ہوتی ہے اس کا تعلق انسان کے مال اور جسم کے ساتھ ہوتا ہے ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸:۷۶) حاجت مندوں کی آمد

کرنے میں اس مال کی تعداد اور حجم کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ دینے والے کے دل میں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت کا استحضار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ اس کیفیت پر ہوتی ہے ذاتی المال علی حسبہ کا یہ مفہوم ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار اس آیت میں ﴿لَنْ تَسْأَلُوا لِبِرٍّ حَتَّى تَنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ﴾ (۹۲:۳) جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات جس قدر محبوب ہوگی اسی محبوبیت کے مطابق اپنی محبوب شے کو خرچ کرے گا ﴿وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (۱۲۲:۱۶) ”ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی بہت سی خوبیاں عطا کیں تھیں اور وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے“

دنیا کی حسنہ سے وہ اچھائی مراد ہے جس سے آخرت کی اچھائی بھی حاصل ہوتی ہے یعنی دنیا کی وہ نعمتیں جن کے ذریعے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی رہے دنیا کی یہ حسنہ اعلیٰ ہے دنیا کی جن نعمتوں کے ذریعے معاصی کے اسباب پیدا ہوتے رہتے ہیں اس حسنہ سے مراد کافر کی حسنہ ہے۔

اب اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں اس دنیا حسنہ کی وہ نعمتیں عطا فرمائیے جن کے ذریعے ہم آخرت کی نعمتوں کو حاصل کر سکیں اور آخرت کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان کا جسم عذاب سے بچ جائے۔ قرآن زندگی کو دو شعبوں میں تقسیم کر دیتا ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة۔ ”اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا اور آخرت میں بھی حسنات کی توفیق عطاء فرمائیے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائے رکھ“

قرآن میں جنت کی جن جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اصل میں ہم جن جن نیکیوں پر اس دنیا میں عمل کرتے رہے ہیں وہ نعمتیں ان ہی نیکیوں کی مجتہد صورتیں ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس دنیا میں نیکیوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور آخرت میں جو ان نیکیوں کی جنت میں مجتہد صورتیں ملیں

گی ان سے بھی بہرہ مند فرما۔ جب یہ دونوں اشیاء جمع ہو جائیں گی تو لازماً وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔ ان دونوں حسنات کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ جائے انسان اس دعا کو بڑی خشیت سے پڑھتا رہے اور اعمال صالحہ کرتا رہے تاکہ اسے دنیا و آخرت کی سرفرازی حاصل ہو۔ ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ انسان میں اتنی استعداد رکھی گئی ہے کہ وہ موت کے کنارے تک عبادت کر سکتا ہے۔

اولاد۔ اقارب اور اموال کو قرآن میں دشمن اور فتنہ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے یعنی ان سے محتاط رہتے ہوئے آخرت کا سفر کرنا ہے۔

اسلام میں خیرات کرنے کا طریقہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ (۲: ۲۶۷) ”اے ایمان والو! نیک کام میں اپنی کمائی میں سے طیب شے کو خرچ کیا کرو جسے ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا“ اس میں ہے رزق خواہ کسب یا پیداوار کے ذریعے حاصل ہو لہذا حلال رزق کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔

خیرات کرنے کا طریقہ: ﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَبِعَمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا﴾ (۲: ۲۷۱)

”اگر تم صدقات کو خواہ اعلانیہ خرچ کرو یا خفیہ کر کے دو یہ دونوں طریقے بہتر ہیں“

﴿وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ (۲: ۷۲) ”جو کچھ تم خرچ کرو اس سے صرف رضائے الہی

مقصود ہو تم رضائے الہی کے علاوہ خرچ نہیں کرتے ہو“

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافُوا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ

خَيْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢﴾ (۲: ۲۷۳) ”اللہ کی راہ میں صدقات ان مقید شدہ حاجت مندوں کا اصل حق ہے یہ ایسے انسان ہیں جو کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا امکان بھی نہیں رکھتے ناواقف انسان انہیں غنی خیال کرتے ہیں حالانکہ تم انہیں ان کی پیشانیوں سے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ کسی سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے جو مال تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا اچھی طرح علم ہے“

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۲: ۱۸۸) ”اے مسلمانو تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر نہ کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدموں کو حکام کے پاس اس غرض سے نہ لے جاؤ کہ اس کے ذریعے سے اموال کا ایک حصہ ظلم کر کے کھا جاؤ اگر تمہیں اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو“

خیرات مخفی اور اظہار دونوں طریقوں سے درست

دونوں میں ابتغاء و جہ اللہ ہو دوسرا محروم کو دینا زیادہ افضل ہے۔

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا لِعَقَبَةُ. فَكَّ رَقَبَةً. أَوْ اطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ.

يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ. أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ. ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (۱۱: ۹۰-۱۷) ”وہ انسان دین کی گھائی میں سے نہ ہو کر نکلا اور آپ کو معلوم ہے گھائی

سے مراد کیا ہے؟ وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے کسی رشتہ دار یتیم کو فاقہ کے دن کھانا کھلانا یا

کسی خاک نشین محتاج جو احکام الہیہ کا پابند ہو اور پھر سب سے بڑھ کر کہ وہ ان انسانوں میں سے جو

ایمان لائے اور ایک دوسرے کو ایمان کی پابندی اور ترک ظلم کی فہمائش کی“

خیرات میں بدلہ اور شکر گزاری بھی مطلوب نہ ہو

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ

مِنْكُمْ جَزَاءٌ وَلَا شُكُورًا (۹:۷۶) ”وہ انسان محض اللہ کی محبت سے غریب، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں محض رضائے الہی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں ہم آپ سے فعلی بدلہ اور نہ ہی اس کا قوی شکر یہ چاہتے ہیں“

نیکی میں مسارعت کا حکم

﴿فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۵۱:۵۰) ”تم رضائے الہی

کے لیے دوڑو میں تمہارے سمجھانے کے لیے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں“

﴿وَسَارِعُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

(۱۳۳:۳) ”تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کے مقام کی طرف دوڑو متقین کے لیے ایسی جنت تیار کی گئی

ہے جیسے سب آسمان اور زمین تم اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور اس جنت کی طرف مستعدی دکھاؤ

جس کا عرض زمین آسمان کے برابر ہے جو متقی انسانوں کے لیے تیار کی گئی ہے“

﴿سَابِقُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِيْمِ﴾ (۲۱:۵۷) ”تم اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف مسابقت کرو جس کی چوڑائی

کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھنے والوں کے لیے

تیار کی گئی ہے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عنایت کرے اللہ بڑے ہی فضل والا ہے“

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا...﴾ (۲۸:۵) ”خیر خواہی کے لیے ایک

دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے“

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْنَ اٰتٍ بِكُمْ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ (۱۳۸:۲)

”تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو خواہ تم کہیں ہو اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کر دے گا“

اس آیت میں عبادت کے لیے قبلہ کا تعین بتایا گیا ہے۔

﴿فَاسْتَبِقُوا الصِّرَاطَ فَإِنِّي يُبْصِرُونَ﴾ (۲۶:۳۶)

”پھر یہ آنکھوں کے بغیر راستہ کی طرف سبقت کرتے تو کس طرح دیکھ پاتے؟“

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ﴾

(۹۰:۲۱) ”بے شک انبیاء کرام خیرات کے کاموں میں سبقت اور امید و بیم کے ساتھ ہر حال میں ہماری

ہی عبادت کرنے والے تھے لہذا یہی انسان ہمارے سامنے خشیت عاجزی اختیار کرنے والے تھے“

اس کے دو مفہوم ہیں

(i) ایک یہ ہے کہ انسانی زندگی ہزاروں عوارض اور مصروفیات میں گھری ہوئی ہے ان عوارضات کا مقنا

بلہ کر کے نیکی کی طرف آگے بڑھنے کو مسارعت فی الخیرات کہتے ہیں۔

(ii) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں جن جن معاملات میں واسطہ پڑتا ہے ان میں اہمیت کے

لحاظ سے فرق کو ملحوظ رکھنا اور اولیت اور افضلیت کا امتیاز کر کے انہیں دوسرے کاموں پر ترجیح دینا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (۱۶۵:۲) ”انسانوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی

شریک الوہیت قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنا لازم ہے جو

ایمان والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی محبت ہے“ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا

تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (۹۱:۳) ”تم کامل نیکی کو کبھی نہیں پاسکو گے جب

تک کہ تم اپنی محبوب شے کو خرچ نہیں کرو گے جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ اللہ کے علم کامل میں ہے“

﴿وَآتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ

تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرُكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا آبَاءَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ
 الْقَصَصُ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٤٦﴾ (۱۷۶:۷) ”اے محمد ﷺ ان کو اس کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیات عنایت کیں وہ ان سے بالکل نکل ہی بھاگا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کی بدولت سر بلند کرتے لیکن وہ زمین ہی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا اس کی تمثیلی حالت کتے کی ہے اگر تم اس کو دھتکارو یا چھوڑ دو دونوں حالتوں میں زبان نکالے رکھتا ہے یہی تمثیلی حالت عام طور پر ان انسانوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ لہذا آپ اس حالت کو بیان کر دیجئے شاید وہ تدبر و تفکر کریں“

﴿وَمَا أَغْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمُونَنِي. قَالَ هُمْ أَوْلَاءٌ عَلَيَّ أَثَرِي وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى﴾ (۸۲:۲۰-۸۳) ”اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے اپنے گمان کے موافق عرض کیا کہ وہ یہی تو ہیں جو میرے پیچھے آرہے ہیں اور میں آپ کے پاس جلدی سے اس لیے چلا آیا ہوں کہ آپ زیادہ خوش ہونگے“

انجام نیکی: ﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ...﴾ (۱۲۰:۹) ”اہل مدینہ اور اس کے گرد و پیش کے اعراب کے لئے رسول ﷺ کا ساتھ اور اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھنا زیبا نہ تھا اس سبب سے کہ رسول ﷺ کے ساتھ جانے والوں کو راہ الہی میں جو پیاس، تھکاوٹ، بھوک اور موجب کفار کے غیظ و جاسوسی کے لئے جو قدم اٹھاتے ہیں۔ اس سبب سے ان کے نام ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے“

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (۲۹:۵۵) ”اس دن اسی کا تصرف کا ہوگا“

﴿هو اضحک و ابکی﴾ وہ مسرتوں اور کہیں خوشیوں کی بہاریں پھیلا رہا ہے اور کہیں ماتم اور غموں کے کانٹے بچھا رہا ہے۔

استقامت علی التوحید ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا نَفْصَامَ لَهَا﴾ (۲۵۶:۲) ”جس نے طاغوت کی کافرتی اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوطی پکڑی جو ٹوٹنے والی نہیں“ ومن جاء بالحسنة یہاں من عمل نہیں فرمایا بلکہ من جاء بالحسنة جو ہمارے پاس نیکیاں لے کر آئے گا موت کے کنارے تک نیکیوں کو لے جانا مقصود ہے۔ اسی طرح الامن اتی اللہ بقلب سلیم۔ اس کا بھی وہی مفہوم ہے کہ آخر دم تک قلب سلیم کی تعمیر کرتا رہے۔

دنیا میں نیکی کی مشکلات

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ (۲۱۳:۲) ”کیا تمہارا یہی خیال ہے کہ جنت میں بغیر مشقت کے داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں گزشتہ مسلمانوں کی طرح کا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا ان پر مخالفین کے سبب سے ایسی تنگی سختی اور مصائب سے ان کو یہاں تک جنبش ہوئی کہ اس زمانہ کے رسول اور ان کے ہمراہ اہل ایمان بھی بول اٹھے اللہ کی نصرت کا کب وعدہ پورا ہو گا یاد رکھئے! اللہ کی نصرت بہت قریب ہے“

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ. وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ.﴾ (۱۳۶:۳-۱۳۷)

”کتنے انبیاء گزرے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی اللہ کی طرف

سے جو مصائب ان پر نازل ہوئے اس میں انہوں نے خدہ ہمت ہاری اور نہ ہی وہ دشمنوں کے آگے جھکے
اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی مستقل مزاجوں سے محبت ہے جن کی زبان سے اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ اے
ہمارے رب! ہمارے گناہوں اور کاموں میں حد سے نکل جانے کو بخش دے لہذا ہم کو ثابت قدم اور
کافروں پر غالب کیجئے“

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾
(۱۷۹:۳) ”اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت میں نہیں رکھنا چاہتے ہیں جس پر تم اب ہو جب تک پاک
کو ناپاک سے متمیز نہ فرمادیں“

مشکلات کا تقابل۔ مشکلات کا تقابل وہ کر سکتا ہے جو عقل اور بصیرت کا حامل ہو مثلاً ایک انسان
سفر کر رہا ہے اس کے سامنے ایک پہاڑی آجاتی ہے وہ یہ کرتا ہے کہ پہلے اس پہاڑی کو کاٹا جائے تاکہ
راستہ صاف صاف ہو جائے اور اس میں آسانی کے ساتھ پار ہو جائیں دوسرا انسان جو صاحب
بصیرت ہوتا ہے وہ پہاڑی کو کاٹتا نہیں ہے بلکہ اس کے دونوں طرف گھوم کر گزرنے کا راستہ تلاش کرتا
ہے آخر اسے ایک طرف سے کوئی نہ کوئی راستہ مل جاتا ہے دوسرا حق وہ جو اس پہاڑی کو کاٹنے میں
میسروف ہو جاتا ہے اس طرح وہ اپنی تمام عمر بھی ضائع کر دیتا ہے پھر بھی اسے گزرنے کا راستہ نہیں ملتا
پانی کی مثال۔ پانی پہاڑیوں سے ٹکراتا نہیں بلکہ راستہ خود بخود تلاش کر کے اپنے سفر کو جاری رکھ کر
منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

ہر انسان کا عمل رہن ہے

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ (۳۸:۷۳) ”ہر انسان اپنے اعمال کے بدلے میں گزوی ہوگا
“اسی طرح بما کسب رہین۔ احاطت بہ خطیئہ بھی ایک دوسری کی تفسیر ہیں۔

ان آیات کی تفہیم سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں برائی اور نیکی کی اخروی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں انسان جس قسم کا عمل بھی کرتا ہے اس کے مطابق وہ پھیلی ہوئی شاخیں اسے پکڑ لیتی ہیں وہ ہاں تک اسے نہیں چھوڑتیں جب تک کہ وہ انسان آخرت میں اپنے برے یا بھلے انجام کو نہ پہنچ جائے اب اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اِنسان اس دنیا میں جو عمل کرتا ہے وہ عمل اسے اپنی گروی میں قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی موت کے بعد اپنے اخروی انجام کو پہنچ جاتا ہے

فی سبیل اللہ کی آمد کے مصارف

عصر حاضر میں دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے جدید حالات کے تقاضوں کے مطابق فی سبیل اللہ کی آمد کے مصارف کے بارے میں آئمہ اسلاف متقدمین و متاخرین کی آراء کو پیش کیا جاتا ہے ڈاکٹر عبدالحی ابرو لکھتے ہیں:-

ہمارے برصغیر کے مفتیان کرام اپنے تمام تر اخلاص اور دینی درد مندی کے باوجود دینی تقاضوں کو پیش نظر رکھنے اور ان کی اہمیت کا احساس کر کے اس کا حل ڈھونڈنے کے بجائے بسا اوقات محض متقدمین مولفین کی عبارتوں اور الفاظ تک ہی محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس عالم عرب کے ارباب افتا اشیاء کو وسیع تناظر میں اور شریعت کی روح اور اس کے عمومی مقاصد و مصالح کو پیش نظر رکھ کر فتاویٰ اور شاد کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہیں۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کی مداور ”تملیک“ کے حوالے سے عرب علماء کے فتاویٰ بھی قارئین کے سامنے رکھ دیے جائیں تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے (۱)

اس سے قبل جہاد کا اصل مفہوم اور جدید تقاضوں کی حقیقت پیش کی جاتی ہے

”ظہور اسلام کے وقت دنیا میں ہر طرف جہالت و بربریت کا راج تھا مصر میں یہودیت و نصرانیت کے مناظر ہوں نے انسانوں کا امن برباد کر دیا تھا، فارس میں زین، زراور زمین کے جھلنے

تھے۔ چین میں شاہ پرسی کا دور تھا عرب میں ڈاکہ زنی، زنا کاری، نشہ بازی، استحصال، قمار بازی، سود خوری، خونخواری، جدال و قتال، جھوٹ، فریب اور بددیانتی اپنے عروج پر تھی۔ عورت کی حیثیت اور وقار کچھ نہ تھا۔ ہر قبیلے کا معبود اپنا اپنا تھا۔ مجوسی آگ کی پرستش کرتے تھے۔ عیسائیوں نے عقیدہ تثلیث کے باعث تین بت کعبے میں رکھے ہوئے تھے دوسری طرف دہریوں نے اللہ، رسول اور آسمانی کتابوں کا انکار کر رکھا تھا اخلاقی پستی کا یہ عالم کہ مرد اپنی عورتوں کو جوئے میں دے آتے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے میں عار محسوس نہ کرتے بیٹیاں باعث ننگ عار سمجھی جاتی تھیں محمد ﷺ نے جب معاشرے کو ایک الہ اور ایک الہ کے احکامات کی طرف دعوت دی وہ پاک طینت انسان جنہوں نے آپ کی آواز پہ لبیک کہا انہیں روز اول سے جہاد کا مشن سونپ دیا گیا۔ یہ مشن، کوشش اور سرگرمی چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق اور احکام الہی کے نفاذ کے لیے تھی اس لیے اسے ”جہاد فی سبیل اللہ“ کہا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنا خاندان (کنبہ) فرمایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کنبہ کا خیال کرتے ہیں اس کا دکھ ہمارا دکھ اس کا سکھ ہمارا سکھ ہوتا ہے اسی طرح رب تعالیٰ نے مخلوق کو اپنا کنبہ فرما کر جماعت مومنین کو ساری انسانیت کے دکھ اور سکھ کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ رب تعالیٰ کی اس محبت کا اظہار قرآن کے اوراق سے ہوتا ہے جس کا آغاز ”اللہ“ سے ہوتا ہے اور اختتام ”الناس پر ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کو نفرت، غربت، دہشت گردی، تخریب کاری، جہالت، نا انصافی، بددیانتی اقلیتوں سے امتیازی سلوک اور استحصال سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ ”جہاد فی سبیل اللہ“ ہے۔

جہاد کی دو بنیادی اقسام ہیں:- اول۔ جہاد اکبر دوم۔ جہاد اصغر

جہاد اکبر۔ جہاد اکبر سے مراد جہاد بالنفس ہے اور یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے محمد ﷺ نے میدان

کارزار سے واپس آنے والے صحابہ سے فرمایا ”تمہارا آنا مبارک! تم جہاد اصغر (غزوہ) سے جہاد اکبر

کی طرف آئے ہو بندے کا بڑا جہاد اپنی خواہشات نفس سے لڑنا ہے“ (کنز العمال)

محمد ﷺ نے فرمایا ”بہترین جہاد یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے اپنے نفس اور خواہش سے جہاد کرو جہاد بالنفس کو جہاد اکبر قرار دیتے ہیں۔ ایک لطیف نکتہ ہے کہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن سے جہاد کیا اگر وہ انسان جہاد بالنفس کر چکے ہوتے تو ان سے کبھی جہاد بالسیف کی نوبت نہ آتی حق کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہی وہ ہے جو جہاد بالنفس کی منزل سے گزرا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا جہاد بالنفس ہی اصل بنیاد ہے اس (نفس) سے برسر پیکار رہنے سے انسانی ذات اور معاشرہ رقی کی منازل طے کرتے ہیں اس کے پیچھے چلنے سے ذات اور اجتماع دونوں زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔

ایک جنگ میں جب علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف کو زمین پر گرا لیا اور اس کے سینے پہ چڑھ بیٹھے تو اس نے آپ کے چہرے پہ تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کے سینے سے اٹھ گئے وہ بہت حیران ہوا کہنے لگا میں آپ کی گستاخی اور اہانت اس وقت کی جب میں آپ کے قابو میں تھا۔ آپ نے پھر بھی چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا جب میں تجھ سے لڑ رہا تھا اور لڑتے ہوئے تجھے گرا کر تیرے سینے پہ چڑھ بیٹھا تھا تو میری یہ لڑائی فی سبیل اللہ تھی لیکن جب تو نے یہ عمل قبیح کیا تو میرا نفس اس میں (Involve) ہو گیا اب میری دشمنی بھی شامل ہو گئی میں نہیں چاہتا کسی کو اپنی وجہ سے قتل کروں۔ جہاد بالسیف کرتے ہوئے جہاد بالنفس کا معاملہ پیش آیا تو جہاد بالنفس کو مقدم ٹھہرایا۔ معلوم ہوا جہاد بالنفس ”جہاد اکبر“ ہے جہاد بالنفس آغاز اپنے آپ سے لڑنا ہے اس کی انتہاء و کمال اعلیٰ اقدار کے تحفظ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینا ہے۔

جہاد اصغر:-

جہاد اصغر کی کئی اقسام ہیں یہ جہاد ہماری ساری زندگی اور اجزائے زندگی کو محیط ہے شر، فتنہ اور فساد کا کوئی بھی معاملہ ہو اس کے خلاف سرگرمی دکھانا غیر معمولی کوشش کرنا ”جہاد اصغر“ ہے۔

جہاد اصغر کی اقسام

- ۱۔ جہاد بالمال
- ۲۔ جہاد بالقلم
- ۳۔ جہاد بالعلم
- ۴۔ جہاد بالحنہ
- ۵۔ جہاد بالسيف

جہاد بالمال

درحقیقت جہاد بالمال ”انفاق فی سبیل اللہ“ ہے قرآن نے جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ محمد ﷺ نے مختلف غزوات و سرایا سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد بالمال کی ترغیب دی جہاد بالمال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد بالسيف کیا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے جہاد بالسيف کے ذریعے شہادت کا اعلیٰ مقام عطا کیا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان کارزار سے لوٹے انہیں جہاد بالنفس کی تلقین کی گئی۔ جہاد بالمال اس لیے بھی لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر ترقی یافتہ اور جدید دور میں کوئی قدم اٹھانا بہت مشکل ہے تعلیم کا میدان ہو یا ٹیکنالوجی کا، سائنس کی دنیا ہو یا سیاست کی، ہر میدان میں مسلمان مال کی قربانی سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ تعلیمی ادارے، ہسپتال، مساجد و جامعات ان سب کی تعمیر و ترقی اسی جذبے سے منسلک ہے۔ جہاد بالمال جہاں ”انفاق فی سبیل اللہ“ کی ایک صورت ہے وہاں جہاد بالنفس کا ایک شعبہ بھی ہے قرآن نے مال اور اولاد کو آزمائش قرار دیا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۲۸:۸)

”اور جان لو بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے“

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۱۵:۶۳)

”تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے“

ایک قوم غرور و تکبر کی وجہ سے ہی مال و اولاد کی کثرت کو قرار دیا ہے

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ (۳۵:۳۳)

”انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم عذاب نہیں دیئے جائیں گے“

اولاد کی محبت اور مال کا حرص بعض اوقات انسان کو غلط راہ کی ترغیب دیتے ہیں حق کی قبولیت اور سچائی کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا درحقیقت جہاد بالنفس ہے۔ ایمان والوں سے فرمایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخْرَجْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ وَآكُن مِنَ الصَّٰلِحِينَ

”اے ایمان والو تمہارے مال اور اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کریں اور جو ایسا فعل کرے تو یقیناً وہ انسان نقصان اٹھانے والے ہیں اور جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو پیشتر اس سے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ کہے اے میرے رب اگر تو مجھے تھوڑے سے وقت کی مہلت دے دے تو میں صدقہ دوں اور نیک انسانوں میں سے ہو جاؤں“

جہاد بالمال اور قرآن

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ... (۸:۷۲)

”بے شک وہ انسان جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا“ ان کے متعلق ایک آیت سے آگے فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (۸:۷۳)

”جو انسان ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے جگہ دی اور نصرت کی وہی حقیقتاً ایمان والے ہیں ان کے لیے بخشش اور پروقا ررزق ہے“

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَا جُرُوا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً
عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (۲۰:۹)

”وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی انسان کامیاب ہیں۔“

لَكِنَّ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۸۸:۹)

”لیکن رسول اور وہ انسان جو ایمان لائے ان کے ساتھ (انہوں نے) جہاد کیا اپنے مال کے ساتھ اپنی جانوں کے ساتھ اور انہیں کے لیے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں“

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (۱۵:۹۰) ”یقیناً ایمان والے تو وہی انسان ہیں جو اللہ
اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر شک نہیں کرتے اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ
کی راہ میں جہاد کیا پس وہی انسان ایمان میں سچے ہیں“

مندرجہ بالا آیات میں جہاد بالمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے خاص عنایات سے نوازا ہے اللہ نے ان کو ”مومن حق“ اور ”صادق“ فرمایا ہے یہ ان انسانوں کی شان ہے جو مال سے جہاد کرنے والے ہیں، اسی سند و اعزاز سے وہ مغفرت، رزق کریم اور درجہ عظیمہ کے حقدار ہو کر
”مفلح“ بن گئے مومن اپنے مال و دولت سے جو خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قرضہ حسنہ فرماتا ہے۔

إِنْ تَقْرَضُوا مِنَ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا يَضْعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ
حَلِيمٌ (۱۷:۶۳) ”اگر تم اللہ کو قرضہ حسنہ دو گے تو وہ تمہیں اس کا دو گنا دے گا اور تمہیں بخش دے گا
اور اللہ فضل اور حلم والا ہے۔“

اس مقام پہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ”جہاد بالمال“ کے جذبے کے لیے مزید تقویت کا باعث بنے گا۔ آپ کی شخصیت ایک گلدستہ کی طرح ہے جس میں ایمان و اتقاء کا پھول بھی ہے محبت و خدمت کی کلی شرم و حیا کی چنبیلی بھی ہے اور جو دو سخا کا گلاب بھی۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جب محمد ﷺ نے جہاد بالمال کی ترغیب دی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی ”میں ایک سوانٹ مع پالان اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں محمد ﷺ نے دوسری بار ترغیب دی تو آپ پھر کھڑے ہوئے اور دو سوانٹ اللہ کی راہ میں پیش کئے محمد ﷺ نے تیسری بار ترغیب دی تو پھر آپ نے تین سوانٹ اللہ کی راہ میں دیے۔

جہاد بالقلم

قرآن میں دو مقام پر قلم اور دو مقام پر اقلام استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن کی ایک سورت کا نام القلم ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ”سورۃ العلق“ کی پہلی پانچ آیات رسول ﷺ پہ نازل فرمائیں

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۹۶: ۱-۵)

”اے رسول ﷺ اپنے رب کے اسم کی معرفت کا فہم حاصل کیجئے۔ جس نے تخلیق کیا انسان کو خون کی پھٹک سے پھر اپنے رب کی معرفت کا فہم حاصل کیجئے جو کہ سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا“

اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں ”علم و قلم“ کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے لکھنے والے کے پاس قلم ایک امانت ہے جو اس کے تقدس اور وقار کو بیچتا ہے وہ اپنے ضمیر کا سودا کرتا ہے درحقیقت قرآن نے علم و قلم کے بیان سے مسلمان کی ذمہ داریوں میں سے ایک اور ذمہ داری کا اضافہ کیا ہے۔

جہاد بالقلم کے مختلف محاذ ہیں:-

- ۱۔ سیاسی محاذ ۲۔ معاشرتی محاذ ۳۔ معاشی محاذ ۴۔ دینی محاذ ۵۔ اخلاقی محاذ
۶۔ بین الاقوامی محاذ

ان محاذوں پہ۔ سکالر، صحافی اور سیاستدان مجاہد فی سبیل اللہ بن کر جہاد کرتے ہیں اگر معاشرہ مذہبی و اخلاقی بے رہ روی کا شکار ہو رہا ہو، افراد معاشرہ تعلیم و شعور ہونے کے باوجود الحادیت و گمراہی اور لادینیت کا رسیا ہو رہا ہو تو وہ سکالرز جنہیں جدید دور کے تقاضوں کو دین کے آفاقی تصور میں Define کرنے کی صلاحیت حاصل ہو وہ جہاد بالقلم کریں۔ مستشرقین کے پھیلانے ہوئے شکوک و شبہات کا تسلی بخش جواب دیں۔ امریکہ و یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کے معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی مسائل باقی مسلم دنیا کے مسائل بالکل جدا ہیں ان کے مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ناممکن ہے۔ وہ سکالرز جو یورپ میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی تلاش کریں۔

ایک ملک کا صحافی غیر منصفانہ نظام، استحصالی نظام، جاگیر دارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ نظام کے مکروہ چہرے سے نقاب الٹ کر عوام کو ان کا اصل چہرہ دکھاتا ہے۔ معاشرتی خرابیوں اور ملک دشمن قوتوں کے خلاف جہاد بالقلم کرتا ہے۔ سیاستدان اپنے ملک کے سیاسی، معاشی حالات کو بہتر طور پر جانتا ہے اسے بین الاقوامی حالات کا علم بھی ہوتا ہے اگر عوام کو حقیقی سیاسی شعور حاصل ہو جائے تو وہ دھوکہ اور فریب سے محفوظ رہے گی۔ اندرون ملک یا بیرون ملک اپنے دین اور ملک کی خاطر جہاد بالقلم ایک سیاستدان بہتر طریقے سے کرتا ہے جس طرح فوجی ملکی سرحدوں کی حفاظت ہتھیار سے کرتا ہے اسی طرح ایک سکالر سیاستدان اور صحافی اپنے ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت جہاد بالقلم سے کرتا ہے پڑھا لکھا دشمن ہمیشہ نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی حملے کرتا ہے۔ اس کا انداز جنگ بہت خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے۔ معاشرے کے یہ تین افراد ان محاذوں پر جرات مندانہ طریقے سے جہاد کر سکتے ہیں میرے خیال کے مطابق آج ترقی یافتہ دور میں اس کی اہمیت بڑھ چکی ہے۔ انٹرنیٹ اسی کی ایک

Advanced شکل ہے۔ ہم ہر طرح کی خبر ہر ملک کی خبر انٹرنیٹ کے ذریعے، پڑھ سکتے ہیں۔

جہاد بالعلم :- جہاد کی اقسام میں سے ایک قسم ”جہاد بالعلم“ ہے۔ علماء کے نزدیک یہ قسم جہاد بالنفس کے قریب درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا فرشتوں سے تخلیق آدم کا ذکر کیا فرشتوں نے عرض کی۔ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ

الْدِمَاءَ (۲: ۳۰) ”کیا تو اسے تخلیق کرے گا جو زمین میں فساد پھیلانے گا اور خون خرابہ کرے گا“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جو میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں“ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کے سامنے پیش کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا مجھے ان اشیاء کے نام بتاؤ لیکن فرشتوں نے عرض کی ہمارے پاس تو اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا تو آدم نے نام بتا دیے۔ اشیاء کے نام سے مراد کائناتی علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ذریعے سے اولاد آدم کو عطاء کیے آدم علیہ السلام خلافت کے منصب پر فائز ہی علم کے باعث ہوئے تھے اور فرشتوں پر برتری کی وجہ بھی تکوینی علوم تھے علوم کائنات کا دینہ سینہ آدم کو بنایا گیا۔ قرآن کا مخاطب بالعموم انسان اور بالخصوص مومن ہے۔ کائنات کے چھپے خزانے مومن کی میراث ہے۔ (۲)

مجلس الجمع الفقہی الاسلامی کا فیصلہ

سب سے پہلے عالم اسلام کے فتویٰ کے ایک نمائندہ ادارے ”مجلس الجمع الفقہی الاسلامی“ کے

فیصلہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے اس مجلس میں پوری اسلامی دنیا کے چیدہ چیدہ علماء کی نمائندگی موجود

ہے یہ مجلس ہر سال نئے پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کے لیے اپنے اجلاس منعقد کرتی اور اس سلسلے میں

ایک اجماعی یا اکثریتی رائے دیتی رہتی ہے ”فی سبیل اللہ“ کی مدد کے حوالے سے فقہی مجلس نے مورخہ

۱۳۰۸/۲/۲۷ھ - ۱۳۰۵/۵/۸ھ کو مکہ مکرمہ میں ہونے والے اپنے اجلاس میں درج ذیل فیصلہ کیا ہے

”الجمع الفقہی الاسلامی“ کی مجلس نے مکہ مکرمہ میں مورخہ ۱۳۰۵/۲/۲۷ھ - ۱۳۰۵/۵/۸ھ کو ہونے

والے اپنے آٹھویں اجلاس میں مصارفِ زکوٰۃ کی آیت میں ذکر کردہ مصرف ”فی سبیل اللہ“ کے معنی پر غور خوض کیا اور بحث و مباحثہ کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱۔ آیت کے الفاظ ”فی سبیل اللہ“ کا مفہوم قتال کے ساتھ ہی مخصوص ہے یہ جمہور علماء کی رائے ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کی مد سے زکوٰۃ کے معنی صرف اللہ کی راہ میں بالفعل قتال کرنے والے مجاہدین ہی ہوں گے۔

۲۔ سبیل اللہ، نیکی اور رفاہ عامہ کے ہر کام کو شامل ہے جس سے مسلمانوں کو دینی یا دنیوی لحاظ سے فائدہ پہنچے، جیسے مساجد کی تعمیر اور مرمت، مدارس اور سرائے، مسافر خانوں کا قیام اور سڑکوں کی تعمیر وغیرہ یہ قول چند متقدمین علماء کا ہے مگر اسے بہت سے متاخرین نے اختیار کیا ہے تبادولہ خیالات اور دونوں فریقوں کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد مجلس نے اکثریت سے درج ذیل فیصلہ کیا۔

۱۔ چونکہ دوسری رائے بھی علماء کی ایک گروہ کی ہے اور بعض آیات سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ... (۲: ۲۶۱) نیز بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ ایک انسان نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا اور اس کی بیوی حج پر جانا چاہتی تھی تو محمد ﷺ نے فرمایا ”تو نے اس اونٹ پر سفر کیوں نہیں کیا، اس لیے حج بھی فی سبیل اللہ ہی ہے“ (۳)

۲۔ مزید یہ کہ اسلحہ سے جہاد و قتال، اللہ کے کلمہ کا بول بالا کرنے کے لیے اور داعیانِ دین کی تیاری اور انہیں ان کے فرائض کی ادائیگی میں تعاون فراہم کرنے سے بھی دین کی نشر و اشاعت ہی پیش نظر ہوتی ہے لہذا دونوں اشیاء جہاد میں شامل ہیں۔ جیسا کہ امام احمد اور نسائی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”مشرکین سے اپنے مال، جان، زبان، ہر ذریعے سے جہاد کرو“ (۴)

۳۔ جیسا کہ نظریہ و عقیدہ کے میدانوں میں اہل الحاد، یہود نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ دین اسلام سے برسر

پیکار ہیں انہیں بھرپور مادی اور معنوی پشت پناہی حاصل ہے لہذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان کا اسی
اسلحہ سے بلکہ اس سے شدید اسلحہ سے مقابلہ کریں جس سے وہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

۴۔ مزید یہ کہ اسلامی ممالک میں جنگ اور دفاع کے لیے الگ شعبے اور وزارتیں قائم ہیں اور ہر ملک
میں اس کے لیے بجٹ میں رقم مخصوص کی جاتی ہے، جبکہ دعوت دین کے میدان جہاد کے لیے اکثر
اسلامی ممالک کے بجٹ میں کوئی رقم نہیں رکھی جاتی۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر مجلس نے بھاری اکثریت سے یہ طے کیا کہ دعوت الی اللہ اور اسے
قوت و طاقت بہم پہنچانے والے امور اور سرگرمیاں ”فی سبیل اللہ“ کے قرآنی الفاظ شامل ہیں۔

اس فیصلے پر مجلس کے ایک ممبر، سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ محمد بن ابراہیم نے یہ اضافہ فرمایا
”یہاں ایک ضروری شے ہے جس پر رقم کی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے اور وہ ہے دعوت الی اللہ اور دین
کے حوالے سے شکوک و شبہات رفع کرنے کے لیے مالی قوت فراہم کرنا۔ بلاشبہ یہ بات جہاد میں
شامل ہے بلکہ سب سے بڑی اللہ کی راہ (اعظم سبیل اللہ) ہے“

سعودی عرب کی سپریم علماء کونسل کے ممبر الشیخ عبداللہ جبرین سے فقہی مجلس کے اس فیصلے کے
بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔

”ان معروف علماء نے بالکل ٹھیک کیا ہے اور درست رائے دی ہے اس سے مسلمانوں کی مشکلات
حل ہوں گی دعوت و ارشاد کا کام کرنے والوں کو تائید و مدد حاصل ہوگی، دین کی دعوت کو فروغ ملے گا
اور مشرکین کا زور ٹوٹے گا۔ بلاشبہ سبیل اللہ سے مراد وہ راستہ ہے جو اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔“

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ (۱۶: ۵) اللہ تعالیٰ وہ راہ دکھاتا ہے جو اس پر
چلنے والے کو سلامتی کی طرف لے جاتی ہے، چنانچہ ہر وہ نیک عمل جو اللہ کے قریب کر دے اور اس کی
رضا مندی اور جنت کی طرف لے جائے وہ سبیل اللہ کی قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوٰۃ

کی آیت میں پہلے ان انسانوں کے اوصاف گنوائے جو اپنی ذاتی ضرورت کی بنا پر زکوٰۃ کے مستحق ہیں جیسے فقیر، نڈار، مقروض، موثقتہ القلوب اور مسافر وغیرہ۔ پھر باقی مصارف کو فی سبیل اللہ کے عمومی الفاظ سے ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو بھی ”اپنے راستہ میں“ قرار دیا ہے۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاعِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً (۴: ۱۰۰)

بلاشبہ اللہ کے دین کی دعوت، دین کی خوبیاں بیان کرنے اور پھیلانے، اہل الحاد اور باطل پرستوں کا رد کفار و منافقین کی طرف سے پھیلانے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ اور توڑ، یہ باتیں اللہ کی مدد کرنے اور اس کے پسندیدہ دین کی نشر و اشاعت کرنے میں شامل ہیں اگر یہ محاذ بے توجہی کا شکار ہو جائے اور انسان اس پر خرچ نہ کریں اور اسے آگے نہ بڑھائیں اور داعیان حق کی کفالت کا انتظام نہ کریں تو ان مدات پر زکوٰۃ کی رقم لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان مدات میں قرآن اور دینی کتب کی طباعت و اشاعت، کیسٹوں اور انٹرنیٹ کے پروگرامات کی تیاری وغیرہ شامل ہیں۔

(جن کے متعلق سائل نے پوچھا ہے) (۵)

جامعۃ الازہر کا فتویٰ

جامعۃ الازہر کی فتویٰ کمیٹی سے پوچھا گیا کہ مصر کے ایک علاقہ میں جہاں مسلمان بڑی تعداد میں بستے ہیں اور وہاں مساجد کی قلت ہے، ایک مخیر انسان زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر کرنے چاہتے ہیں، کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ اس استفتا کا جواب اس وقت کے شیخ الازہر عبدالحمید سلیم نے دیا جو درج ذیل ہے۔

”مسجد وغیرہ کی تعمیر اور اس طرح کے دیگر رفاہ عامہ کے ایسے کاموں کے لیے بعض فقہاء کی رائے میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے جنہیں تملیک نہیں ہوتی۔ ان فقہانے اس کے جواز کے لیے آیت کے لفظ ”فی سبیل اللہ“ کے عموم نے استدلال کیا ہے، اگرچہ آئمہ اربعہ کی رائے یہ نہیں

ہے مگر جو رائے ہم اختیار کر رہے ہیں، وہ تفسیر رازی میں یوں مذکور ہے۔

”یہ جان لو کہ ”فی سبیل اللہ“ کے ظاہر الفاظ سے مال زکوٰۃ کا صرف قتال کرنے والے مجاہدین تک محدود کر دینا نہیں آتا، اسی لیے قتال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کی یہ رائے نقل کی ہے کہ وہ مردوں کی تکفین و تدفین، قلعوں اور مساجد کی تعمیر وغیرہ جیسے کاموں پر خرچ کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ ”فی سبیل اللہ“ کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے اور اس میں یہ اشیاء شامل ہیں“ (بدائع الصنائع کے مولف امام کاسانی حنفی نے بھی ”فی سبیل اللہ“ کا مفہوم نیکی کے تمام کام بیان کیا ہے)

”ابن قدامہ المغنی میں پہلے تو یہ بیان کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے جن مصارف کی صراحت فرمائی ہے، ان کے علاوہ کسی اور مد جیسے مساجد، پلوں اور سڑکوں کی تعمیر پر زکوٰۃ کی رقم نہیں لگائی جاسکتی“ پھر کہتے ہیں ”مگر انس رضی اللہ عنہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر پر جو رقم خرچ کی جائے گی، وہ تو دیر پارہنے والی زکوٰۃ اور صدقہ جاریہ ہے، مگر پہلی رائے زیادہ درست ہے، اس لیے کہ ﴿انما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ میں انما حصر اور اثبات کے لیے ہے اس سے مذکورہ

مصارف کا اثبات اور ان کے علاوہ دیگر کی نفی ہوتی ہے“ ابن قدامہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ رفاہ عامہ کے کاموں (مساجد اور سڑکوں اور پلوں کی تعمیر وغیرہ) پر زکوٰۃ کی رقم کے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں۔ ابن قدامہ اس کا رد کیا ہے وہ و قبح نہیں، اس لیے کہ رفاہ عامہ کے ان کاموں کا مصارف زکوٰۃ میں شامل ہونا ”فی سبیل اللہ“ کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے خود اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے اس لیے کتاب ”الروض النضیر“ کی شرح کے مولف نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں جن فقہاء نے میت کی تکفین و تدفین کے لیے مسجد کی تعمیر (جیسے رفاہ عامہ کے کاموں) پر زکوٰۃ کے مال میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ اشیاء سبیل اللہ کی صنف میں شامل ہیں، اس لیے کہ سبیل اللہ کا مفہوم ہر نیک کام کو شامل ہے، اگرچہ آغاز

اسلام میں بکثرت پیش آنے کی وجہ سے وہ اپنے وسیع تر مدلولات کے فقط ایک ہی فرد یعنی جہاد قتال کے لیے زیادہ بولا جانے لگا تھا، جیسا کہ اس طرح کی کئی مثالیں ہیں مگر اس معنی و مفہوم نے حقیقت عرفی کی حیثیت اختیار نہیں کر لی چنانچہ اس لفظ کا اپنا اصل مفہوم باقی ہے اس میں ان تمام اقسام کی نیکی کے کام شامل ہیں جس کا مصلحت عامہ یا خاصہ تقاضا کرتی ہو الا یہ کہ کوئی مخصوص دلیل میں استثناء کر دے۔ حاصل کلام یہ کہ ہمیں جو رائے زیادہ راجح نظر آتی ہے وہ رائے ہے جو بعض فقہانے دی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر اور اس طرح کے دیگر نیکی اور رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی جاسکتی ہے اور ایسا کرنے سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور اسے پورا ثواب ملتا ہے (۶)

فتویٰ کمیٹی کی رائے

سوال:- زکوٰۃ کا ایک مصرف ”فی سبیل اللہ“ ہے، کیا اس کا مفہوم صرف جہاد بمعنی قتال اور مجاہدین کو ساز و سامان کی فراہمی تک محدود ہے یا اس میں ہر وہ شے شامل ہے جن میں دین کا بھلا ہو؟

جواب:- کمیٹی کی رائے ہے کہ ”سبیل اللہ“ سے مراد نیکی کی راہ ہے۔ بعض علمائے متاخرین کی رائے میں نیکی کا ہر کام مصارف زکوٰۃ میں شامل ہے، مگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا جو انسان جائزہ لے گا، اسے یہ نظر آئے گا کہ یہ لفظ جہاد ہی کے حوالے سے استعمال ہوا ہے مگر جہاد جیسا کہ اسلحہ سے ہو سکتا ہے، معاشرہ کی ضرورت کے لحاظ سے دعوت الی اللہ کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے فتویٰ کمیٹی نے اس حوالے سے پوچھے جانے والے تمام استفسارات کے بارے میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ہر وہ سرگرمی جو دعوت دین یا دفاع اسلام کے حوالے سے ہو، چاہے اسلحہ کے ذریعے سے ہو یا کسی اور ذریعے سے وہ ”فی سبیل اللہ“ اور مصارف زکوٰۃ میں شامل ہے۔ (۷)

س: زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کی مد سے کیا مراد ہے؟

ج: تیر و تلوار کی طرح قلم اور زبان سے بھی جہاد ہوتا ہے جہاد کبھی فکری ہوتا ہے کبھی تربیتی، کبھی اقتصادی

اور کبھی سیاسی، بالکل اسی طرح جس طرح عسکری جہاد ہوتا ہے بہر حال ہر نوع کے جہاد کے لیے امداد اور سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، اہم ترین شے یہ ہے کہ ان سب میں بنیادی شرط پائی جاتی ہو اور وہ ہے فی سبیل اللہ۔ یعنی ان تمام کوششوں کا مقصد اسلام کی نصرت اور زمین پر اللہ کے کلمے کی سر بلندی ہو بلکہ میری رائے میں تو فکری جہاد جس میں دعوتی ذرائع ابلاغ کے اداروں کا قیام بھی شامل ہے کبھی کبھار فوجی جہاد سے بھی اولیٰ ہو جاتا ہے۔

اگرچہ مذاہب اربعہ کے قدیم فقہاء کی اکثریت نے زکوٰۃ کی اس مد کو غازیوں کو ساز و سامان سے مسلح کرنے کے لیے مخصوص کیا ہے جیسے گھوڑے، جنگی اسلحہ اور سواری وغیرہ مہیا کرنا، لیکن ہم اس میں اپنے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے اضافہ کر سکتے ہیں اور وہ غازی بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں جو قلوب و اذہان کو اسلامی تعلیمات سے روشن کرنے کے لیے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں اور اپنی زبانیں اور قلم، عقائد اسلام اور شریعت اسلامیہ کے دفاع کے لیے وقف کیے رکھتے ہیں جہاد کی یہ قسم بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ محمد ﷺ نے فرمایا:-

جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔

جہاد کی جن اقسام کا ہم نے ذکر کیا ہے اگر یہ بطور نص جہاد میں شامل نہ بھی ہوں تو قیاساً انہیں جہاد کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے کیوں کہ دونوں کا مقصد غلبہ اسلام، شریعت اسلامیہ کا دفاع، دین کے دشمنوں کی مزاحمت اور اللہ کے کلمے کو زمین میں غالب کرنا ہے، بلکہ فی سبیل اللہ کی مدد کو اس دور میں، ثقافت، تربیت اور ذرائع ابلاغ میں صرف کرنا اولیٰ ہے بشرطیکہ یہ صحیح اور اسلامی ہوں مثلاً خالص اسلامی اخبار جاری کرنا جو کہ گمراہ کن صحیفوں کا پوری طرح مقابلہ کر سکے اور اللہ کا کلمہ بلند کر سکے، حق و انصاف کی بات کر سکے اور اسلام کے خلاف افترا پردازوں کا رد کر سکے گمراہ لوگوں کے شکوک و شبہات کو رفع کر سکے اور دین کی صحیح تعلیمات کے بغیر کسی خذف و اضافہ کے ٹھیک ٹھیک انسانوں تک

پہنچا سکے ایک اسلامی کتاب کی طباعت بھی فی سبیل اللہ کی مد میں شامل ہے جو اچھے طریقے سے اسلام کا تعارف پیش کر سکے اور اسلام کے جوہر کو دنیا کے سامنے نمایاں کر سکے، اس کی تعلیمات کے حسن و جمال کو نمایاں اور مخالفین کے باطل دعوؤں کو جھوٹا کر سکے انہیں صفات کی حامل کتاب کو ری پرنٹ کر کے وسیع پیمانے پر پھیلانا بھی اس مد میں شامل ہے۔

ایسے امانت دار اور مخلص انسانوں کو مذکورہ کاموں کے لیے فارغ کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں شامل ہے جو اس دین کی خدمت کے لیے منصوبہ بندی کر سکیں اور چار دانگ عالم میں اسے پھیلا سکیں، دشمن کی چالوں کا توڑ کر سکیں، اسلام کے سوائے ہونے بیٹوں کو بیدار کر سکیں اور نصرانیت، لادینیت، اباحت اور سیکولر ازم کا مقابلہ کر سکیں ان اسلامی داعیوں کی معاونت کرنا جن کے خلاف خارج کی اسلام دشمن طاقتیں مقامی سرکش اور دین اسلام کے باغیوں کی مدد سے سازشوں میں مصروف ہیں یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے مذکورہ متعدد مددات میں زکوٰۃ اور صدقات صرف کرنا بدرجہ اولیٰ ہیں خاص طور پر اسلام کی اجنبیت کے اس زمانے میں (۸)

مصادر و مراجع

- (۱) ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، اکتوبر ۲۰۰۶ء (۲) ماہنامہ روح بلند نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۱۹ (۳) کتاب المناسک، حدیث ۱۹۸۹ (۴) مسند احمد حدیث ۸۳۷، نسائی حدیث ۳۰۹۶، ابو داؤد حدیث ۲۵۰۴ (۵) فتاویٰ علماء البلد الحرام، مرتب: خالد الجریسی، موسسہ الجریسی الریاض ۱۹۹۹-ص ۲۶۷-۲۷۲ (۶) فتاویٰ الزکوٰۃ، بیت الزکوٰۃ کویت ۱۹۸۸-ع، ص ۱۵۰-۱۵۱ بحوالہ الفتاویٰ الاسلامیہ - الازہر (۷) فتاویٰ الزکوٰۃ حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۰ اللجنة الفتویٰ ووزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، الکویت، فتویٰ نمبر ۸/۸۲) ماہنامہ الشریعہ، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۷ -
- (۸) یوسف قرضاوی، المجمع کویت، شمارہ ۱۶۸۵، ۲۷ جنوری ۲۰۰۶ (ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ۹۶،

اسلامی طرز تجارت

باب ۹

لغوی مفہوم:۔ تجارت لغوی معنی سوداگری اور سرمایہ کے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم:۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں:۔

التجارة التصرف في راس المال طلباء للربح

”تجارت اصل سرمایہ میں اس طرح تصرف کرنے کا نام ہے جس سے منافع ہو“

اہمیت تجارت

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (۲۹:۳)

”اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل طریقہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع کماؤ“

محمد ﷺ نے فرمایا:۔ علیکم بالتجارة فان فيها تسعة اعشار الرزق ”تجارت کیا کرو اس میں رزق کا 9/10 حصہ ہے“ رسول ﷺ نے فرمایا:۔ التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصدیقین والشهداء ”سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

مندرجہ بالا نصوص سے تجارت کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور ان میں تاجروں کے لیے خوشگوار انجام کی نوید سنائی گئی ہے اور یہ وہی پیشہ ہے جسے رسولوں، صحابہ، تابعین اور دیگر آئمہ عظام نے اختیار کیا ابراہیم، اسماعیل، شعیب، صالح، یحییٰ اور زکریا علیہم السلام مختلف اشیاء کی تجارت کے پیشہ سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ نے نبوت سے قبل بارہ سال تک تجارت کی تھی اور اس قدر ترقی اور وسعت نصیب ہوئی کہ محمد ﷺ کا مال تجارت شام، یمن، حبشہ اور بحرین وغیرہ کی منڈیوں میں بکنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں محمد ﷺ نے دو مرتبہ ملک شام کی طرف سفر بھی کیا ابوداؤد میں سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اعلان نبوت سے قبل میرے شریک تجارت تھے معاملہ ہمیشہ صاف فرماتے“ (تاریخ ابن جریر)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کیڑے کے بہت بڑے تاجر تھے خود فرماتے ہیں:۔

لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن مؤنة اهلی

”میری قوم خوب جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی کفالت سے عاجز نہیں ہے“

مقام نخ پر مدینہ میں آپ کا کپڑے کا کارخانہ تھا۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت بڑے سوداگر تھے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو سعد رضی اللہ عنہ مالدار انسان تھے انہوں نے عبدالرحمن رضی اللہ کو آدھا مال دینا چاہا تو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

بارک اللہ لک فی اہلک و مالک دلونی علی السوق (بخاری)

”اللہ آپ کے اہل و عیال اور مال میں برکت دے تم مجھے بازار کا راستہ بتا دو“

چنانچہ انہوں نے تجارت کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں دوسروں سے بے نیاز ہو گئے۔ اس طرح طلحہ وزیر رضی اللہ عنہما بہت بڑے تاجر تھے (الاستیعاب) امام ابوحنیفہ بھی کپڑے کی تجارت کرتے، امام بخاری کپڑوں کے تاجر تھے۔ مشہور محدث خالد الخذاء امام قدوری اور علامہ کرنی سب پیشہ تجارت سے منسلک تھے۔

تاریخی پس منظر

پیشہ تجارت کی تاریخ پر اگر نظر دوڑائی جائے تو یہ تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسان کی تاریخ ہے۔ احتیاج برائے معادلہ کی قدامت کے ڈانڈے اس وقت سے ملتے ہیں جس دن اور جس وقت پہلے پہل دو انسانوں نے آپس میں اپنی دو مطلوبہ اشیاء کا تبادلہ کیا تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یونانیوں نے اس پیشہ کو بام عروج بخشا اور بابل شہر عالمی منڈی بن کر منصہ شہود پر ابھرا پھر رومیوں کا دور آیا اور تجارت زوال پذیر ہو گئی۔ پھر عرب کی طرف تجارت کا رخ پھرا اگرچہ وہاں کی کاشتکاری اور صنعت و حرفت کا بھی دور تھا لیکن عرب کی ریتلی اور چٹیل زمین نے عربوں کو تجارت پیشہ بنا دیا۔ قریش کے تجارتی قافلے، منڈیاں، درآمدات، برآمدات، تجارتی معاہدے، رائج سکے اور وزن کے پیمانے تاریخ تجارت کا ایک حصہ ہیں۔

﴿لَا يَلْفِ قَرَيْشٍ. الْفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ. الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ (۱۰۶: ۱) ”قریش کے دلوں میں الفت ڈالنے

کے سبب سے جو سردی اور گرمی کے سفر کے ساتھ ان کو ہے۔ اس نعمت کے شکر یہ میں ان کو چاہیے کہ وہ خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک سے کھانا اور ڈر سے امن دلایا“

قریش تاجر پیشہ تھے سال میں بغرض تجارت دو سفر کرتے تھے ایک جاڑے میں یمن کی طرف اور دوسرا گرمی میں شام کی طرف جو سرسبز اور سرد ملک ہے۔ اللہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد ﷺ کے اوصاف کا تذکرہ کچھ اس انداز سے فرمایا۔

﴿يَا مَرْهَمَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ ”رسول ﷺ ان کو اچھے کام کرنے کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ طیب اشیاء حلال اور ناپاک اشیاء ان پر حرام کرتا ہے۔ ان پر پڑے بوجھ اور طوق اتارتا ہے“

معلوم ہوا کہ محمد ﷺ نے بہت سی اشیاء کی اصلاح فرمائی اور انہی اصلاح طلب امور میں سے ایک تجارت بھی تھی جس میں نا انصافی ظلم و ستم، دھوکہ، فراڈ اور سود غرضیکہ استحصال کا ہر حربہ آزما یا جا رہا تھا اور ناحق انسانوں کا مال بھی ہضم کیا جاتا۔ ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں یمن کے شہر زبید سے ایک انسان مکہ مکرمہ میں سامان تجارت بیچنے کے لیے لایا وہ سارا سامان عاص بن وائل نے خرید لیا اور زبیدی کو قیمت دینے سے انکار کر دیا اس نے قریش کے تمام قبائل کے سامنے ہر طرح حق دلوانے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد سے انکار کر دیا آخر جبل ابوقبیس پر چڑھ کر اپنے ستم رسیدہ ہونے کا تذکرہ کیا یہ کلمات اس وقت زبیر بن عبدالمطلب نے سنے تو اس نے اپنے حلیفوں کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر اکٹھا کیا اور سب نے مل کر وعدہ کیا کہ واللہ ہم سب مظلوم کی مدد کے لیے ظالم کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح متحد رہیں گے۔ اس کا نام ”حلف الفضول“ رکھا گیا جس میں محمد ﷺ نے بھی شرکت کی فرمایا کرتے تھے مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ بھی پسند نہیں تو اس تنظیم نے اس زبیدی کا حق عاص بن وائل سے لیکر دیا۔ (مختصر سیرۃ، ص ۴۷)

جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی بادشاہ کے دربار میں انسانوں کے ناحق مال کھانے کا تذکرہ کیا اور کہا پھر ہمارے پاس ایک رسول آیا جس نے ہمیں ظلم کی جگہ عدل و انصاف کا سبق پڑھایا۔ اسلام دنیا کا وہ

آفاقی دین ہے جو زندگی کے ہر پہلو کو منظم اور بہتر کرتا ہے اور اسلام نے تجارت کے سلسلہ میں ایسے راہنما اصول مقرر کئے کہ سرمایہ دارانہ ظالمانہ ٹیکس اور نامعقول ڈیوٹیوں کو ختم کر کے اپنے مزاج کے مطابق عدل و انصاف پر مبنی قوانین وضع کئے پھر اسلامی تجارت نے اتنی ترقی کی جس کا ذکر کرتے ہوئے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیا واقعتاً ہمارے اسلاف نے تجارت کے میدان میں پوری دنیا کی امامت کے فرائض سرانجام دیئے ہیں ان کا وجود شرق و غرب کی تجارت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا تھا تمام تجارتی گذرگاہیں درہ و انیال، جبل الطارق، نہر سویز اور جزیرہ مالٹا مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں اور بلا دچین تک رسائی ممکن ہوئی اور تاریخ عالم میں جن بندرگاہوں کے نام ملتے ہیں وہ انہیں کی مرہون منت ہیں جن میں انطاکیہ، طرابلس، ابلہ، قلم، جدہ، عدن، بغداد، المریہ، فلپائن کی بندرگاہیں قابل ذکر ہیں تیسری صدی ہجری میں عظیم مصنف ابوالقاسم بن خرواذبہ نے بحری اور بری سفر کرنے والے تجار کے لیے ”دلیل المسافرین“ بھی مرتب کی۔ ایسے سنہری دور کی یادیں ہر مسلمان تاجر کو وہ سنہری اصول جاننے کے لیے بے تاب کرتی ہیں جن کی وجہ سے یہ ترقی ممکن ہوئی۔ (۱)

تجارت احادیث کے تناظر میں

☆ طلب الحلال فریضة بعد الفریضة (مشکوٰۃ)

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ حلال مال کا طلب کرنا دوسرے فرائض کی ادائیگی کے بعد فرض ہے“

☆ طلب الحلال واجب علی کل مسلم (الظہرائی)

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ حلال مال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے“

☆ ایما رجل اکتسب حلالاً من حلال فاطعم نفسه او کساها ممن دونه من خلق

اللہ تعالیٰ کان لہ بہ زکوٰۃ (ابن حبان) ”محمد ﷺ نے فرمایا کہ جس انسان نے بھی حلال مال کما

کر خود اپنے کھانے اور پہننے میں خرچ کیا یا اپنے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی دوسرے کو کھلایا یا

پہنایا تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوگا“ حلال مال خرچ کرنا صدقہ ہے

☆ ما اکل احد طعاماً قط خیراً من ان یا کل من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد علیہ

السلام کان یا کل من یدہ (بخاری)

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے“ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی اور کمائی نہیں“

☆ ما كسب الرجل كسباً طيباً من عمل يده وما انفق الرجل على نفسه واهله وولده وخادمه فهو صدقة (ابن ماجہ)

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں اور جو مال مالک بھی انسان خود اپنے اوپر، اہل و عیال، اولاد اور خادم پر خرچ کرے وہ بھی اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے“ لہذا ثابت ہوا کہ حلال کمائی میں سے اپنے اوپر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

☆ لان يحتطب احدكم حزمةً على ظهره خيراً له من ان يسأل احدًا فيعطيه او يمنعه (بخاری) ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنی پشت پر لکڑیاں لاد کر اس کو بیچ کر کھائے یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ کسی سے سوال کرے پھر وہ دے یا نہ دے“ لکڑیاں لے کر فروخت کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے۔

☆ من امسى كما هلا من عمله امسى مغفوراً له (الطبرانی)

”محمد ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے اس حال میں شام کی کام کرنے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا ہو تو گویا اس نے اس حال میں شام کی کام کے سارے گناہ معاف ہو گئے ہوں گے“

☆ ان رجلاً من الانصار اتى النبي ﷺ فسأله فقال: اما في بيتك شيء؟ قال:

بلى جلس نلبس بعضه ونبسط بعضه وقصب نشرب فيه من الماء قال اتنى بهما.

فاتاه بهما فاخذ همارسول الله ﷺ بيده وقال: من يشتري هذين؟ قال رجل انا،

اخذ هما بدرهم قال: رسول الله ﷺ من يزيد على درهم؟ مرتين او ثلاثاً، قال

رجل انا اخذ هما بدرهم فاعطى هما اياه فاخذ الدرهمين فاتاهما الانصاري

وقال اشتر با احد هما طعاما فانبذه الى اهلك واشتر بالآخره قدوما فاتنى به فاتاه

به فشد فيه رسول الله ﷺ عوداً بيده ثم قال اذهب فاحتطب وبع ولا اريتك

خمسة عشر يوماً ففعل فجاء وقد اصاب عشرة دراهم فاشترى ببعضها ثوباً و

بعضها طعاماً فقال رسول الله ﷺ: هذا خير لك من ان تجئى المسئلة نكتة في وجهك يوم القيامة (الترمذی)

”ایک انصاری نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کچھ مال کا سوال کیا محمد ﷺ نے فرمایا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ انصاری نے عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جس کے بعض حصہ کو میں پہنتا ہوں اور بعض کو بچھا کر سوتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں محمد ﷺ نے فرمایا ان دونوں کو لے آؤ وہ لے آئے تو محمد ﷺ نے ان دونوں اشیاء کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ان کو کون خریدتا ہے؟ ایک نے کہا کہ میں ان دونوں کو ایک درہم میں لے لوں گا۔ محمد ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ میں کون لے گا؟ دو تین مرتبہ یہی اعلان فرمایا ایک نے عرض کیا میں دو درہم میں لے لوں گا۔ آپ نے وہ دونوں درہم لے کر اس انصاری کو دے دیئے اور فرمایا کہ ایک درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ جب وہ لے آئے تو محمد ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور انصاری سے فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹو اور میں تم کو پندرہ دن تک ہرگز نہ دیکھوں انصاری نے ایسا ہی کیا پھر پندرہ دن کے بعد اس حال میں وہ آئے کہ دس درہم نفع کما چکے تھے بعض کا کپڑا خریدا اور بعض درہم کے کھانے کی اشیاء خریدیں اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا خود محنت کر کے کمانا تمہارے لیے بہتر ہے کہ قیامت کے دن اس حال میں آؤ کہ سوال کا داغ تمہارے چہرے پر نہ ہو“

☆. طوبی لمن طاب کسبه (طبرانی) ”خوشخبری ہو اس کے لیے جس کی کمائی طیب ہو“

☆. ان اطیب ما اکلتم من کسبکم (طبرانی) ”بہترین کھانا وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاؤ“

☆. ان اللہ یحب المؤمن المحترف ”اللہ تعالیٰ حرفت والے مومن کو دوست رکھتے ہیں“

☆. ای الکسب اطیب؟ قال: عمل الرجل بیده وکل بیع مبرور

”اے اللہ کے رسول کوئی کمائی زیادہ طیب ہے؟ محمد ﷺ نے فرمایا انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور

”بیع مبرور“ کی وضاحت ابو عبید رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں

البيع المبرور الذی لا یخالطه کذب ولا شی من الماثم ای لا شبهة ولا خیانة ولا

خدیعة فیہ (۲) اچھی اور نیکی والی تجارت وہ ہے جس میں جھوٹ اور گناہ کا کوئی عمل نہ کیا جائے نہ اس

میں شبہ حرام ہونے کا ہونہ خیانت کا نہ ہی اور کوئی دھوکہ ہو۔

عن الولید بن عمرو قال : بلغنی انه مکتوب فی التوراة . ابن آدم حرک یدیک
افتح لک باباً من الرزق واطعنی فیما امر لک فما اعلمنی لما یصلحک (۳)
”تورات میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو اپنے ہاتھوں سے کام کاج کر
میں تیرے لیے رزق کا دروازہ کھول دوں گا اور تو میری اطاعت کر میں تیری ضروریات کے بارے
میں زیادہ جانتا ہوں۔“

ای الکسب افضل؟ قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور (طبرانی) ”محمد ﷺ سے پوچھا
گیا کہ کون سی کمائی افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انسان کے ہاتھ کی کمائی اور نیک تجارت“
علماء محققین نے کتابت خطاطی اور کتابوں کی تصحیح کا کام کر کے قوت لایموت پر گزراوقات کر کے
اپنے آپ کو دین کی خدمت میں مشغول کیا ہوا تھا۔

اسلاف نے جائز اور حلال کمائی کر کے اپنے اوپر اور دوسروں پر دل کھول کر خرچ کیا اور ان کی
داد و دہش پر بڑے بڑے اجواد و انخیا رشک کرتے ہیں۔

اسلامی تجارت کے چند اصول

ذیلی حروف میں اسلامی طرز تجارت کے اجمالاً چند اصول بیان کیے جاتے ہیں:-

۱۔ تجارتی اخلاقیات

اسلام چاہتا ہے کہ تجارت پیشہ افراد اخلاق حسنہ سے متصف ہوں وہ اخلاق حسنہ یہ ہیں
صدق و امانت، دیانت، معاملات کی صفائی اور اگر تکرار ہو جائے تو نرم گفتگو اور عزت نفس کا دامن ہاتھ
سے نہ چھوڑنا۔ محمد ﷺ فرماتے ہیں: رحم اللہ ر جلا سمحا اذا باع و اذا اشترى و
اذا اقتضى. (بخاری) ”اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس تاجر پر جو کبھی کوئی شے بیچے خریدے اور قرض واپس
لینے کا مطالبہ کرے تو نرم گوئی اور درگزر کی معاملہ کرنے تجارتی اخلاق حسنہ کو محمد ﷺ نے آید
دوسرے انداز میں یوں ادا فرمایا: البیعان بالخیار مسمیٰ یسرقان صدقا و بینا بورک
لہما فی بیعہما وان کتما و کذبا محقت برکۃ بیعہما: (بخاری، مسلم) ”بائع اور مشتری

کو بیع جاری کرنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں اور اگر دونوں سچائی کو اختیار کریں اور عیوب کی وضاحت کر دیں تو انہیں ان کی تجارت میں برکت دی جائیگی اور اگر انہوں نے عیوب کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جائے گی“

۲۔ ذخیرہ اندوزی

شریعت اسلامیہ کی رو سے ذخیرہ اندوزی (احتکار) یہ ہے کہ کوئی انسان غلہ یا دیگر اجناس کی بڑی مقدار اس لیے اکٹھا کرے تاکہ بازار گراں ہو جائے اور صارفین میں اس شے یا جنس کی مانگ کا مرکز و ہی بن جائے اور انسان مجبور ہو کر اس ذخیرہ اندوز کی شرائط و ضوابط اور مقرر کردہ نرخوں کے مطابق خریدیں۔ ایسی مصنوعی قلت پیدا کرنے والے انسان دشمن تاجر کے نفسیاتی عمل اور اس کے انجام کی اطلاع محمد ﷺ نے اس طرح دی ہے: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون ”سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے“ احتکار کی موجودہ عمومی شکلیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ چند کمپنیاں مل کر وحدت قائم کرتی ہیں اور کسی شے کی پیداوار اور قیمت پر اجارہ داری قائم کرتی ہیں۔
 ب۔ چند مالکان یا کارخانہ داران مل کر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور پھر گاہکوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اگر بازاروں میں ذخیرہ کی جانے والی اشیاء کی کمی نہ ہو اور قیمتوں پر کوئی اثر نہ ہو تو احتکار میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ ملاوٹ

جسے آج کل کاروباری ہنر اور نفع آوری کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے اسلامی قانون تجارت میں یہ انسانیت سوز عمل ہے ایسے انسان دشمن استیوں کے سانپوں کو شاید کہ یہ احساس نہیں کہ وہ اپنے اس قبیح عمل سے محمد ﷺ کے امتی ہونے کے اعلیٰ منصب سے محروم ہونے کا خطرہ مول لے رہے ہیں محمد ﷺ کا فرمان ہے: من غش فلیس منا۔ ”جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں“ (مسلم) ”عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایک دفعہ ایک گوالے کا پانی ملا دو دھڑ میں پر بہا دیا تھا“

۴۔ جو اسٹہ بازی

تجارت میں جو اسٹہ بازی مختلف انداز میں پائی جاتی ہے۔ عہد جاہلیت میں اس کی چند شکلیں ملاسہ، منابذہ اور محافلہ وغیرہ تھیں جنہیں اسلام کے عادلانہ نظام تجارت نے حرام قرار دے دیا عصر حاضر میں لاٹری نمبر حاصل کرنا، مہذب تجارتی جوئے کی شکلیں ہیں یہ امر معاشرتی امن کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے اسلام نے جوئے کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیا علامہ اقبال کہتے ہیں

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے سود ایک کالا کھوں کے لیے مرگ مفاجات

۵۔ ماپ تول میں کمی

اسلامی تجارت کے بابرکت اور باوقار پیشہ کو ناپاک اور بے وقار بنانے کی ایک مکروہ شکل وہ ہے جس میں حیلہ کے ذریعے ایک تاجر کم مال دے کر زیادہ کے دام وصول کرتا ہے اور اپنے بھائی کی خون پسینی کی کمائی کو بوڑھا چاہتا ہے یہ ایک ایسی لعنت ہے جس میں بعض امم سابقہ کے بددیانت تاجر بھی مبتلا تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہاں کے انسان بھی ماپنے میں بڑے خبیث تھے علامہ زحشری فرماتے ہیں کہ ابوہینہ کے پاس دو پیانے تھے ایک خریدنے اور دوسرا فروخت کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ (الکشاف)

اسلام تو اس سلسلہ میں مساوات سے آگے احسان کا حکم دیتا ہے محمد ﷺ ایک دفعہ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے ایک انسان کو دیکھا جو پیشہ و روزن کرنے والا تھا محمد ﷺ نے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: زن و ارجع۔ ”تول اور جھکا کے تول“

یہ تعلیم قیامت تک کے تاجروں کے لیے وصیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یوسف علیہ السلام بھی اپنے بھائیوں کے لیے کہتے تھے: الا ترون انی اوف الکیل و انا خیر المنزلین۔

”تم دیکھتے نہیں میں پورا پورا پیمانہ بھر کے دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی اچھی طرح کرتا ہوں“

۶۔ سود

پیشہ تجارت میں سب سے بڑا استحضالی حربہ سود ہے جس میں سرمایہ دار غریب مجبور کا خون چوستا ہے اور خونخوار بھیڑ یا نظر آنے لگتا ہے سرمایہ دارانہ نظام نے اس کو اتنا پرواج دیا ہے کہ ساری دنیا اس

کے دامن تذویر میں گرفتار ہے ایک منظم سازش کے ذریعے سرمایہ دار اور بینکار حکومت ہو یا افراد تجارتی سود کے ہتھیار سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے حاجت مندوں کا خون نچوڑتے ہیں اور اس نظام کی کوکھ سے جنم لینے والا یہ سرمایہ دار درندہ مظلوموں کی کراہوں سے لطف اندوز ہوتا ہے یہی وہ یہودی نظام ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا کو غلام بنایا جا رہا ہے جو ان کی شروع سے عادت رہی ہے اسلام نے اس شجر ملعونہ کو ریزا دل سے ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔

وا حل اللہ البیع و حرم الربوا۔ ”اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے“ حرمت سود کے ساتھ یہ رعایت بھی نہ دی گئی کہ جو سابقہ سودی رقم مقروض کے ذمہ رہ گئی ہے وہ اسے وصول کرے۔ وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۲: ۲۷۸) ”جو تمہارا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو“ سود خور ہر وقت ہل من مزید کے نعرے لگانے والا انسانوں کے معاشی ذرائع پر زبردستی قبضہ کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور پھر اپنی اس دیوانگی پر تجارت اور سود دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اس قدر زائد بڑھوتری اور سرمایہ میں اضافہ کے لیے اس امر کی وضاحت ضروری ہے لہذا درج ذیل فرق ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اسلامی طریقہ بیع میں فریقین بائع و مشتری کے درمیان حقیقی رضا و رغبت ہوتی ہے جبکہ سود میں ایک فریق سرمایہ دار کے حقیقی خود غرضانہ رغبت اور دوسرے فریق مشتری کے لیے مصنوعی رضا مندی وہ بھی اضطراب اور اکراہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

ب۔ اسلامی تجارت میں فریقین میں باہمی تعاون و اشتراک ہوتا ہے جبکہ سود میں یہ تعاون سرے سے مفقود ہوتا ہے بلکہ ایک طرف سرمایہ دار بنک کی یقینی ترقی اور خوشحالی جبکہ دوسری طرف غریب قرض خواہ کے افلاس و بے بسی کا تماشہ ہوتا ہے۔

ج۔ اسلامی تجارت میں فریقین کے لیے حصول نفع کے یکساں مواقع ہوتے ہیں جبکہ سود میں ایک طرف سرمایہ دار کا یقینی نفع اور دوسری طرف محتاج غریب کا خسارہ یقینی ہوتا ہے۔

درج ذیل فرق جاننے کے بعد ہر ذی شعور کو چاہیے کہ وہ قوانین تجارت و معاشیات کا ادنیٰ طالب العلم کیوں نہ ہو وہ تجارت اور سود کے درمیان فرق باسانی کر سکتا ہے۔

۷۔ قسم اٹھانا

دوران بیع منافع پانے کی حرص کبھی بائع کو قسمیں اٹھانے پر مجبور کرتی ہے ایسی قسموں کے متعلق ایاکم و کثرة الحلف فی البیع فانہ ینفق ثم یمحق (مسلم) ”خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں اٹھانے سے بچو یہ امر سودا بیچنے کا سبب تو بن جاتا ہے پھر برکت کو مٹا دیتا ہے“

شریعت اسلامیہ نے تجارت میں ناجائز منافع خوری، دھوکہ اور فراڈ کے ہر جدید استحصالی حربے کا عمومی طور پر سدباب کیا ہے اللہ کے رسولؐ نے غرور دھوکہ سے منع فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا ضوابط و قوانین تجارت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام مکمل طور پر استحصالی طبقہ کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور مکمل عادلانہ طرز تجارت کا حامی ہے۔ محمد ﷺ نے صرف قوانین تجارت انسانوں تک پہنچائے بلکہ خود ایسے سنہری اصولوں کے مطابق بالفعل تجارت کر کے بھی دکھائی اور اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ دنیا کا صادق و امین اور عرب کی طاہرہ محمد ﷺ اور خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

اسلامی معیشت کی بنیاد جان لینے کے بعد یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے نہ صرف بائع اور مشتری کے لیے راہنما اصول مقرر کیے ہیں بلکہ منڈیوں اور بازاروں کی قیمتوں کا عادلانہ معیاری نظام قائم کیا ہے۔ اسلام نے حکومت یا کسی بیرونی طاقت کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ اپنے اپنی بیجوں سے قیمتوں کو ایک معیار پر کس دے اور یوں اس اپنی بیجہ میں طلب و رسد کے قدرتی نظام کو جکڑ دیا جائے البتہ حکومت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ مصنوعی قلت کو ختم کرنے کی کوشش کرے اجارہ داری کے تمام مکروہ حیلوں کو ختم کرے اور اگر قدرتی آفات یا ناگہانی صورتوں سے اشیاء کی قلت پیدا ہو تو حکومت اس کو ختم کرنے کے لیے بیرونی ذرائع سے اشیاء حاصل کرے اس سلسلہ میں

عمر رضی اللہ عنہ کی نظیر قابل تقلید ہے ”جب ۱۸ ہجری مدینہ منورہ اور آس پاس کے علاقوں میں قحط کے آثار نمودار ہوئے اور قیمتیں چڑھ گئیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے مصر و شام سے غلہ اور ضروریات زندگی کے قافلے منگوائے اور یوں قیمتیں اپنی سطح پر آ گئیں“ (سیرۃ عمر لابن جوزی)

ایک دفعہ محمد ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی محمد ﷺ قیمتیں مقرر کر دیں

تو محمد ﷺ نے فرمایا: ان اللہ هو الرزاق الباسط المسعر (ترمذی) ”بیشک اللہ تعالیٰ رزاق کثادگی پیدا کرنے والا اور قیمتیں مقرر کرنے والا ہے“ تجارتی منڈیوں میں نظام حسبہ بھی شریعت مطہرہ کا ایک سنہری باب ہے اس کا رخیر کا آغاز محمد ﷺ نے اپنے عہد میں کر دیا تھا آپ بنفس نفیس بازار میں تشریف لے جاتے اور تجارتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ مر علی صبرۃ طعام فادخل یدہ فیہا فنالت اصابعہ فقال ما هذا یا صاحب الطعم قال اصابته السماء یا رسول اللہ قال: افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراۃ الناس من غش فلیس منا (مسلم)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ایک اناج کے ڈھیر کے پاس سے گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر دیکھا تو انگلیاں تر ہو گئیں تو پوچھا۔ اناج والے یہ کیا ہے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول اس پر آسمان سے پانی برس رہا ہے محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تو اسے اناج کے اوپر کیوں نہ رکھ دیا تا کہ انسان اسے دیکھ لیتے لھذا جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے“

عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے مقرر کیا تھا اور خود بھی یہ کار خیر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد مسلمان خلفاء نے نظام حسبہ کو مضبوط تر اور اس کا دائرہ وسیع کر دیا۔ فقہاء اسلام کے مطابق بازار کے محتسب کی ذمہ داریوں میں صرف اشیاء کے خالص یا ناخالص ہونے پر ہی موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو تجارت سے یہ بھی مطالبہ کرتا تھا کہ کیا وہ تجارتی کاروبار کے اسلامی اصولوں سے واقف بھی ہیں یا نہیں۔

کان المحتسب یمشی فی الاسواق و یقف علی الدکان ینال صاحبہ عن الاحکام التی تلزمہ فی سلعة من این یدخل علیہ الربا فیہا و کیف یحترز منها فان اجابہ ابقاہ فی الدکان وان جہل شیاء من ذالک اقامہ من الدکان۔ (۴)

”محتسب بازاروں میں چلتا اور دوکان میں جا کر دوکاندار سے وہ مسائل دریافت کرتا جن کا معلوم ہونا اس کے لیے اپنا سودا سلف بیچنے کے لیے لازمی تھا مثلاً خرید و فروخت میں سود کہاں کہاں سے داخل ہوتا ہے اس سے کیسے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے اگر دوکاندار سوالات کے جوابات درست دے دیتا اور اگر وہ

ان میں سے معمولی جواب بھی صحیح نہ دے پاتا تو مجتنب اس کو دوکان سے اٹھا دیتا“
معلوم ہوا کہ اسلامی طرز تجارت نہ صرف معاشی ضرورت کا حل ہے بلکہ یہی تجارت ذریعہ برکت و
فلاح، خدمت خلق اور تعاون بین الناس کا موثر ذریعہ بھی ہے۔

تجارت سے پہلے مسائل کا سیکھنا

حدیث میں آتا ہے کہ ہمارے بازاروں میں وہی آدمی تجارت کرے جو اس کے مسائل کو جانتا ہو
(کنز العمال) اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عجمی (تجارت کے مسائل سے جاہل) اس وقت تک
تجارت نہ کریں جب تک کہ اس کے احکام نہ جان لیں (۵)
کبھی کبھار عمر رضی اللہ عنہ بازار میں گشت کرتے اور جو احکام کے سیکھے بغیر خرید و فروخت کرتا ہوتا
اس کو کوڑے لگواتے اور فرماتے کہ وہ انسان ہمارے بازاروں میں تجارت نہ کرے جو سود کو نہ جانتا
ہو (مدخل ابن الحاج)

یہی حکم امام مالک بھی دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ میں نے ابو محمد سے سنا کہ ان کے زمانے
میں داروغہ بازار میں جاتا اور دوکان داروں سے ان کے متعلقہ مسائل کو معلوم کرتا کہ کس طرح سود بن
جاتا ہے اور پھر سود سے کس طرح بچ سکے گا اور اگر وہ اس کا صحیح جواب دیتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا اور نہ اس
کو بازار سے نکال دیا جاتا اور فرماتے کہ تمہارے لیے مسلمانوں کے بازار میں تجارت کرنا صحیح نہیں کہ تم
لوگوں کو سود اور ناجائز اشیاء کھلاؤ گے۔

فتاویٰ تاتار خانہ میں فتاویٰ سراجیہ سے منقول ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت تک
جائز نہیں جب تک وہ بیع و شراء کے احکام کو نہ جان لے کہ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے۔
اسی طرح فتاویٰ بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی کو تجارت میں مشغول ہونا اس وقت تک
جائز نہیں جب تک وہ تجارت کے مسائل کو زبانی یاد نہ کر لے اور پہلے زمانے میں تاجر اگر خود مسائل
تجارت سے واقف نہ ہوتے تو اپنے ساتھ کسی فقیہ کو بھی رکھا کرتے تھے تاکہ ان سے مسائل معلوم
کرتے رہیں۔

امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد سے آدمیوں نے کہا کہ آپ تقویٰ کے بارے میں ایک کتاب

لکھ دیں تو انہوں نے بیوع کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھ دی کہ جب آدمی مسائل کا لحاظ رکھتے ہوئے تجارت کرے گا تو وہ خود بخود بخود متقی بن جائے گا (بلوغ الالی ۸۲)

امام مالک فرماتے ہیں کہ تاجروں کی گواہی اس وقت تک معقول نہیں جب تک وہ اپنے متعلقہ خرید و فروخت کے مسائل نہ سیکھ لیں (شرح المختصر للعلامة الزرقانی)

تجارت کی شرائط

مگر ایسی پاکیزہ و مبارک تجارت و صنعت کے لیے چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔

شرط ۱: صحت بیع کی جملہ شرائط جو آئندہ مذکور ہوں گی ان کا لحاظ رکھا جائے۔

شرط ۲: مروہات بیع سے بھی بچے۔

شرط ۳: تجارت کا سرمایہ حلال مال سے ہو۔

شرط ۴: ایسی شے کی تجارت نہ کرے نہ کارخانوں میں تیار کرے جن کے طلب گار (خرید) اکثر فساق و

فجاریا کفار یا امراء متکبر یا ظالم حکام ہی ہوں کیونکہ ایسے لوگوں کا قرب اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتا

ہے اور ان کا مال اکثر باعث وبال ہے (یعنی اکثر حرام کا ہوتا ہے یا مشکوک)

شرط ۵: ایسی اشیاء بھی نہ ہوں جن کی بیع و شراء فی نفسہ ممنوع ہے اگر شہ ضرورہ اور تبعاً جائز ہے جیسے

انیون، زہر اور حقہ میں استعمال ہونے والا تمباکو اور وہ تصویریں جو کسی کے ضمن میں بکتی ہیں ریشمی زری

تار والے کپڑے چاندی سونے کے زیور جو عام طور پر مردوں کے استعمال میں آتے ہیں جیسے رومال

چکن، عمامہ، چاندی سونے کی گھڑی سونے چاندی کے بٹن وغیرہ۔

مذہب باطلہ کی وہ کتابیں جن میں احکام یا ان کے عقائد ہیں یا کچھ فاسقانہ قصے کہانیاں یا شریعت

کے مخالف امور درج ہوں ان کی تجارت سے اجتناب اس لیے ضروری ہے کہ ایسی اشیاء کی تجارت

سے من وجہ گناہ کے کام میں ان کی تائید کرنا ضروری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کے کام میں تعاون

کرنے سے منع فرمایا ہے۔ و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

”گناہ کے کام میں ایک دوسرے کی مدد مت کیا کرو“

شرط ۶: ایسے پیشے اور تجارتیں بھی اختیار نہ کریں جن میں سخت مشغولی اور انہماک کی ضرورت ہو کیونکہ جو ایسی تجارت یا پیشہ اختیار کرے گا نیکی کے کام۔ جمعہ جماعت میں حاضر ہونے سے اس طرح وعظ و نصیحت کی مجلس میں حاضر ہونے سے محروم رہے گا جو بہت بڑی محرومی ہے۔

مکن عمر ضائع تحصیل مال کہ ہم نرخ گوہر نباشد سفال

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ یعنی مسجد نبویؐ میں وہ مردان کار ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے بے خبر نہیں کرتے۔

شرط ۷۔ ایسا مال بھی نہ ہو جو عام طور پر ناقص اور خراب کرتا ہے دھوکہ فریب اور عیب پوشی کے بغیر بکنا۔ مشکل ہے کیونکہ انسان ایسی صورت میں نقصان کے خوف و نفس کے تقاضہ سے نیت ہی بدل دیتا ہے۔ شرط ۸: خرید و فروخت میں فریق مقابل کو مغالطہ میں ڈالنے کا ارادہ نہ کرے مثلاً یہ کہے کہ یہ شے فلاں قوم یا فلاں موسم یا فلاں شہر میں بہت قدرے بکتی ہے یا اس شے کی یہ خوبی ہے کہ یا اس کے خریدار بہت ہیں کیونکہ اگر یہ بیانات صحیح نہ ہوں تو یہ کذب ہے اور کذب حرام ہے۔

لیمین الفاجرة منفعة للسلعة و ممحقة لكسب۔ جھوٹی قسم مال خرچ کر دیتی ہے اور کمائی منادیتی ہے (یعنی کمائی میں برکت نہیں دیتی ہے)

اسی طرح محمد ﷺ نے فرمایا: المنفق سلعته بالحلف الكاذب۔ جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنے والے پر نہ نظر رحمت ہوگی اور نہ مغفرت اور وصف بیان کرنے کی تین صورتیں

(۱) خالص سچ تو جائز ہے (۲) کسی قدر مبالغہ یہ مکروہ ہے (۳) خالص جھوٹ یہ دھوکہ ہے اور وعید میں داخل ہے۔

شرط ۹: ناپ تول اور کنتی میں بہت احتیاط سے کام لینا ضروری ہے قوم شعیب علیہ السلام پر ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے عذاب آیا اقيموا الوزن بالقسط و لا تخسروا الميزان۔

”تراز و انصاف سے قائم کرو نہ دیتے وقت کمی کرو اور نہ ہی لیتے وقت زیادہ لیا کرو“

کسی شے کو وزن کر کے دینا ہو تو پوری شے دو اور لینا ہو تو دھوکہ سے زیادہ نہ لو

شرط ۱۰۔ قیمت بتانے میں بھی جھوٹ اور مبالغہ نہ یعنی جتنے دینے کا ارادہ ہے وہی کہہ دے یہ نہ ہو کہ بیچنا

ہے ایک روپے میں قیمت بتائے آٹھ روپے وہاں دوسرے کا اصرار یا کسی اور وجہ ارادہ بدل دینا جائز

ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ محمد ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدا اور قیمت میں ہر بار اضافہ

فرماتے یہاں تک جابر رضی اللہ عنہ نے قبول فرمایا۔

شرط ۱۱۔ اگر خریدار بیوقوف یا ناواقف ہے یا دوستی وغیرہ کی وجہ سے بائع پر اعتماد کرتا ہے یا ایسی صورت

پیدا ہو جائے جس سے سمجھا جائے کہ بازار کی قیمت پر نفع کے بغیر فلاں کی قیمت پر معاملات کیا جاتا

ہے اب بعد میں کچھ بھی تفاوت نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا دیانت اور مروت کے خلاف ہے۔

شرط ۱۲۔ کسی سے وعدہ کرنا ہو تو سوچ سمجھ کر کرے کہ وفاء کر سکتا ہوں یا نہیں تاکہ کسی کو بے فائدہ تکلیف

نہ پہنچے اگر اتفاق سے کوئی ایسا وعدہ کر لیا جس کا ایفاء مشکل ہے تو جوان مردی اور ہمت سے کام لیتے

ہوئے وعدہ پورا کرنا چاہیے اور محمد ﷺ قرض خواہ کو پچھرا نہ بھی عطا فرماتے۔

شرط ۱۳۔ معاملات کو خوب تفصیل کے ساتھ طے کیا کرے تاکہ بعد میں جھگڑا پیش نہ آئے، خصوصاً

قرض اور لین اور وعدوں میں اس کا خوب خیال رکھے۔ اذا تداينتم بدين الى اجل مسمى

فاكتبوه۔ جب تم دین کا معاملہ کرو تو لکھ لیا کرو اور حدیث میں ہے۔ ما حق امراء مسلم یمر

عليه ثلث ليال الا و عنده و صية۔ کسی مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ اس پر تین راتیں

گذر جائیں اس کے پاس لین دین کے معاملات کے بارے میں وصیت لکھی ہوئی نہ ہو پس حساب و

کتاب کو صاف رکھنا بھی لازمی امر ہے۔

شرط ۱۴۔ اگر خریدار کو کوئی مجبوری پیش آئے اور وہ مال واپس کرنا چاہتا ہے یا کسی نقصان کی وجہ سے بیع

ختم کرنا چاہتا تو بائع (تاجر) کو معاملہ ختم کرنے میں غدر کرنا مناسب نہیں اگر بیع ختم کر کے رقم واپس کر

دے گا تو بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا من اقال مسلماً اقال اللہ عسرة جس نے کسی بھلا سے اقالہ کر لیا (یعنی خرید و فروخت کرنے کے بعد خریدار کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے واپس لے لیا) اللہ تعالیٰ اس سے بوجھ ہلکا کر دے گا“

شرط ۱۶۔ مزدور کی اجرت کام ختم ہوتے ہی ادا کرے کیونکہ محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

اعطوا لاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔ ”مزدور کو اس سے پہلے مزدوری دے دو کہ اس کا پسینہ خشک ہو جائے“ (ابن ماجہ)۔

شرط ۱۷۔ معاملات میں نرمی، عفو اور سخاوت اختیار کرے۔ ان اللہ یحسب سمع البیع و سمع الشراء و سمع القضاء ”اللہ تعالیٰ بیع و شراء اور فیصلہ کرنے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں“

مطل الغنی ظلم واذا تبع احد کم علی ملی فاتبع۔ ”امیر اگر کسی کے حق دینے میں ٹال مٹول کرے تو یہ ظلم ہے اس لیے صاحب سے حق کا مطالبہ کرنے میں اس کا پیچھا کرو“

مطلب یہ ہے کہ مفلس کا حیلہ حوالہ مجبوری قابل رحم ہے مگر امیر پر تقاضہ میں کوئی حرج نہیں اسی بنا پر ”جب تم کسی کے ہاتھ پھل کو فروخت کرو اور وہ پھل زمینی یا آسمانی آفت سے خراب ہو جائے تو اس کی قیمت بقدر نقصان اگر تمام پھل خراب ہو جائے تو کل قیمت واپس کر دو“ (مسلم)

شرط ۱۸۔ ہمیشہ خیر کی نیت رکھے تجارت میں یہ قصد اور دہنہ ہو کہ سارا نفع مجھے ہی ملے دوسروں کو کچھ نہ ملے یا دوسروں کو نقصان پہنچے جو اپنے لیے ناپسند ہو وہ اپنے بھائی کے لیے بھی ناپسند کرے۔

شرط ۱۹۔ معاملات میں خوشامد اور تذلیل سے پرہیز کرے اللہ تعالیٰ ہی رزاق ہے۔

شرط ۲۰۔ کچھ صدقات بھی کیا کرے ”ان الشیطان یحضران فشؤبوہ بالصدقة“

”شیطان اور گناہ دونوں خرید و فروخت کے وقت موجود ہو جاتے ہیں“

کچھ نہ کچھ زیادتیاں ہو ہی جاتی ہیں پس چاہیے کہ خیرات کر کے اسے مٹا دیا کرو

شرط ۲۱۔ یہ بات بھی بہت ہی ضروری ہے کہ جس قسم کا کام کرنا ہو یا کوئی تجارت کرنی ہو اس کے شرعی

مسائل کو سیکھ لے تاکہ حلال و حرام پہچان سکے جائز ناجائز معلوم ہو سکے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سرکاری فرمان جاری فرمادیا تھا کہ لا بیع فی سوقنا من قد تفقہ فی الدین۔ ”جو دین کے احکام نہ سمجھتا ہو وہ بازار میں خرید و فروخت نہ کرے اس لیے کہ خود حرام کھائے گا اور دوسروں کا کھلائے گا“ ان ا طیب الکسب التجار اذا حدثوا لم یكذبوا و اذا ایتمنوا لم یتخونوا و اذا وعدوا لم یخلفوا و اذا اشتروا لم یدموا و اذا نا عوا لم یمدحوا و اذا کان علیہم لم یمطلوا و اذا کان لہم لم یعسروا (ترغیب) ”سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو جھوٹ نہیں بولتے اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے خیانت نہیں کرتے جب وعدہ کریں تو خلاف نہیں کرتے اور خریدتے وقت مال کی بیجا ذمت نہیں کرتے کہ بائع گھبرا کر ستادے ڈالے اور سامان فروخت کرتے وقت زائد تعریف نہ کرے کہ گاہک خرید ہی لے اور جب کسی کو دینا ہو تو ادائیگی میں سستی نہ کریں جب ان کا حق کسی پر ہو تو اس قدر سختی نہ کریں جو طاقت سے زیادہ ہو بیع کے احکام میں یہ جامع ترین حدیث ہے۔

☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆

مصادر و مراجع

۱۔ ماخوذ رسالہ ترجمان الحدیث، فیصل آباد، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۱۳-۱۴

۲۔ ماخوذ رسالہ ”ترجمان الحدیث“، فیصل آباد، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۱۷

۳۔ امام احمد، کتاب الزہد، ص ۸۵

۴۔ علامہ شیخ عبدالحی الکتانی ”التراتب الاداریہ

۵۔ فضائل تجارت: ۸۰۔ بحوالہ الروحۃ المشککۃ۔ تنبیہ الغافلین، ص ۴۷۰

☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆%☆

باب ۱۰ فلسفہ سود کے اسلامی معاشرہ پر اثرات

سود کے لیے عربی زبان میں ”ربوا“ یا ”ربا“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا لغوی مفہوم بڑھنا اور زیادہ ہونا ہے اصطلاحی مفہوم کے لیے ہمیں مختلف مفکرین کی آراء مختلف نظر آتی ہیں لیکن لفظی اختلاف سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو سب تقریباً ایک ہی مفہوم پر متفق ہیں۔

ابن جریر طبری: ”ربوا سے مراد مال میں وہ زیادتی لیتے ہیں جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو قرض کی ادائیگی کی مہلت دے کر حاصل کرتا ہے“

ابو بکر صاص: وہ ایسا قرض ہے جو مہلت کے ساتھ مشروط ہو اور قرض لینے والے پر مال کی زیادتی کے ساتھ ہو“

علامہ ابن اثیر: ”شریعت میں سود عقد بیع کے بغیر اصل مال پر زیادتی کو کہتے ہیں“

صاحب لسان العرب: ”ہر وہ قرض جو زائد لیا جائے یا جس کے ساتھ منافع چلایا جائے“

بیع اور ربوا میں اہم فرق

(i) سود کے حامی جو سود خوری کے ذریعے دولت اکٹھی کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے جواز کے لیے عموماً کہتے ہیں بیع اور ربوا ایک جیسی ہی اشیاء ہیں ان میں کیا فرق ہے؟

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ (۲: ۲۷۵) ”وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود جیسی ہے“

سود خوروں کا یہ کہنا حقیقت میں بالکل باطل ہے سود اور بیع میں بہت فرق ہے۔

(ii) بیع میں مشتری اور بائع دونوں فائدہ حاصل کرتے ہیں بائع اپنی شے کی قیمت کے ذریعے اور مشتری خرید کردہ شے کے استعمال کے ذریعے جبکہ ربوا میں قرض دینے والا تو ایک مقررہ نفع لے لیتا ہے جبکہ قرض لینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جو کہ یقینی طور پر نفع بخش نہیں ہے۔

(ii) بیع میں ملکی دولت عوام میں گردش کرتی ہے جبکہ ربوا میں صرف سرمایہ داروں تک محدود ہو جاتی ہے

(iii) ربوا سے معاشرہ میں بخل، کینہ، عداوت و دشمنی پیدا ہوتی جبکہ بیع کے تعلقات میں فروغ ہوتا ہے۔

(iv) بیع میں انسان وقت اور پیسہ دونوں لگا کر محنت بھی کرتا ہے تب بھی نفع یقینی نہیں جبکہ ربوا میں اپنی

فاضل رقم لگا کر یقینی نفع کمایا جاتا ہے۔

(v) بیع میں مشتری جو شے خریدتا ہے ایک مناسب قیمت کے ساتھ خریدتا ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے جبکہ ربوا میں مدیون ضروری نہیں کہ تجارت وغیرہ کے لیے ہی رقم لے ممکن ہے کہ وہ کسی ذاتی ضرورت کی شے کے حصول کے لیے قرض لے چنانچہ اسے فوری ضرورت کی شے پر سود بھی بعد میں دینا پڑتا ہے اسی طرح سے اسے یہ شے اصل قیمت سے مہنگی پڑتی ہے اور یہ سراسر نقصان ہے۔

(vi) بیع میں بائع مشتری سے ایک بار ہی منافع لیتا ہے جبکہ سود ہر سال لیا جاتا ہے اور اس المال بھی اسی طرح برقرار رہتا ہے۔

(vii) بیع کے منافع میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جبکہ ربوا میں رقم مقرر ہوتی ہے۔

(viii) بیع میں انسان محنت، ذہانت، وقت اور روپیہ سب کچھ صرف کر کے منافع حاصل کرتا ہے جبکہ ربوا میں صرف فاضل رقم لگائی جاتی ہے۔

(ix) بیع میں انسان مہنگی یا گراں قدر شے کو چھوڑ بھی سکتا ہے گو خرید کی طاقت نہیں رکھتا لیکن سود میں دھوکا ہوتا ہے اشیاء اس طرح خریدی ہوں کہ شے کا وہ مالک بنتا اور فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ سودی قسطوں یا آسانی سے دھوکے میں آکر اپنی قیمتی اشیاء سے محروم ہو سکتا ہے۔

ربوا قرآن کے تناظر میں

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (۲: ۲۷۵)

”جو انسان سود کھاتے ہیں ان کا حال ایسا ہو جاتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤ لاکر دیا ہو“

﴿قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (۲: ۲۷۵)

”وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام

کیا ہے“ ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُغْفِرُ الْبَيْعَ﴾ (۲: ۲۷۵)

”اللہ تعالیٰ سود کا خاتمہ کر دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ فَإِنْ لَمْ

تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ جَاهِدٌ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ زُجُجٌ وَمَا لَكُمْ لَا تُظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٨﴾ (٢٤٨: ٢٤٩) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود انسانوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اب بھی توبہ کر لو اور سود چھوڑ دو تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو تم ظلم کرو نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِ الْيَتَامَىٰ ضَاعَفًا مُّضَاعَفَةً﴾ (١٣٠: ٣) *سورۃ النحل*
 ”اے مومنو! یہ بڑھتا اور چڑھتا ہوا سود کھانا چھوڑ دو“

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِضَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا. وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (١٦١: ١٦٠)

”غرض ان یہودی بن جانے والوں کی اسی ظالمانہ رویہ کی بناء پر اور اس بناء پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا انسانوں کے مال نا جائز طریقوں سے کھاتے ہیں ہم نے بہت سی وہ طیب اشیا ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں“

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبِّالْيَتِيمِ بَوَافِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرُبُّوا عِنْدَ اللَّهِ﴾ (٣٩: ٣٠) *سورۃ النحل*
 ”جو سود تم دیتے ہو وہ انسانوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا“

ربو احدیث کے تناظر میں

☆ ”سود کے ستر اجزاء ہیں ان میں سے سب سے ہلکا یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے“

☆ ”سود کا ایک درہم جس کو کوئی انسان کھاتا ہے جبکہ اسے معلوم بھی ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے“

☆ ”سود اگرچہ بہت ہی زیادہ کیوں نہ ہو آخر کار وہ کم ہو جاتا ہے“

☆ ”انسانوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں ہر انسان سود خور ہوگا اور جو سود نہ کھائے گا اس کا غبار اس تک ضرور پہنچے گا“

☆ ”الرداع کے موقع پر فرمایا ”زمانہ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیئے گئے ہیں اور سب سے پہلے“

میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں“

☆ محمد ﷺ نے سود کھانے کھلانے لکھنے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور کہا کہ یہ سب برابر ہیں“

سود کی مختلف اقسام

۱۔ اس تقسیم کے لحاظ سے سود کی تین قسمیں ہیں

(i) عام سود (ii) سود در سود (iii) سود مع رہن

(i) عام سود:- اسکی صورت یہ ہے کہ نقد رقم قرض دینا اور ایک مدت مقرر کر کے ایک مقررہ شرح سے اس پر سالانہ سود لینا۔

(ii) سود در سود:- مقررہ مدت کے ختم ہونے پر سود ادا نہ کرنے کی صورت میں سود اور اصل رقم دونوں کو ملا کر اصل قرار دینا اور پھر اس پر سود وصول کرنا۔

(iii) سود مع رہن:- بعض اشیاء کو رہن رکھ کر قرض دینا اور مقررہ مدت کے خاتمہ پر سود اور اصل رقم ادا نہ کر سکنے کی شکل میں رہن رکھی ہوئی اشیاء کی من مانی قیمت لگا کر انہیں ہڑپ کر جانا۔

۲۔ تقسیم کے لحاظ سے سود کی دو قسمیں ہیں۔

(i) ربوا النسیہ (ii) ربوا الفضل

(i) ربوا النسیہ:- اسے ربوا القرآن ربوا الدین اور ربوا الجاہلیت بھی کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جسے پہلی

تقسیم میں عام سود کہا گیا تھا کہ قرض پر مقررہ مدت اور مقررہ شرح سے بلا عوض اضافہ لینا۔

(ii) ربوا الفضل:- اسے ربوا النسیہ اور ربوا البیوع بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ ایک ہی جنس

کا دست بدست تبادلہ کی پیشی کے ساتھ مثلاً گندم، جو، نمک وغیرہ کا تبادلہ۔

۳۔ اس تقسیم کے لحاظ سے بھی سود کی دو قسمیں ہیں

(i) صافی یا خالص سود (ii) خام یا اجمالی سود

(i) صافی یا خالص سود:- اسے معاشی سود بھی کہتے ہیں یہ ایسا سود ہے کہ جس میں قرض دینے والے

صرف سرمایہ جو قرض دیا ہے اسی پر سود لے اس میں کوئی اور معاوضہ شامل نہ ہو

(ii) خام یا اجمالی سود:- جس میں قرض دینے والا دیگر خدمات و سہولیات اور خدشات وغیرہ کا بھی معاوضہ حاصل کرے مثلاً خطرے کا معاوضہ، حساب کتاب کرنے کا معاوضہ، دشواری برداشت کرنے کا معاوضہ وغیرہ۔

ربو اعہد جاہلیت میں

عہد جاہلیت میں سود کی مختلف صورتیں رائج تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ قرض دیتے وقت طے کر لیا جاتا کہ اتنی مدت بعد یہ رقم واپس ہوگی اور اس پر واپسی کے وقت اتنی زیادہ ہوگی۔

۲۔ رقم بطور قرض دیتے وقت ایک شرح مقرر کر لی جاتی کہ سالانہ اتنی رقم بطور سود ادا کرے گا جب تک کہ رقم واپس نہ ہو۔

۳۔ کسی انسان کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے قرض دے دیا جاتا جب مدت ختم ہو جاتی تو اس سے مطالبہ کیا جاتا کہ اب یا تو رقم واپس کر دیا اتنی مدت کے اضافے کے ساتھ اتنی رقم کا اضافہ قبول کرو چنانچہ فوری طور پر رقم واپس نہ کرنے کی صورت میں اضافہ قبول کرنا پڑتا۔

۴۔ کسی انسان کو ایک رقم متعین مدت کے لیے قرض دی جاتی اور ماہ ب ماہ اس سے ایک مقررہ رقم بطور سود لیتے رہتے مدت ختم ہونے پر اصل رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا اور ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں مدت اور سود کی شرح میں اضافہ کر دیا جاتا۔

۵۔ کوئی انسان کوئی شے خریدتا اور رقم نہ ادا کر سکتا تو اسے کہا جاتا کہ اتنی مدت بعد زائد رقم دے دینا متعین مدت کے بعد بھی ادائیگی نہ ہو سکنے کی صورت پر مدت اور رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا۔

۶۔ کسی شے کو بغیر رقم کے ادھار فروخت کر دیا جاتا لیکن ادائیگی قیمت کی مدت مقرر ہوتی مدت ختم ہونے پر ادائیگی نہ ہو سکنے کی صورت میں قیمت اور مدت بڑھادی جاتی۔

سود کے مختلف مفاسد

سود کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور اسلام کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ سود کی

حرمت بلاوجہ نہیں اس میں بھی حکمت موجود ہے اور وہ حکمت ان مفسد سے معاشرہ کو بچانا ہے جو کہ سود کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں الربوا سبعون جزءاً ”سود کے ستر اجزاء ہیں“

سود کے یہ اجزاء سود کے مفسد ہی ہیں جو معاشرہ کو تباہ کرنے والے ہیں محمد ﷺ کے پیش نظر سود کے کون کون سے مفسد ہیں اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا البتہ چند ایک مفسد ہمارے سامنے آتے ہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ امیر و غریب کا تفاوت۔ سود کی ایک انتہائی واضح خرابی یہ ہے کہ سود کی بدولت امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے مناظر احسن گیلانی نے اس تفاوت کے لیے ”دولت کا درم“ اور ”معاشی لاغری“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ایک طرف ”دولت کا درم“ پیدا ہوتا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف ”معاشی لاغری“ پیدا ہو جاتی ہے اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک طرف ارتکاز دولت میں اور دوسری طرف ”ارتکاز نفرت“ میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ غریب بے چارہ غریب تر ہو کر نفرت کے علاوہ کیا اپنے اندر سمیٹ سکتا ہے۔

۲۔ اشرف المخلوقات کی تذلیل: سود کی انتہائی گھناؤنی خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے اشرف المخلوقات کی تذلیل ہوتی ہے یہ تذلیل دو طرح سے ہے ایک یہ کہ بے چارہ مدیون قرض خواہ کے ہاتھوں ذلیل ہوتا رہتا۔ اور دوسرا یہ کہ قرض لینے والا کئی دفعہ محنت کرتا ہے وقت لگاتا ہے ذہانت استعمال کرتا ہے لیکن اسے خاطر خواہ نفع حاصل نہیں ہوتا جس قدر تھوڑا بہت نفع ہوتا ہے سود کی ادائیگی میں ختم ہو جاتا ہے اس سے اس بے چارے کی محنت اس کے وقت اور اس کی ذہانت کی کوئی قیمت نہ ہوئی جبکہ دوسری طرف سرمایہ دار ہر صورت میں اپنی قیمت وصول کرتا ہے گویا سرمایہ کا تفوق اور انسانیت کی ثانویت ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ انصاف کے منافی: کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک قرض لینے والا اس قرض کو کاروبار میں لگاتا ہے اور اس پر بہت زیادہ نفع کمالیتا ہے لیکن سرمایہ دار کو وہ صرف اصل رقم اور سود دیتا ہے جو کہ اس منافع کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا اس طرح سرمایہ دار کا حق مارا جاتا ہے اور دوسری طرف کبھی یوں بھی ہوتا

ہے کہ قرض لینے والے کا نقصان ہو جاتا ہے لیکن سرمایہ دار کو پھر بھی بہر حال سود اور اصل رقم ملنا ہی ہے اس طرح مدیون کے ساتھ بے انصافی ہے مدیون کا پوری صلاحیتوں کے استعمال کے باوجود نفع یقینی نہیں تو قرض دینے والے کا صرف فاضل رقم دے کر نفع کیوں یقینی ہو؟

۴۔ کام چوری۔ امام فخر الدین رازی کے بقول:۔ ”حرمت ربوا کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ربوا کی وجہ سے انسان محنت سے جی چرانے لگتا ہے اور وہ روزی کمانے کے لیے جدوجہد چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اگر کسی مالدار کو بغیر کسی محنت و مشقت کے گھر بیٹھے زائد رقم ملنے لگے خواہ وہ نقد رقم کے عوض میں یا ادھار کے بدلے تو بھلا اسے کیا پڑی کہ روزی کمانے کے لیے مشقت اٹھائے، تجارت کرے اور محنت طلب پیشے اختیار کرے اس سے خلق کی نفع بخشی متاز ہو کر یکسر منقطع ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بات تو واضح ہے کہ نیا کاروبار تجارت اور صنعت و حرفت سے وابستہ ہے“

۵۔ ظلم۔ قرآن: نے سود کو ظلم قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو سود انسانوں کے ذمہ باقی رہ گئے ہیں انہیں چھوڑ دو البتہ اپنے اصل مال واپس لے سکتے ہو۔ گے فرمایا۔

لا تظلمون و لا تظلمون (۲:۹۷) ”نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے“

لا رڈ کینز جسے اس صدی کا سب سے بڑا ماہر معاشیات سمجھا جاتا ہے وہ بھی سود کو ”استحصالی قوت“ کا نام دے کر اسے ظلم تسلیم کرتا ہے اور اسے ختم کرنے کے لیے کہتا ہے۔

”سود خور با نہ کسی غیر تکلیف دہ طریقہ سے معدوم کر دیا جائے تا کہ سرمایہ داری کی وہ استحصالی قوت ختم ہو جائے جس سے وہ سرمایہ کی کمیابی کی قیمت وصول کرنے کا اختیار حاصل کرتا ہے“

۶۔ انفرادی بے روزگاری: چھوٹے طبقہ کے انسان سود کی استحصالی قوت کا رسک لے کر سود کی رقم سے کاروبار شروع نہیں کر سکتے اور نہ ہی چھوٹے موٹے کاروبار کے لیے سرمایہ دار کو رقم دینے سے دلچسپی ہوتی ہے بنا نچے ایسے انسان بے روزگار رہتے ہیں۔

۷۔ اجتماعی بے روزگاری۔ اگر سرمایہ پر سود کا سانپ نہ بیٹھا ہو تو صنعتوں کی ترقی کے ذریعے معیشت پر کنٹرول لیا جاسکتا ہے لیکن سود کی وجہ سے سرمایہ حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے، صنعتی

ترقی رک جاتی ہے اور بے روزگاری میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے لارڈ کینز نے بھی سود کو بے روزگاری کا سبب تسلیم کیا ہے:- ”ہمارا اعلیٰ ترین مفاد اسی میں ہے کہ ہم شرح سود کو اتنا گھٹالیں۔۔۔۔۔ کہ جہاں سے سب انسانوں کو روزگار میسر آئے“

۸۔ ذہنی پریشانی۔ قرض لینے والا فوری ضرورت پوری کرنے کے لیے تو قرض لے کر کام چلاتا ہے لیکن بعد میں جب ادائیگی کی صورت بنانا مشکل ہو جاتی ہے تو ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۹۔ عیاشانہ بود و باد۔ سود کے ذریعے بیٹھے بیٹھائے ہاتھ آ جانے والا پیسہ جو محنت سے نہیں کمایا جاتا اس کی اہمیت کا بھی احساس نہیں ہوتا چنانچہ ایسی رقم بے دریغ عیاشی پر اڑائی اور لٹائی جاتی ہے اور طرح سے معاشرہ عیش پرستی کا شکار ہوتا ہے اور کام چور اور عیش پرست معاشرے کا انجام ہمیشہ تباہی و بربادی کی صورت میں ہی ہوا کرتا ہے۔

۱۰۔ سرمایہ کی صلاحیت پر اثر۔ شیخ محمود احمد کے بقول:-

”راقم الحروف کی علم کی حد تک کوئی ماہر معاشیات ایسا نہیں جس نے شرح سود اور سرمایہ کی صلاحیت کار کے درمیان منفی تعلق تسلیم نہ کیا ہو یہ بحث تو ملتی ہے کہ سرمایہ کی کارکردگی پر اثر اندازی کی لچک اکائی کے برابر ہے یا کم لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ شرح سود سرمایہ کی کارکردگی پر منفی اثر نہیں ڈالتی“

بقول کینز:- ”سرمایہ دار کا ایک عجیب نتیجہ ہے کہ وہ روزگار کے حصول کی ایک حد معین کر دیتا ہے وہ سرمایہ کی کارکردگی کی ایک سطح کا تقاضا کرتا ہے پیشتر اس کے کہ نیا سرمایہ تخلیق کیا جائے“

۱۱۔ کرایوں میں اضافہ۔ چونکہ زمین، مکان یا دوکان وغیرہ کی مالیت پر سود کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے کرایہ کے توسط سے بھی نفع بڑھانے کی ایک بنیاد میسر آ جاتی ہے۔

۱۲۔ بین الاقوامی کھچاؤ: ہر ملک سود کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی چاہتا ہے لیکن بقول شیخ محمود احمد

”چونکہ باقی ملک بھی اس بیماری کے مریض ہوتے ہیں اس لیے کوئی ملک اس سمت میں کوئی واضح کامیابی حاصل نہیں کر سکتا البتہ بین الاقوامی کھچاؤ بڑھاتا ہے اور بعض اوقات اس کی شدت جنگ کا

روپ دھار لیتی ہے“

مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز کا اعتراف:- آپ نے انگلستان کی طرف سے یہ معاملہ طے کیا تھا جب اپنے مشن کو پورا کر کے پلٹے تو انہوں نے برطانوی دارالامراء میں اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلا سود قرض دینا گوارا نہ کیا مسٹر چرچل جیسے زبردست امریکہ پسند نے کہا یہ بننے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے مجھے اس کی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر والٹن نے پارلیمنٹ میں اس معاملے کو منظوری کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا ہماری ان قربانیوں اور جفا کشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقاصد کے لیے برداشت کیں اس نرالے ستم ظریفانہ انعام پر آئندہ زمانہ کے مورخین ہی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے“

۱۳۔ سرمایہ کا تعطل: اس کی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ سود خور اپنا سرمایہ روکے رکھتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ جب شرح سود میں اضافہ ہو تب قرض دیں دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ دار کو یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ سرمایہ اس قدر وافر نہ ہو جائے کہ شرح سود کو کم کرنا پڑ جائے چنانچہ وہ ریزرو کے نام سے کچھ سرمایہ روک کر رکھتے ہیں۔

۱۴۔ معاشی بربادی۔ کارل مارکس کے بقول:- ”سود خور ایک زبردست شیطان ہے جو ایک بھیڑیا صفت انسان ہے جو ہر شے کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے جب ہم چوروں، ڈاکوؤں اور نقب زنیوں کی گر دن مارتے ہیں تو پھر اسی طرح تمام سود خور بھی گردن زدنی ہیں“

۱۵۔ ناجائز ذرائع کا استعمال: سود کی رقم کی وجہ سے ناظم کار زیادہ منافع کا خواہش مند ہوتا ہے چنانچہ اوجھے، تھکنڈے اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ جیسے ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے۔

۱۶۔ غیر ممالک کی دخل اندازی: بعض اوقات مقروض ممالک پر قرض دینے والے ممالک قرضوں کے بل پر دباؤ ڈال کر سیاسی مقاصد بھی حاصل کرتے ہیں اور بعض اوقات اس سے ملکی سالمیت کو بھی

خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ منافع خوری میں اضافہ کا رجحان۔ سودی قرض سے شروع کیے گئے کاروبار میں سود کی ادائیگی کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔

۱۸۔ غریب طبقہ کی محرومی۔ سود کی وجہ سے ہونے والی شرح منافع میں زیادتی گرانی میں اضافہ کرتی ہے چنانچہ کم آمدنیوں والے افراد کو محرومیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

۱۹۔ کساد بازاری: قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے طلب میں کمی پیدا ہوتی ہے اور کساد بازاری پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۰۔ قتل اجناس: کساد بازاری کو ختم کرنے کے لیے پیداوار کو محدود کیا جاتا ہے بقول شیخ محمود احمد ”یہ سودی نظام کا بنیادی طریق کار ہے اس کا اظہار ہر ملک میں اور ہر قسم کی پیداوار میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن غالباً سب سے خوبصورت مظہر امریکہ کی زرعی پالیسی ہے جس کے تحت امریکہ کی حکومت بارہ ارب ڈالر ہر سال محض زرعی پیداوار کو کم کرنے پر صرف کرتی ہے اور چونکہ اتنی بڑی رقم امریکہ کے پاس بھی فاضل نہیں ہوتی لہذا ہر سال یہ رقم سودی قرض پر حاصل کی جاتی ہے انسان کی محرومی اور سرمایہ کی توانائی کی ایسی عبرتناک مثال شاید کہ دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہ مل سکے“

۲۱۔ خسارے کا بجٹ۔ کساد بازاری کو حکومت اپنے لیے خطرہ تصور کرتی ہے چنانچہ کساد بازاری کو ختم کرنے کے لیے حکومت انسانوں کو روزگار اور قوت خرید مہیا کرنے کے لیے اپنی آمدنی کی نسبت کہیں زیادہ اخراجات رکھنے پر مجبور ہوتی ہے چنانچہ خسارے کا بجٹ تیار کرنا پڑتا ہے پاکستان اور کئی دیگر ممالک اس کا شکار ہیں۔

۲۲۔ حکومت پر قرضہ کا بوجھ۔ خسارے کو پورا کرنے کے لیے حکومت کو دیگر ممالک یا انہی سرمایہ داروں سے جو پہلے بجٹ کے خسارے کا بالواسطہ سبب بنے ہیں سود پر قرض لینا پڑتا ہے۔

۲۳۔ مزدوروں کا استحصال۔ سود کی ادائیگی کے لیے منافع کی شرح کو زیادہ رکھنے اور دیگر اخراجات کو کم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ مزدوروں کی اجرت میں کمی بردی جاتی ہے غریب مزدور اپنی

مشکلات کی بنا پر پھر بھی کام پر مجبور ہیں۔

۲۴۔ صنعتی ترقی پر اثر۔ جب سرمایہ دار کو بیٹھے بٹھائے قرض دے کر آمدن ہو رہی ہے تو اسے کاروبار صنعت کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اس کے پاس یہ زائد مال تھا اگر اسی کے پاس رہتا تو یقیناً کسی کاروبار یا صنعت پر لگتا لیکن اس نے قرض دے دیا اب ضروری نہیں کہ وہ کسی صنعت وغیرہ پر ہی لگے اس طرح صنعتی ترقی پر اثر پڑتا ہے دوسری صورت یہ کہ بیمار کارخانے جو سود کے بوجھ کی وجہ سے ٹھپ ہو جاتے ہیں ان کا ٹھپ ہونا بھی صنعتی ترقی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۲۵۔ ملازمتوں پر قدغن۔ صنعتی ترقی کمزور ہونے اور کارخانے ٹھپ ہونے کی وجہ سے کارخانوں کے ملازم بے روزگار ہو جاتے ہیں اگر سود نہ ہو تو کاروبار ٹھپ نہ ہوں۔

آج شرح سود صفر پر لے آئیے تو ملک کے تمام بیمار کارخانے صحت مند ہو جائیں گے ان میں سے کسی بیلنس شیٹ اٹھا کر دیکھئے تو ایک قدر مشترک جو ہر کارخانے میں نظر آئے گی یہ ہے کہ کارخانے پر سود کا بوجھ اس کی مجموعی آمدنی سے کہیں زیادہ ہے اب نقصان اٹھا کر کارخانہ چلانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا لہذا کارخانہ بند ہو جاتا ہے اور بیمار کارخانہ کہلاتا ہے ان بیمار کارخانوں میں ملک کی مجموعی صنعتی سرمایہ کاری کا ایک چوتھائی لگا ہوا ہے آج شرح سود صفر پر لے آئیے تو ان میں سے ہر کارخانہ صحت مند کارخانہ بن جائے گا اور ہزار ہا انسانوں کی روزی اور حکومت کی آمدنی میں بیش بہا اضافے کی صورت نکل آتی ہے۔

۲۶۔ اخلاقی تباہی۔

سود کی وجہ سے انس و محبت اور سخاوت و رحمدلی کی بجائے خود غرضی اور زر پرستی معاشرہ کا حصہ

بن جاتی ہے احسان اور حسن سلوک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی کے بقول: ”ربا کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرض کے معاملے میں جو احسان کرنے اور انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ اگر سو دنہ لیا جائے تو اس سے طرفین کو خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اگر سود کو جائز قرار دیا جائے تو بے چارہ

ضرورت مند انسان مجبوراً ایک درہم کے عوض درہم تو ضرور ادا کرے گا لیکن اس سے اسلامی مواخات اور ہمدردی متاثر ہوگی اور معروف و احسان کا دروازہ بند ہو جائے گا“ امام جعفر کے بقول۔
 ”اللہ تعالیٰ نے سود کو اس لیے حرام کیا ہے تاکہ انسان قرض کے ذریعے ایک دوسرے کی مدد کریں“
 سید محمد باقر کے بقول:-

”بات کے غیر متوازن ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کہنے کی بھی جرات نہ کرتا کہ سودی اور غیر سودی معاشرہ انسانی اور غیر انسانی معاشرہ ہے انسانی معاشرہ میں باہمی تعاون اور سماجی ہمدردی ہے اس میں سود کا گزر نہیں ہے اور غیر اسلامی سماج میں خود غرضی، مفاد پرستی ہے اس کا کام جمع مال، افراط زر، سود خوری اور احتکار کے بغیر چل ہی نہیں سکتا“
 سود خور کو بالکل بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کا مقروض کس حد تک لاچار اور مجبور ہے اسے صرف اور صرف اپنی رقم کی وصولی سے غرض ہوتی ہے۔

۲۷۔ معاشی پاگل پن: سود کے پیدا کردہ ان مفسد کی بناء پر معاشی مفکرین حیران و پریشان اور سرگرداں ہوتے ہیں وہ ان مفسد کو ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن سود کو ختم کرنا بھی انہیں گوارا نہیں ہوتا چنانچہ وہ طرح طرح کے حل نکالتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ جب تک مرض کی بنیاد موجود ہوگی مرض کو ختم نہ کیا جاسکے گا اگر بے روزگاری کا علاج کرتے ہیں تو گرانی میں اضافہ ہو جاتا ہے“ گرانی کا علاج کرتے ہیں تو بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اور پھر بالکل وہی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (۲: ۲۷۵)

”مگر جو انسان سود کھاتے ہیں ان کا حال ایسا ہو جاتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو“

۲۸۔ اخروی بربادی۔ ان تمام مفسد کے علاوہ اسلامی نظریہ کی رو سے سود کی ایک انتہائی اہم خرابی یہ ہے کہ یہ انسان کی آخرت کو تباہ کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ . فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۲: ۲۷۸، ۲۷۹) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو

اور جو کچھ تمہارا سود انسانوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے“

سود کی حرمت اور انجام :- ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (۲: ۲۷۵) ”سود کھانے والے انسان قیامت میں قبروں سے

ایسی حالت میں کھڑے ہونگے جس طرح شیطان نے ان کو جھپٹی بنا دیا ہو۔ ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ (۲: ۲۷۶) ”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں“

اقارب کا زیادہ حق :- ﴿قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (۲: ۲۱۵) ”محمد ﷺ فرمادیتے تھے کہ جو

کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو تو اس میں ماں باپ کا حق اول اس کے بعد قرابتداروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کا جو انسان بھلائی کے کام کرے گا اللہ کو اس کا اچھی طرح علم ہے“

خیرات سے مال بڑھتا ہے :- ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتُ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

عَلِيمٌ﴾ (۲: ۲۶۱) ”جو انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ شدہ اموال کی صورت عند اللہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس سے سات بالیس اگیں اور ہر بالی کے اندر سودا نے

ہوں اور یہ بڑھوتری اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور علم والے ہیں“

نتیجہ خیرات کا ایسا مال ایسے بڑھتا ہے جس میں احسان اور ایذا نہ ہو“

جو انسان سود کی آمد سے گھر میں روٹی اور کھانا پکاتا ہے اس سے کتے کا گوشت بہتر ہے۔

سود خور کی موت۔ سود خور اور خنزیر کی موت میں کوئی فرق نہیں ہے۔۔۔

سود کے متعلق قرآنی احکام۔ معاشیات کے نقطہ نظر سے سودی قبرش کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مجبور اور حاجت مند انسان لیتے ہیں اکثر انسان اس سودی قرض کی برائیوں سے واقف ہیں۔

۲۔ وہ سودی قرض جو تجارت اور صنعت و حرفت، زراعت اور مکانات وغیرہ کے کاموں میں لگانے کے لیے پیشہ ور انسان یا حکومت لیتی ہے آج کل اس دوسری قسم کے قرض اور اس سے حاصل شدہ سود کو تجارت اور منافع تجارت سمجھا جاتا ہے۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۲: ۲۷۵) ”جو انسان سود کھاتے ہیں ان کا حال اس انسان کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤ لا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی شے ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے جس انسان کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ اس سے باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا وہ اسی کا رہا اور معاملہ اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کوئی زیادتی کرے پس وہی انسان صاحب دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے“

ربوا کے معنی عربی میں زیادتی اور اضافہ کے ہیں اصطلاحاً اہل عرب اس لفظ کو زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ وصول کرتا ہے۔

آج کل سودی قرض کو معاشی ترقی کے لیے لازمی اور ناگزیر سمجھ لیا گیا ہے لیکن درحقیقت سودی قرض کی رقمیں ان کاموں پر لگائی جاتی ہیں جو رائج الوقت شرح سود سے زیادہ نفع دیں تاکہ سود ادا کرنے کے بعد کارکن کو بھی نفع حاصل ہو سکے اس طرح ملک کے تمام وسائل کا بہاؤ ایسے

کاموں کی طرف ہو جاتا ہے جو صرف زائد مالی منافع دیتے ہیں خواہ ان کی اجتماعی اور اصلاحی حیثیت ملک و قوم کے لیے بہت کم یا کچھ بھی فائدہ مند نہ ہو دوسری طرف زائد نفع خوری سے اشیاء کی قیمتیں

باب - ۱۱ حلت و حرمت قرآن کے تناظر میں

سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ حلال و حرام کا سوال اشیاء کائنات سے متعلق ہے جو اللہ کے تخلیق کردہ مادہ سے پیدا ہوتی ہیں مادہ کی تین حالتیں ہیں مائع، ٹھوس، گیس ان تفصیل حسب ذیل ہے

(i) ٹھوس - اس کی پھر تین اقسام (۱) جمادات (۲) نباتات (۳) حیوانات

جمادات - پتھر کوئلہ لوہا تانبا اور سیسہ وغیرہ معدنی اشیاء انسانی غذا نہیں دوسری اور تیسری نباتات اور حیوانات انسانی غذا میں ہیں اور انہی کی حلت و حرمت کا مسئلہ اس وقت ہمارے درپیش ہے۔

نباتات قرآن کے تناظر میں

ہر وہ شے جو زمین سے پیدا ہوتی ہے نباتات کی فہرست میں داخل ہے گندم، جو، جوار، باجرہ، مکئی، چاول، چنے وغیرہ غلہ جات اسی، سرسوں، تل، توریا وغیرہ ہر قسم کا تیل نکالنے کے بیج، آلو، اروی، ٹنڈو، گھیا، گاجر، مولیٰ اور شلغم وغیرہ ہر قسم کی سبزیاں اور پھلوں میں آم، انار، سیب، انگور وغیرہ ہر قسم کے میوہ جات کے علاوہ زمین سے اگنے والی ہزاروں اقسام کی جڑی بوٹیاں سب نباتات ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نباتات کی لاکھوں اقسام میں کونسی قسم حلال اور حرام ہے؟ اس سوال کی تفہیم عرض کرنے سے پہلے قرآن کریم کے مستقل اسلوب بیان کی وضاحت ضروری ہے کہ اس نے نہ صرف حلال اشیاء کی کوئی لمبی چوڑی فہرست بیان کی ہے نہ حرام اشیاء کا گوشوارہ پیش کیا ہے بلکہ کتاب اللہ کا غیر متبدل قاعدہ یہ ہے کہ وہ کسی واضح اور بین نشان کا اعلان کر کے حلت و حرمت کا فیصلہ چند لفظوں میں بیان کر دیتی ہے چنانچہ زمینی پیداوار اور نباتات کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ (۲۲: ۲)

”وہ اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ جو آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اور اس کے ساتھ تمہارے لیے زمین سے پھلوں کا رزق نکالتا ہے“

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّى كُلُوا وَرَعَوْا لِنِعْمِ كُمْ ﴿٢٠﴾ (۵۳:۵۳)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے رہنے کی جگہ بنایا ہے اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیئے ہیں اور وہی آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر ہم اس پانی کے ساتھ مختلف قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں اے انسانو! نباتات کو خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس خور چوپائیوں کو بھی کھلاؤ“

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کی پیداوار میں سے بعض نشہ آور بھی ہیں مثلاً بھنگ پوست وغیرہ اور بعض کڑوی بدمزہ اور خلاف مزاج ہوتی ہیں یعنی خود رو جڑی بوٹیاں وغیرہ۔ بھنگ پوست وغیرہ کے متعلق تو بطور استثنیٰ فرمان ہے انما الخمر... رجس... فاجتنبوه (۹۰:۵)

”بلاشبہ نشہ آور ہر شے ناپاک ہے اس سے بچتے رہنا“

اور زمینی پیداوار میں سے کڑوی اور خلاف مزاج اشیاء کے متعلق ہے:-

يا ايها الناس كلوا مما في الارض حلالاً طيباً (۲۶۸:۲)

”اے انسانو! زمین میں سے حلال اور طیب اشیاء کھاؤ“

دیکھئے! اس آیت میں زمینی پیداوار کے کھانے پر دو شرطیں عائد کی گئی ہیں حلالاً اور طیباً کی

۱۔ پہلے نمبر پر یہ کہ زمین کی وہ پیداوار جو تمہاری اپنی نہیں کھیت کسی اور کا ہے تو اس میں سے گاجر مولیٰ شلغم وغیرہ کوئی بھی شے تمہارے لیے حلال نہیں اسی طرح زمین کی ہر پیداوار جو چرائی جائے یا دھوکہ، فریب، رشوت یا استحصال کے ذریعہ حاصل کی جائے حلال نہیں ہے۔

۲۔ دوسرے نمبر پر یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وہ اشیاء طیب یعنی تمہارے موافق مزاج بھی ہو بعض اشیاء انسانوں کے دائمی طور پر مزاج کے خلاف ہوتی ہیں اور بعض اشیاء کسی مخصوص وقفہ کے لیے طبعیت کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً کسی بیماری کے وقفہ میں بیٹنگن اور کرلیے خلاف مزاج ہوتے ہیں اور کسی بیماری کے وقفہ میں ماش، دال، اور اروی بھنڈی وغیرہ۔

۳۔ زمین کی حلال اور طیب اشیاء کا عشر و زکوٰۃ بھی ادا کیا جائے۔

المختصر! سطور بالا میں زمین کی پیداوار جو حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور موافق مزاج بھی ہو اس کے کھانے کی اجازت ہے وہ حلال ہے اور حرام طریقوں سے حاصل کردہ اور ناموافق

مزاج زمینی پیداوار کھانے کی اجازت نہیں دی گئی وہ حرام ہے۔ اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے

(۲) حیوانات قرآن کے تناظر میں

حیواناتی جانداروں کی تین اقسام ہیں

(۱) بری جانور (خشکی پر رہنے والے) (ب) فضائی جانور (ہوا میں اڑنے والے) یہ بھی خشکی پر رہتے ہیں (ج) آبی جانور (پانی میں رہنے والے)

۱۔ بری جانور

اللہ نے خشکی پر رہنے والے جانوروں کو چال کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پیٹ کے بل چلنے والے۔ ب۔ دو پاؤں پر چلنے والے۔ ج۔ چار پاؤں پر چلنے والے۔

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَى

رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّن يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ﴾ (۲۴: ۲۵)

”اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو پانی سے تخلیق کیا ان میں سے بعض پیٹ کے بل چلتا ہے (سانپ کی

قسم) اور بعض وہ ہے جو دو پاؤں کے بل چلتا ہے (انسان اور پرندے) اور بعض وہ جو چار پاؤں پر چلتا

ہے (گائے، بھینس، گھوڑا، گدھا، شیر، بھیر یا وغیرہ)

چار پاؤں والے جانور

چار پاؤں پر چلنے والے جانور دو حصوں میں تقسیم ہیں

الجوارح (درندے) (الانعام) (چرندے)

الجوارح درندوں سے شکار پکڑنے کا کام لیا جائے گا۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ

لَكُمْ الطَّيِّبُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (۵: ۴)

”محبوب ﷺ سے سوال کریں گے کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے آپ ﷺ فرمادیں گے کہ تمہارے لیے

طیب اشیاء حلال کی گئی ہیں اور جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی طرف دوڑنے کی وہ تعلیم دیتے ہو جو

اللہ تعالیٰ نے تمہاری جبلت میں رکھ دی ہے پس وہ جس شکار کو تمہاری دی ہوئی تعلیم کے مطابق تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس پر اللہ کے نام کا ذکر کیا کرو یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کر کے رگوں کا خون خارج کر دیا کرو پھر اسے کھاؤ وہ تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے“

دیکھئے! اس آیت میں بری جانوروں کو شکار اور شکاری کے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے شکاری جانوروں کے لیے الجوارح کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی زخم دینے والے پھاڑ کھانے والے گوشت خور ان میں شیر، چیتا، بھیڑیا اور کتا بلا وغیرہ سب درندے شامل ہیں ان گوشت خوروں کے مقابلے میں چار پائیوں کی دوسری قسم وہ ہے جو گوشت کھانا تو درکنار اسے سونگھتے بھی نہیں ان کی خوراک نباتات ہے قرآن میں ان گھاس خور چار پائیوں کو الانعام کہا گیا ہے۔

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَ سَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّىٰ. كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ﴾ (۲۰: ۵۳-۵۴)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش ٹھہرایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیئے اور آسمان سے پانی نازل کرتا ہے پھر ہم اس پانی کے ساتھ زمین میں سے مختلف قسم کی نباتات پیدا کرتے ہیں تم نباتات کو خود بھی کھاؤ اور اپنے گھاس کھانے والے چوپائیوں کو بھی کھلاؤ“

دیکھئے! ان آیات میں انعام کی مخصوص صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ گھاس کھاتے ہیں گوشت نہیں کھاتے لہذا چار پائیوں کی دو قسمیں ہیں

شکاری اور شکار۔۔۔۔۔ یا گوشت خور اور گھاس خور

قرآن کریم نے گوشت خور چوپائیوں کو (۵: ۴) میں الجوارح اور گھاس خور چوپائیوں کو (۲۰: ۵۳-۵۴) میں الانعام کے الگ الگ اسماء سے متعارف کرایا ہے واضح رہے کہ یہ دونوں صنفیں الگ الگ ہیں الجوارح، الانعام میں شامل نہیں ہیں اور الانعام الجوارح میں شامل نہیں۔

الانعام کی دو قسمیں

اس سے آگے قرآن نے الانعام یعنی گھاس خور چوپائیوں کی پھر دو قسمیں بتائی ہیں۔

بہیمۃ الانعام۔۔۔ اور غیر بہیمۃ الانعام یعنی بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے اور غیر بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے چنانچہ حلت و حرمت کے ضمن میں قرآن نے صرف گھاس خور چوپایوں میں سے بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال ٹھہرائے ہیں۔ اِحْلَتْ لَكُمْ بِهَيْمَةِ الْاَنْعَامِ (۱:۵) ”تمہارے لیے بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال کیے گئے ہیں“

دیکھئے! اس آیت کی رو سے گوشت خور چوپائے تو سب کے سب حرام ٹھہرے بلکہ گھاس خور چوپایوں میں سے بھی جو بہیمہ قسم کے چوپائے نہیں وہ بھی حرام ہیں گھاس خور چوپایوں میں سے صرف بہیمۃ الانعام حلال ہیں، یہ مرکب مرکب اضافی ہے مگر بعض اسے مرکب توصیفی ظاہر کر کے بہیمہ کو جملہ انعام کی صفت بنا کر پورے الانعام کو بہیمۃ ٹھہرا کر پورے گھاس خور چوپایوں گھوڑا گدھا وغیرہ کو بھی حلال اور صرف سور کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں ان کا تدبر خلاف قرآن ہے کیونکہ گھاس خور چوپایوں میں سے گھوڑے، خچر اور گدھے کے متعلق (۸:۱۶) میں اعلان کیا گیا ہے کہ یہ سواری کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں کھانے کے لیے نہیں۔

بہیمۃ الانعام کی پہچان

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ الانعام یعنی گھاس خور چوپایوں میں سے بہیمۃ الانعام قسم کے گھاس خور چوپائے کون سے ہیں اور ان کی پہچان کیا ہے؟ اس اہم سوال کا جواب قرآن کریم نے اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کر دیا ہے لغت کی کتابوں میں بھی اسی جواب کے مطابق بہیمۃ الانعام کا معنی لکھا ہے ”اونٹ گائے اور بھیڑ بکری کی اولاد“ لیکن یاد رہے کہ قرآن کی رو سے صرف مذکورہ گھاس خور چوپائے ہی بہیمۃ الانعام نہیں ہیں بلکہ ایک خاص مماثلت کی رو سے۔ ہر وہ گھاس خور چوپایہ حلال ہے جو بہیمۃ الانعام میں شامل ہے تفصیل کے لیے نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں الگ الگ درج کیا جاتا ہے۔

آیۃ حلت بہیمۃ الانعام

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحْلَتْ لَكُمْ بِهَيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (۱:۵)

”ایمان والو! تمہارے لیے انعام کے بہیمہ یعنی گھاس خور

قسمیں بتائی ہیں ان میں اونٹ اور بیل بوجھ اٹھانے والے چوپائے ہیں اور بھیڑ بکری بغیر بوجھ اٹھانے والے۔ اونٹ اور بیل قد آور جانور ہیں اور بھیڑ بکری پست قد ہیں تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ کونسی شے ہے جو ان آٹھوں گھاس خور چوپایوں میں تو قدر مشترک کی صورت میں موجود ہے مگر وہ بعض گھاس خور چوپایوں میں موجود نہیں اس کے جواب میں اگر گھاس چرنے کو ان آٹھوں قسموں کا مشترک نشان قرار دیا جائے جیسا کہ بعض لغتوں نے قرار دیا ہے اور بہیمہ کا معنی چرنے والے چوپائے لکھا ہے تو انعام یعنی گھاس خور چوپایوں کی حلت کے لیے (۱:۵) میں مذکورہ بہیمہ الانعام کی قرآنی قید مہمل ہو کر رہ جاتی ہے اور (۱۲۲:۶-۱۲۳) میں جو آٹھ قسموں کے کھانے کا مخصوص حکم دیا گیا ہے مضحکہ خیز ٹھہرتا ہے کیونکہ گھاس چرنے کی جہت سے مذکورہ بالا آٹھ قسموں میں جملہ گھاس خور چوپایوں سے الگ کوئی صفت موجود نہیں اور اس طرح جب بھیڑ بکری، اونٹ، گائے میں اور باقی گھاس چرنے والے چوپایوں میں کوئی فرق نہیں تو ان کے کھانے کا الگ حکم (۱۲۲:۶-۱۲۳) بھی بیکار محض ٹھہرتا ہے لیکن۔

یاد رکھئے! قرآن کا کوئی حکم بیکار نہیں اور نہ اس لاریب کتاب میں کوئی لفظ بھرتی پوری کرنے کے لیے لایا گیا ہے اگر پورے کے پورے انعام (گھاس چرنیوالے یا مستثنیٰ خنزیر) حلال ہوتے (۱:۵) میں ان کی حلت کے لیے الانعام پر بہیمہ کی شرط نہ لگائی جاتی اور نہ بہیمہ کی تعریف کے لیے مذکورہ بالا آٹھ قسموں پر الف لام عہدی مثلی لا کر ان کے کھانے کا الگ طور پر مخصوص حکم دیا جاتا۔

المختصر! الانعام کی حلت کے لیے بہیمہ کی شرط جو عائد کی گئی ہے اور بہیمہ کی تعریف مذکورہ بالا آٹھ قسموں کے خصوصی ذکر میں کر دی ہے کہ بھیڑ بکری جیسے پست قد اور غیر بوجھ اٹھانے والے گھاس خور بھی بہیمہ الانعام میں داخل ہیں اور اونٹ بیل جیسے قد آور اور بوجھ اٹھانے والے گھاس خور بھی بہیمہ میں شامل ہیں سورۃ نحل میں اس امر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ گھاس خور بھی بہیمہ میں شامل ہیں سورۃ نحل میں اس امر کی وضاحت بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ گھاس خور چوپائے سب کے سب کھانے کے لیے نہیں ہیں ان میں سے بعض کھانے کے لیے ہیں اور بعض سواری کے لیے ہیں

دیکھئے! والانعام خلقها لكم فيها ذفء و منافع و منها تاكلون (۵-۱۶)

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھاس خور چوپایوں کو تخلیق کیا ہے ان میں جاڑے کا سامان ہے (اون

وغیرہ) اور فاعل بھی ہیں ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو“

الانعام کے ذکر میں منھا تا کلون کے الفاظ میں من بعضیہ لاکر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ سارے کے سارے نہیں بلکہ گھاس خور چوپایوں میں سے بعض کھائے جائیں گے سورۃ مومن میں ہے اللہ الذی جعل لکم الانعام لترکبوا منها و منھا تا کلون (۷:۴۰)

”اللہ وہ عظیم الشان ہستی ہے جس نے تمہارے لیے گھاس خور چوپائے تخلیق کیے ہیں ان میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو“

بعض ایسے ہیں جو صرف سواری اور بار برداری کے لیے ہیں کھانے کے لیے نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ صرف کھانے کے لیے ہیں سواری اور بار برداری کے لیے نہیں۔ بھیڑ بکری وغیرہ کہ ان میں اتنی طاقت ہی موجود نہیں کہ وہ ڈیڑھ دو من وزنی انسان کا بوجھ اٹھا کر کوئی چھوٹی سی منزل بھی طے کر سکیں اب اس سوال کا جواب کہ صرف سواری اور بار برداری کے لیے کون سے گھاس خور ہیں آیت ذیل میں دیا گیا ہے۔ والنخیل والبغال والحمیر لترکبوا (۸:۱۶) ”اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سواری کرو“

لترکبوا کی لام علت و تخصیص کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ تینوں انواع صرف سواری اور بار برداری کے لیے پیدا کی گئی ہیں، کھانے کے لیے نہیں یعنی یہ سواری کے لیے حلال مگر کھانے کے لیے حرام ہیں ادھر چونکہ کھانے کے لیے صرف بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ گھوڑے اور خچر اور گدھے گھاس خور ہونے کی بدولت انعام میں تو داخل ہیں لیکن بہیمہ الانعام میں داخل نہیں اگر یہ نوعیں بہیمہ الانعام ہوتیں تو اونٹ اور بیل کی طرح سواری کے جانور ہونے کیساتھ ساتھ ان کے کھانے کا حکم بھی موجود ہوتا اور انہیں صرف سواری کے جانور نہ بتایا جاتا غور فرمائیں کہ زیر بحث عنوان میں بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، گھوڑا، خچر اور گدھا سات انواع کا ذکر آچکا ہے گھاس خور ہونے کی بدولت یہ سب الانعام میں داخل ہیں گھاس خوری ان سب کی قدرے مشترک ہے بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے کے کھانے کا بھی حکم دیا گیا ہے ۶:۱۲۲-۱۲۳ حالانکہ ان میں اونٹ اور گائے نہ بوجھ اٹھانے والے بھی ہیں مگر گھوڑے، خچر، گدھے کو جو بوجھ اٹھانے والے ہیں کھانے کا حکم

نہیں دیا گیا۔

لیجئے! اب قرآنی شواہد کے مطابق بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بہیمہ قسم کے گھاس خور چوپائے حلال ہیں۔ ۱:۵۔ چونکہ اونٹ، گائے اور بھیڑ، بکری کے کھانے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے یہ حلال ہیں اور بہیمۃ الانعام میں داخل ہیں۔ ۱۲۲:۶-۱۱۴۔ گھوڑا، خچر اور گدھا چونکہ کھانے کے لیے حلال نہیں اس لیے یہ بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں۔ پس بہیمۃ الانعام کا تمیزی نشان وہ ہے جو بھیڑ، بکری، گائے اور اونٹ چاروں انواع میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے اور وہ گھوڑے، گدھے اور خچر میں موجود نہیں۔

جگالی:- اب مشاہدات کی رو سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے جو شے اونٹ، گائے اور بھیڑ، بکری میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور جو گھوڑے، خچر اور گدھے میں مشترک طور پر نہیں پائی جاتی وہ ہے جگالی اور صرف جگالی۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ جب چارہ کھاتے ہیں تو چبا چبا کر نہیں کھاتے بلکہ چارے کو جلدی جلدی سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور حسب ضرورت کھا چکنے کے بعد اطمینان سے بیٹھ جاتے اور جگالی کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن اس کے برعکس گھوڑا، خچر اور گدھا وغیرہ چارے کو سمیٹتے نہیں بلکہ شروع ہی سے چبا چبا کر کھاتے ہیں اور بعد میں جگالی نہیں کرتے گھاس خور چوپایوں کی دو قسمیں ہیں جگالی کرنے والے و جگالی نہ کرنے والے جگالی نہ کرنے والوں کا ایک محکم اور غیر متبدل نشان یہ بھی ہے کہ ان کے سامنے کے اوپر والے دانت نہیں ہوتے۔ پس ثابت ہوا کہ کرہ ارض کے تمام گھاس خور چوپائے جو جگالی کرتے ہیں وہ سب بہیمۃ الانعام اور حلال ہیں اور جو جگالی نہیں کرتے وہ بہیمۃ الانعام سے خارج اور حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان سوالوں کا جواب جو حلت و حرمت کے ضمن میں کیے جاتے ہیں کہ قرآن کریم میں کتا، بلا اور بندز حرام دکھاؤ، ان سب سوالوں کا جواب احلت لکم بہیمۃ الانعام کے ایک ہی جملے میں دیدیا ہے کہ جگالی کرنے والے سب گھاس خور چوپائے حلال ہیں اور جگالی نہ کرنے والے سب گھاس خور چوپائے حرام ہیں۔

ہمارا سوال:- جو انسان قرآن کریم سے کتا، بلا، بندز وغیرہ کی حرمت کی سند دوسری کتابوں سے

حاصل کرتے ہیں وہ اپنی کتابوں کی ورق گردانی کر کے مندرجہ ذیل جانوروں کے متعلق فیصلہ دیں کہ وہ ان کی کتابوں میں حلال کی فہرست میں درج ہیں یا حرام کی لسٹ میں شامل ہیں۔

جنوبی امریکہ کا جاگور، تاپیر، الاماء، الپا کا، ریا کنڈر، ارماولو اور سلوتھ وغیرہ کس فہرست میں درج ہیں اور سائبریا کارینڈیز آسٹریلیا کانگرو اور افریقہ کا زبیل کس فہرست میں شامل ہیں کہ دوسری کتابوں کی حلال و حرام کی فہرستیں یقیناً یقیناً دنیا بھر کے گھاس خور چوپایوں کے نام اور ان کی حلت و حرمت سے پیش کرنے سے قطعاً قاصر ہیں اور قاصر رہیں گی۔

اور ان کے مقابلے میں قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ اس نے حلال و حرام کے لیے امتیازی نشان بتا دیا ہے جگالی جس کا ظاہر نشان یہ ہے کہ جگالی کرنے والے چوپایوں کے سامنے کے اوپر والے دانت نہیں ہوتے آپ ان الہی نشانات کو لے کر کرہ ارض کے گرد گھوم جائیں آپ کو حلال و حرام چوپایوں کی پہچان میں رائی برابر بھی دقت پیش نہ آئے گی نہ آپ کسی چوپائے کا م دریافت کرنے کی ضرورت ہوگی نہ اس کا عربی نام تلاش کرنا پڑے گا اور نہ ہی حلال و حرام کی روایتی فہرستوں کے دفتر اپنے ساتھ لیے پھرنے کی زحمت اٹھانی پڑے گی کس قدر آسان پہچان ہے کہ جن چوپایوں کے سامنے کے اوپر والے دانت نہیں وہ حلال ہیں اور جن کے ہیں وہ حرام ہیں۔

حلال جانوروں کی کچھ اشیاء حرام ہیں

اب اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ قرآن کریم نے حلال جانوروں کی کچھ اشیاء حرام ٹھہرائی ہیں ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ (۱:۵) ”تمہارے لیے جگالی کرنے والے گھاس خور چوپائے حلال کیے گئے ہیں سوائے ان اشیاء کے جو تم پر پڑھ کر واضح ہو جائیں“ اس سوال کا جواب اس سے اگلی آیت کے الفاظ میں دیا گیا ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذُكِّتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصْبِ وَإِنْ تَسْقَمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ (۳:۵) ”تمہارے لیے بہیمۃ الانعام جگالی کرنے والے گھاس خور چوپایوں میں سے حرام کیا گیا ہے ان کا مردہ، خون، لحم خنزیر اور وہ بہیمۃ الانعام جو غیر اللہ کی

نیاز چڑھایا جائے اور جوان میں سے گلاگھٹ کر مر جائے اور جو آپس کی لڑائی میں سینگ لگنے سے مر جائے اور جو زندہ درندہ کھالے سوائے اس کے کہ تم اسے ذبح کر لو اور جو کسی خانقاہ پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ اس کے گوشت کو قرعہ کر کے تیروں کے ساتھ تقسیم کرو۔“

ایک لمحہ فکریہ:- لحم الخنزیر سے مراد غدود کا گوشت بھی لیا گیا ہے حالانکہ عام مترجمین نے اس کا معنی سور کا گوشت لیا ہے یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ آیت میں گیارہ اشیاء حرام ٹھہرائی گئی ہیں جن میں سے لحم الخنزیر کو الگ کر لیا جائے تو باقی پوری دس اشیاء حلال چوپایوں بہیمۃ الانعام ہی کی ہیں کیونکہ جو جانور ہے ہی حرام اس کے متعلق اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ حرام جانور تو حرام اس کا خون حرام، غیر اللہ کی نیاز حرام، گلاگھٹ کر مر احرام، لاٹھی سے مر احرام، گر کر مر احرام، سینگ لگ کر مر احرام، درندے کا کھایا حرام، کسی استھان پر ذبح ہو احرام قرعہ کے تیروں سے تقسیم کیا حرام ظاہر ہے کہ حرام کی اتنی لمبی چوڑی تفصیل صرف حلال چوپایوں بہیمۃ الانعام ہی کی مختلف اشیاء مردہ اور خون وغیرہ نیز اس کی مختلف حالتوں سے متعلق جس پر یہ آیت بہیمۃ الانعام کے الفاظ شاہد ہیں۔

﴿أَحَلَّتْ لَكُمْ بِهِيمَةَ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ (۱:۵) ”بہیمۃ الانعام تمہارے لیے (جگالی کرنے والے) حلال کیے گئے ہیں ان کی ان اشیاء کے سوا جو تم پر پڑھ کر واضح ہو جائیں“ اس طرح جبکہ آیت ۲:۵ میں مذکورہ گیارہ اشیاء میں سے ذیل کی دس اشیاء مردہ خون، غیر اللہ کی نیاز، گلاگھٹ کر مر، لاٹھی سے مر، سینگ لگ کر مر، درندے کا کھایا، استھان پر ذبح ہوا، قرعہ کے تیروں سے گوشت بنا، بہیمۃ الانعام حلال چوپایوں ہی کی ہیں تو یہ امر کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ اس فہرست کی تیسرے نمبر کی گیارہویں شے لحم الخنزیر حلال چوپایوں سے متعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام کی حرام اشیاء کی فہرست میں تیسرے نمبر پر بلاوجہ رکھا ہے جبکہ احلت لکم بہیمۃ الانعام (۱:۵) کے الفاظ میں سور سمیت جگالی نہ کرنے والے تمام چوپائے پہلے حرام ٹھہرائے جا چکے ہیں بالفاظ دیگر سور کی حرمت کو ایک غیر مسلم متعلقہ فہرست میں شامل کرنے کا کیا مطلب؟

حقیقت حال وہی ہے جو آیت ۱:۵ کے الفاظ الاما یتلی سے عیاں ہے کہ بہیمۃ الانعام کی وہ

اشیاء حرام ہیں جو تم پر پڑھ کر واضح کی جائیں اور جو کچھ اس استثنیٰ میں پڑھ کر واضح کیا گیا ہے وہ ہیں

آیت ۵: ۳ میں درج گیارہ اشیاء جن میں ایک لحم الخنزیر، یعنی بہیمۃ الانعام ہی کا غدود کا گوشت، سور کا گوشت تو غیر بہیمہ ہونے کی بدولت تمام غیر بہیمہ چوپایوں کے گوشت کے ساتھ ساتھ ۵: ۱ میں پہلے ہی حرام ٹھہرا جا چکا ہے۔

لحم الخنزیر: لحم الخنزیر مرکب اضافی ہے لحم بمعنی گوشت اور خنزیر بمعنی غدود۔ اسکی جمع ہے خنازیر بمعنی غدودیں اور طبعی اصطلاح میں خنازیر اس بیماری کو کہتے ہیں جو گلے، بنگلوں اور جنگو اسوں کی غدودیں متورم ہو جاتی ہیں بالآخر ان میں مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان سے پیپ اور خون بہنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے جہاں حلال جانوروں کی باقی حالتوں کی جو انسانی صحت اور ایمان کی دشمن ہیں وضاحت کر دی ہے اور ان سے اجتناب کا حکم دیدیا ہے وہاں غدودوں کے گوشت سے بچنے کا حکم بھی دیدیا ہے غدودوں کا گوشت صحت کے مضر ہونے کے ساتھ ساتھ بودار بھی ہوتا ہے آپ دیکھتے ہیں عید الاضحیٰ کے موقع پر جو گھر گھر قربانی کی جاتی ہے قصاب چند منٹوں میں پورے بکرے کا گوشت بنا کر چلا جاتا ہے مگر گوشت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے پوری طرح غدودوں سے پاک نہیں کیا جاتا گوشت کی مختلف تہوں میں جو جھلی نما غدودیں ہوتی ہیں اور نہ انہیں نکالا جاتا صرف موٹی موٹی غدودیں الگ کر کے باقی غدودیں اور چھپھڑے گوشت کے اندر موجود ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے گوشت سے ایک قسم کی گھن آتی ہے ایسا گوشت جس سے پوری طرح غدودیں نہ نکالی گئی ہوں اس کے کھانے سے انسان ہر سال بیمار ہو جاتے ہیں۔ اس سے جو مخصوص بیماریاں شروع ہوتی ہیں وہ ڈاکٹروں سے مخفی نہیں۔

المنقصر! قرآن کریم نے حلال جانوروں کی حرام اشیاء کی فہرست میں لحم الخنزیر یعنی انہی کی غدودوں کے گوشت کو شامل کر کے اس امر کا ثبوت دیدیا ہے کہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس نے حلت و حرمت کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ اس کے برعکس اگر لحم الخنزیر کا معنی سور کا گوشت لیا جائے تو اس سوال کا کیا جواب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حلال جانوروں کے مردہ اور خون وغیرہ دس اشیاء کی حرمت کا اعلان کر دیا ہے تو انہی کی غدودوں اور چھپھڑوں وغیرہ کو کیوں حرام نہیں ٹھہرایا کیا حلال چوپایوں بہیمۃ الانعام کی غدودوں کا گوشت از روئے قرآن حلال ہے؟

ب۔ فضائی بری جانور:۔ کرہ ارض کے جانداروں کو اللہ تعالیٰ نے رہائش کے لحاظ سے تین حصوں

میں تقسیم کر رکھا ہے۔ (۱) بری جانور (خشکی پر رہنے والے) (۲) فضائی بری جانور (پرندے)
(۳) آبی جانور (پانی میں رہنے والے)

اب فضائی جانوروں (پرندوں) کی بحث ملاحظہ فرمائیں الانعام کے متعلق الہی فیصلہ یہ ہے کہ جگالی کرنے والے حلال اور نہ جگالی کرنے والے حرام ہیں ادھر مشاہدات کی رو سے ثابت ہے کہ چوپایوں میں سے جگالی وہی کرتے ہیں جن کے جسم کی ساخت میں اللہ تعالیٰ نے دو معدے بنائے ہیں یعنی جگالی کرتے وقت وہ اپنی خوراک لقمہ لقمہ کر کے ایک معدے سے نکالنے کے بعد دوسرے معدے میں ڈالتے چلے جاتے ہیں پس معلوم ہوا کہ جگالی کا عمل چرندوں کی جسمانی ساخت کے متعلق دو معدوں کا مظہر ہے فلہذا ثابت ہوا کہ چرندوں میں جسمانی ساخت کی رو سے حلت کا نشان دو معدوں کا ہوتا ہے یعنی جن چوپایوں کی جسمانی ساخت میں اللہ تعالیٰ نے دو معدے بنائے ہیں وہ حلال ہیں اور ایک معدے والے حرام ہیں۔

اسی طرح پرندوں کی جسمانی ساخت میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی اصول کار فرما ہے بعض پرندوں کے دو پوٹ ہوتے ہیں اور بعض کا ایک جس طرح چرندوں میں سے دو معدوں والے حلال اور ایک معدے والے حرام ہیں اسی طرح پرندوں میں سے دو پوٹ والے پرندے حلال اور ایک پوٹ والے حرام ہیں زندہ چرندوں کے معدے دکھائی نہیں دیتے لیکن جگالی کا عمل اور اوپر والے سامنے کے دانتوں کا نہ ہونا اس امر کی خبر دیتا ہے کہ یہ چوپایہ دو معدوں والا ہے اور اس طرح کسی چرندے کو ذبح کیے بغیر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس کے جسم میں دو معدے ہیں اور یہ حلال ہے اسی طرح اللہ نے پرندوں میں بھی ایسا اہتمام کر رکھا ہے کہ ذبح کیے بغیر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے دو پوٹ ہیں یا ایک کیونکہ پرندوں کا حلق والا پوٹ لٹکتا ہوا دکھائی دیتا ہے دو پوٹ والا پرندہ جب دانے چگتا ہے تو اس کا حلق کے ساتھ ماحقہ بیرونی پوٹ تھیلی کی طرح لٹک پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی حلت و حرمت کے سلسلے میں دو پوٹ والے پرندوں میں السلویٰ (بئیر) کے متعلق خبر دی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے السلویٰ یعنی بئیر اور اس قسم کے پرندے غذا کے لیے باافراط پیدا کر دیئے۔ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی كُلُّوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

(۵۷۲) ”اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہارے لیے من و سلوئیٰ با افراط پیدا کر دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ہم نے جو تمہیں طیبات سے رزق دیا ہے کھاؤ“

سلوئیٰ بٹیر کو کہتے ہیں اور السلوئیٰ کا السلف کا الف لام عہد مثلی ہے لہذا ارشاد ہوا کہ بٹیر کی قسم کے پرندے کھائے اور اب چونکہ بٹیر دو پوٹ والا پرندہ ہے لہذا ثابت ہوا کہ پرندوں کی حلت و حرمت کا امتیاز نشان دو پوٹوں کا ہونا ہے اور کرہ ارض کا ہر پرندہ جو دو پوٹ رکھتا ہے حلال اور جو ایک پوٹ رکھتا ہے حرام ہے۔

ہمارا سوال! جو انسان قرآن کریم کی بجائے پرندوں کی حلت و حرمت کی سند دوسری کتب سے حاصل کرتے ہیں کہ ان کی یہ کتابیں کرہ ارض کے پرندوں کی فہرست پیش کرنے سے یقیناً یقیناً قاصر ہیں۔ افریقہ۔ امریکہ۔ یورپ۔ ایشیا اور آسٹریلیا کے میدانی، پہاڑی اور صحرائی پرندوں کے نام اور ان کی حلت و حرمت کا فیصلہ دینا ان کے بس کا روگ نہیں۔ اور اس کے برعکس قرآن کریم کا اسلوب بیان ایسا جامع ہے کہ السلوئیٰ پر الف عہد مثلی لا کر اور کلو من طہیت کا حکم دیکر واضح کر دیا گیا ہے کہ بٹیر کی قسم کے یعنی دو پوٹ والا۔ سب پرندوں کی حلت کے دو پوٹوں والے امتیازی نشان کو لے کر کرہ ارض کے گرد گھوم جائیں آپ کو کہیں بھی کسی پرندے کی حلت و حرمت معلوم کرنے میں رائی برابر بھی وقت پیش نہیں آئے گی اور یہی ہے قرآن کریم کا اعجاز ایک ہی آیت میں بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کا حل دے دیتا ہے۔

آبی جانور:- پانی کے اندر ہزار ہا قسم کے جاندار رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں فیصلہ دے دیا ہے کہ پانی کے وہ جانور حلال ہیں جن میں مسفوح یعنی رگوں کا خون موجود نہیں اور اس پر تازے گوشت ہی گوشت کا جملہ صادق آتا ہے۔ هُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِنَا كُلُّوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا... (۱۶:۱۴) ”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس میں سے ترو تازہ گوشت کھاؤ“

اب ظاہر ہے کہ آبی جانوروں میں سے ترو تازہ گوشت ”لحما طریئا“ کی اصطلاح کسی ایسے جانور ہی پر صادق آسکتی ہے جس میں رگوں کا خون موجود ہی نہ ہو یعنی جس میں وہ خون موجود نہ ہو۔ بھیڑ

وغیرہ کو ذبح کرتے وقت جوش مار کر خارج ہوتا ہے اس کے ضمن میں سے صرف مچھلی ہی ایک ایسا آبی جانور ہے جس میں دم مسفوح موجود نہیں اس کے گھبرے قدرتی طور پر پھٹے ہوئے ہیں ذبح کی ضرورت ہی نہیں اگر ذبح کیا جائے تو خون ہرگز نہیں نکلتا انبیاء السلام علیہم کی سنت کے طور پر بھی موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں آیا ہے کہ جب آپ مجمع البحرین گئے تو آپ کے پاس بھنی ہوئی مچھلی تھی آپ کو بھوک لگی تو آپ نے اپنے ساتھی سے ناشتہ طلب کیا تو اس نے جواب دیا کہ دوران سفر جب ہم ایک پتھر کے پاس بیٹھے تھے تو میں چلتے وقت مچھلی وہیں بھول آیا تھا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرُحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا. فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِنَّا خُذَاءُنَا.... إِذْ أَوْينَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ (۱۸: ۶۰، ۶۳)

”جب موسیٰ علیہ السلام نے دوران سفر اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ میں اس وقت تک دم نہ لوں گا جب تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں یا مدت دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ مچھلی سمندر کی شاخ میں گر کر بہ گئی پھر جب وہ دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ بے شک ہمیں اس سفر میں بہت تکان ہوئی ہے ساتھی نے کہا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جب ہم اس مخصوص پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی وہاں بھول آیا تھا۔ دیکھئے کہ آیت بالا میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کا ناشتہ مچھلی بتایا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کریم نے لحمًا طریا کی تفسیر کر دی ہے کہ مچھلی ہی ایسا آبی جانور ہے جس پر تر و تازہ گوشت کا اطلاق ہو سکتا ہے اس میں دم مسفوح نہیں یعنی نہ اس میں رگوں کا خون موجود ہے اور نہ حلقوم ہوئے یعنی ذبح کرنے کی ضرورت اللہ تعالیٰ نے لحمًا طریا تر و تازہ گوشت کے ایک ہی مرکب تو صنفی میں آبی جانوروں کی حلت و حرمت کا فیصلہ دے دیا ہے ایک ضروری نوٹ:- اگر کوئی مچھلی ایسی پائی جائے جس میں دم مسفوح اسی طرح موجود ہو جس طرح بھیڑ بکری میں ہوتا ہے تو اس پر لحمًا طریا کی اصطلاح صادق نہیں آتی یعنی اسے تر و تازہ گوشت ہی گوشت نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ وہ خون اور گوشت کا مجموعہ ہوگی۔ صرف گوشت نہیں ہوگی۔ اس کے

گھبھڑے یقیناً یقیناً پھٹے ہوئے نہیں ہوں گے اس لیے قرآن کریم میں لہما طریا کے سوا کسی اور آبی جانور کے کھانے کا حکم نہیں دیا اور اس طرح دم مسفوح سے عاری مچھلی کے سوا پانی کے باقی تمام جانور کیلڑا، مینڈک، مگر مچھ، پلیٹر وغیرہ سب حرام ہیں۔

باسی مچھلی کا مسئلہ :- یاد رہے کہ قرآن کریم نے آبی جانوروں میں سے صرف دم مسفوح سے عاری مچھلی کے کھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے تر و تازہ گوشت کی اصطلاح لائی گئی ہے۔ لہذا وہ باسی مچھلی کھانا جس میں تعفن پیدا ہو چکی ہو منشاء الہی کے مطلقاً خلاف ہے ہاں اگر مچھلی کا پیٹ چاک کر کے ریل کے ایئر کنڈیشن ڈبوں میں دور دراز علاقوں میں پہنچائی جائے اور یا مقامی طور پر پیٹ چاک کر کے گولڈ سٹورج میں ذخیرہ کیا جائے تو نہ اس میں تعفن پیدا ہوتی ہے اور نہ اس کا کھانا منشاء الہی کے خلاف ٹھہرتا ہے۔

مچھلی کے ذبح کا مسئلہ :- بعض انسان مچھلی ذبح کرنے پر ضد کرتے ہیں لیکن یاد رہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ان میں رگوں کا خون موجود ہوتا ہے اگر وہ خون خارج نہ کیا جائے اور رگوں میں خون جم جائے تو ایسا گوشت دینی لحاظ سے حرام اور طبی لحاظ سے بیماریوں کے پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے تر و تازہ گوشت کہہ کر اس امر کی خبر دیدی ہے کہ اس میں رگوں کا خون موجود نہیں اس لیے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کے گھبھڑے قدرتی طور پر ہی پھٹے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم کی روشنی میں مسئلہ کی نوعیت تو یہی ہے۔ رہا ضد کرنے والوں کا معاملہ تو جب ذبح کرنے سے دم مسفوح نکلتا ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ انہیں ضد چھوڑ دینی چاہیے زندہ مچھلی کا گوشت بنانے کا مسئلہ :- اگر مچھلی زندہ ہے اور اس گوشت بنانا مطلوب ہے تو زندہ ہی کیپر پرزے کانٹے اور کھال کے سکیٹر ادھیڑنا شروع کر دیتے ہیں یہ فعل انتہائی ظالمانہ ہے اگر کوئی انسان ہمارے بال نوچنا شروع کر دے جب زندہ مچھلی کا گوشت بنانا مطلوب ہو تو پہلے ذبح کے طریقے سے اس کا سر جسم سے جدا کر دیا جائے اور جب اس میں حرکت باقی نہ رہے تو پھر اس کے پرزے کانٹے جائیں اور اس کی کھال کے سکیٹر وغیرہ ادھیڑے جائیں۔

بلوں میں رہنے والے جانور

اب سوال باقی ہے بلوں میں رہنے والے جانوروں کی حلت و حرمت کا یعنی سانپ، بچھو، گوہ، کرلا، چھپکلی، چوہا اور ہزار ہا قسم کے حشرات الارض کیڑے، مکوڑے وغیرہ یہ سب بری جانور ہیں اور بری جانوروں کی حلت کا قرآنی نشان ہے دو معدوں کی موجودگی اس لیے حشرات الارض چونکہ اس قرآنی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اس لیے حرام ہیں اس کے ضمن میں ایک عقلی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری ہے **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (۷۰:۱۷)** ہم نے بنی آدم کو تکریمت عطاء کی ہے اس کے بعد اسے جو نعمتیں کھانے کے لیے عطاء کی ہیں ان کا بار بار کا ذکر کیا ہے جہاں بنا تا قسم قسم کے اناج اور قسم قسم کی سبزیاں انگور انار وغیرہ رنگ میوے فواکھ اور گھاس خور چوپایوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اس لیے تخلیق کئے گئے ہیں **لتر کبوا منہا وامنہا تا کلون۔** تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوازی کرو اور بعض کو کھاؤ۔ اگر کرلا گوہ چھپکلی اور سانپ بچھو وغیرہ بھی کھانے کے لیے ہوتے تو قرآن کریم کے تیس پاروں میں کہیں تو کہا جاتا کہ حشرات الارض کیڑے مکوڑے تمہارے کھانے کے لیے تخلیق کئے گئے ہیں۔ گذارش ہے کہ ان غلیظ ترین اشیاء کو حلال قرار دینا یا ان کی حلت فتویٰ قرآن کریم سے طلب کرنا اپنے آپ کو انسانیت کے بلند ترین مقام سے گرانے کے مصداق ہے جس پر اسے اللہ تعالیٰ نے **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ** کا شرف عطا کر کے فائز کر رکھا ہے رہا یہ مسئلہ یہ سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور ہماری کس خدمت کے لیے تخلیق کئے گئے ہیں۔ اس سوال کا جواب بہت آسان ہے حشرات الارض کی خوراک مٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ یہ زمین کے زہریلے مادے اس سے خارج کرتے رہتے ہیں اور اس کے علاوہ انسانی بیماریوں کے لیے ان سے متعدد قسم کی دوائیں بنتی ہیں۔

درندے:- گوشت خور جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے الجوارح ۴/۵ اور السبع ۳/۵ کے الفاظ میں شکاری قرار دیا ہے اور ان کے مقابلے پر الانعام کو شکار بتایا ہے وما اکل السبع الا ما ذکرتکم ۳/۵ اور وہ حلال جانور بھی حرام ہے جسے درندہ پھاڑ ڈالے بشرطیکہ تم اسے ذبح کر کے پاک کر لو۔ درندوں سے شکار

پکڑنے کی خدمت تولی جائے گی یہ کھانے کے لیے حلال نہیں ہیں قرآن کریم کے مطابق یہ دو
وجوہات سے حرام ہیں۔ پہلی یہ کہ گھاس خور نہیں ہیں اور دوسری یہ کہ نہ ان کے دو معدے ہیں اور نہ یہ
جگالی کرتے ہیں۔ نیز شکاری پرندے باز اور شکر وغیرہ سے بھی شکار کا کام تو لیا جائے گا کھانے کے
لیے حرام ہیں کیونکہ نہ ان کے دو پوٹ ہیں اور نہ یہ قرآنی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن کریم نے:- احلت لکم بہیمۃ الانعام کے مختصر الفاظ میں کرہ ارض
کے چوپایوں کی حلت و حرمت کا فیصلہ دیدیا ہے ۲۔ السلوئی کے الفاظ فضائی اور ۳ لجماً ”طریاً“ کے
الفاظ میں آبی جانوروں کی حلت و حرمت بیان کر دی ہے۔

کرہ ارض پر بسنے والوں کو حلت و حرمت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے برعکس دوسری کتب
سے حلال و حرام کے فتوے حاصل کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ ایک مکتب فکر کے ہاں بلی حلال ہے
اور دوسرے کے ہاں حرام۔ ایک گروہ کے ہاں گدھا اور گھوڑا حلال ہیں اور دوسرے کے ہاں حرام ایک
طرف طوطا حلال ہے اور ایک جانب حرام۔ فاعتبروا یا ولی الابصار ابھی چند دنوں کا واقعہ ہے
کہ اخباروں میں ایک صاحب نے علماء سے سوال کیا تھا کہ میں نے اسلامی ممالک میں طوطا کھاتے
دیکھا ہے لہذا اس مسئلہ کے متعلق تسلی کی جائے کہ اسلام میں طوطا حلال ہے یا حرام؟ اس کے ضمن میں
ہماری گزارش یہ ہے کہ قرآن کریم کے سوا حلال و حرام کے مسائل میں کوئی تسلی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حلال
و حرام کے ضمن میں کرہ ارض کے مسلمانوں میں بہت سے جانوروں کے متعلق اختلافات موجود ہیں
قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر طوطے کے دو پوٹ ہیں تو حلال ہے ورنہ حرام دوسری کتب میں کوئے
کا بھی یہی حال ہے کہ بعض کے ہاں حلال ہے اور بعض کے ہاں حرام۔ مگر قرآن کے مطابق اس کی
حلت و حرمت بھی دو پوٹوں کے امتیازی نشان پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بری، فضائی اور آبی ہر سہ قسم کے حلال جانوروں کے تمیزی نشانات کی وضاحت
کر دی ہے ناموں کی فہرست پیش نہیں کی کہ کتا، بلا اور طوطا کو حرام ہیں اور گائے، بھینس، مرغ، کبوتر
حلال ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان کر رکھا ہے کہ ”حلت و حرمت کے سلسلے میں نام لے کر نہ کہا
کرو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے“ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ الْكُذِبُ هَذَا حَلَّلٌ وَ هَذَا

حَرَامٌ (۱۱۶:۱۱) ”اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں شے حلال یا حرام ہے“ بلکہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے تمیزی نشانات کو حلت و حرمت کا معیار قرار دیا کرو۔

ایک اہم اور ٹھوس اصول: حلت و حرمت کے مسئلہ پر اگر معمولی سا غور بھی کیا جائے تو عقل سلیم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ پورے کرہ ارض کے بری، فضائی اور بحری جانوروں کی فہرستیں پیش کر کے یہ بتانا کہ فلاں نہیں بلکہ قطعاً ناممکن ہے لہذا عقل سلیم کا یہی تقاضا ہے کہ ان ہر سہ اقسام کے لیے ایسے تمیزی نشان بتادیئے جائیں کہ ان کی مدد سے کرہ ارض کا ہر شخص کرہ ارض کے ہر جانور کے متعلق بلا تردد حلال و حرام کی پہچان کر سکے چنانچہ اسی عقلی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے اللہ نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

۱۔ چوپایوں میں سے جگالی کرنے والے یعنی دو معدوں والے جانور حلال اور باقی سب حرام ہیں۔

۲۔ پرندوں میں سے دو پوٹ والے جانور حلال اور باقی سب حرام ہیں۔

۳۔ آبی جانوروں میں سے صرف وہ مچھلی حلال ہے جس کے گلپھڑے پھٹے ہوئے ہوں اور ان میں دم مسفوح موجود نہ ہو باقی سب حرام۔

مسئلہ حلال و حرام کے متعلق مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ کرہ ارض کے تمام بری، فضائی اور آبی جانوروں میں سے صرف سور حرام ہے ان کو (۲:۱۷۳) کے الفاظ ذیل سے غلطی لگی ہے انما حرم علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر و ما اهل به لغير الله سوائے اس کے نہیں ہے کہ تم پر حرام کیا گیا ہے مردہ، خون، لحم خنزیر اور جو غیر اللہ کی طرف سے منسوب کیا جائے۔

اس آیت کی مفسر آیت (۵:۳) میں ہے کہ یہ اشیاء حلال جانوروں کی ہیں جنہیں حرام ٹھہرایا گیا ہے لحم الخنزیر سے مراد حلال جانوروں کا غدود کا گوشت ہے ایسے مفکرین جو سوز کے سوا ہر جاندار کو حلال قرار دیتے ہیں ان کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کرنا کافی ہے کہ کتا، بلا، مکھی، مچھر، سانپ، بچھو، گوہ، کرلا، اور چھپکلی وغیرہ کو حلال قرار دینے والے اس علمی تحقیق کا بغور مطالعہ کریں۔

(۲) مائعات

مادہ کی دوسری قسم مائع ہے مائع جو سیال اشیاء کو کھا جاتا ہے کچھ مائعات پینے کے کام آتے ہیں مثلاً

دودھ، چھاچھ، چائے، عرق، شربت، شہد، سوڈا وغیرہ مشروبات ہیں ہر قسم کے بیجوں کے تیل اور روغن غذائی حصے ہیں اور ہر قسم کے معدنی تیل اور تیزاب وغیرہ غذا نہیں بلکہ جلانے کے، مشینوں کے چلانے اور کئی قسم کی کیمیائی ضرورتوں کے کام آتے ہیں۔

پانی :- قرآن کریم نے جہاں کلو کے الفاظ میں طیبات کے کھانے کی اجازت دی ہے وہاں واشر بوا کے لفظوں میں پینے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی ہے مشروبات میں افضل ترین اللہ کی نعمت پانی ہے پانی وہ شے ہے کہ زندگی بھی اسی سے پیدا ہوئی تھی۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (۲۱:۳۰) اور زندگی قائم بھی اسی کے ساتھ رہتی ہے پانی کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا یہی وجہ ہے کہ رب العلمین نے زمین کے اوپر اور اسکے اندر ہر جگہ پانی کی نہریں جاری کر رکھی ہیں کہہ ارض پر آپ جہاں بھی زمین کھودیں آپ کو اپنے پاؤں کے نیچے ضرورتاً تازہ اور مصفی پانی میسر آئے گا الگ بات ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ کہیں پندرہ بیس فٹ مٹی کھودنے کے بعد مل جاتی ہے اور کہیں سو پچاس فٹ کی گہرائی پر جا کر میسر آتی ہے اس کے علاوہ زمین کی سطح کے اوپر بھی پانی کے دریا بہا دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ آسمان سے وقتاً فوقتاً آب مقطر نازل کرتا رہتا ہے۔ پانی انسانی زندگی کے لیے جس قدر ضروری اور اہم ہے اسی قدر کہہ ارض پر اس کی وافرانی کے سامان بھی مہیا کر دیئے گئے ہیں کہہ ارض پر خشکی اور پانی کی موجودگی کی نسبت بھی آپ کے سامنے ہے کہ تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی قرآن میں ان تمام اشیاء کو حرام کر دیا ہے جو مضر صحت ہیں بلکہ یہاں تک احتیاط رکھی گئی ہے کہ حلال جانوروں کی ان صورتوں اور ان کے اجزاء کو بھی حرام کر دیا ہے جن میں صحت کو خراب کرنے والے عنصر موجود ہیں جیسا کہ بہیمۃ الانعام کے مراد، خون اور غدود کا گوشت وغیرہ کی ایک لمبی تفصیل انسانی صحت ہی کے اہتمام کی ایک کڑی ہے۔

اب جس طرح جانوروں کی کچھ صورتیں حرام ہیں یہی حال پانی کا ہے یعنی اس کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ یہ بھی حرام ہو جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ سمندروں، دریاؤں، جوہڑوں، آبادیاں وغیر آباد کنوؤں، پیمپوں اور ٹیوب ویلوں سب کا پانی ایک جیسا نہیں ہے کہیں اس کا رنگ خراب ہے اور

کہیں ذائقہ اور اسی طرح کہیں اس میں سے بو آ رہی ہوتی ہے اور کہیں یہ ان تینوں خرابیوں سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اب ان مشاہدات پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پمپ اور ٹیوب ویل کا صاف پانی بھی پاک ہے اور جو ہڑکا بدبودار پانی بھی پاک ہے؟ نیز کیا ٹیوب ویل کا بے عیب پانی بھی حلال ہے اور بے آباد کنوئیں کا بدرنگ و بدذائقہ پانی بھی حلال ہے؟

قرآن نے ان تمام سوالوں اور الجھنوں کا جواب ذیل کی ایک ہی آیت میں دے دیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ (۱۶:۱۰) ”اللہ ہی وہ عظیم الشان ذات ہے جو تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کرتا ہے اس میں سے تمہارے پینے کا سامان ہے۔“

قرآن کریم کے فیصلے کے مطابق پینے کا یعنی حلال اور پاک و طیب پانی وہ ہے جو بارش کی صورت میں آسمان سے برستا ہے بارش کا پانی آب مقطر ہے جو خود ذائقہ، خود رنگ اور بے بو ہوتا ہے اور یاد رہے کہ ان تینوں اشیاء رنگ، بو، اور ذائقہ کے امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے چہرے پر تین آلے فٹ کر دیے ہیں یعنی آنکھ، ناک اور زبان۔

آنکھ پانی کا رنگ پہچانتی ہے، ناک بو بتاتی ہے اور زبان اس کے ذائقہ کی اطلاع دیتی ہے اب پانی کی حلت و حرمت کا فیصلہ آپ کے سامنے ہے کہ جو پانی، آنکھ، ناک اور زبان کے امتحان میں پاس ہو جائے وہ حلال ہے اور جو فیل ہو جائے وہ حرام ہے اگر پانی کا رنگ بدلا ہوا ہے مثلاً جو ہڑوں اور غیر آباد کنوؤں وغیرہ کا پانی تو وہ پینے کے لیے حلال نہیں اور اگر پانی سے بو آ رہی ہو مثلاً موریوں بدررووں کا پانی اور پیشاب وغیرہ یہ سب پانی حرام ہیں اور اسی طرح اگر پانی کا ذائقہ بدلا ہوا ہو مثلاً ندکنوئیں کا پانی تو وہ بھی حرام ہے غذائی صورتوں کے لیے حلال نہیں کھیتوں کے لیے مفید ہے۔

پانی جو خود ذائقہ، خود رنگ اور بے بو ہو وہ حلال بھی ہے اور پاک بھی ہے لیکن اگر کھڑے پانی میں ایک قطرہ گندی نالی کے پانی کا گر پڑے تو وہ سارا ناپاک ہو جائے گا اسے پینے اور غذائی ضروریات میں استعمال نہیں کرنا چاہیے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (۲۴۲:۲) ”اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں اور پاکیزگی کے خواہشمندوں کو پسند کرتا ہے“

دودھ:۔ عام مشروبات میں سے دودھ مانع ہے جو اللہ تعالیٰ کی تصرفاتی مشینوں میں تیار ہوتا ہے

حلال جانوروں کا دودھ حلال اور حلال دودھ کی مصنوعات کھویا، دہی، چھاچھ، بالائی، مکھن، اور گھی وغیرہ سب حلال ہیں گائے، بھینسیں اور بھیڑ بکریاں دودھ کی مشینیں ہیں۔ ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسَقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبْنَا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّرِبِینَ﴾ (۶۶:۱۲) ”اور بے شک چوپایوں میں تمہارے لیے عبرت کا نشان ہے، ہم ان کے پیٹوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار اور خوشذائقہ ہے“

اس آیت سے یہ غلطی نہیں لگنی چاہیے کہ یہاں چونکہ الانعام کا لفظ آیا ہے اس لیے حرام چوپایوں کا دودھ بھی حرام ہے واضح رہے کہ جو چوپائے جگالی نہیں کرتے وہ مطلقاً حرام ہیں غذائی ضروریات کے لحاظ سے ان کی ہر شے حرام ہے نیز واضح رہے کہ اس آیت میں گوبر اور خون کو ایک فہرست میں شامل کیا گیا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ حلال جانوروں کے خون ان کا گوبر اور موت بھی حرام ہے۔

شہد:۔ جس طرح دودھ بھی تصرف الہی سے تیار ہوتا ہے اسی طرح شہد بھی شہد کی مکھیاں تیار کرتی ہیں اور تصرف الہی بنایا ہوا یہ مشروب بھی دودھ کی طرح حلال ہے۔

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(۶۸:۱۲-۶۹) ”تیرے رب نے شہد کی مکھی کی جبلت میں یہ تعلیم رکھ دی ہے کہ تو پہاڑوں، درختوں اور چھجوں میں گھر بنا پھر تو ہر قسم کے میوؤں سے کھایا کر۔ پھر تو پوری فرمانبرداری کیساتھ اپنے رب کی راہوں پر چلتی رہ۔ اسکے پیٹوں سے پینے کی شے نکلتی ہے جو مختلف رنگوں کی ہوتی ہے اس میں نوع انسان کے لیے (بدنی بیماریوں کی) شفا ہے بیشک شہد کی تیاری میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے عبرت کا ایک نشان موجود ہے“

عام مشروبات: یاد رہے کہ عام مشروبات عرق شربت، چھاچھ، سوڈا وغیرہ پانی ہی سے تیار ہوتے ہیں پانی کی حلت کے تین سابقہ نشان میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نہ اس کا رنگ بدلا ہوا ہو اور نہ ذائقہ اور نہ

اس میں سے بو آتی ہو فلہذا عام مشروبات میں یہی نظریہ بنیادی اصول قرار پائیگا کہ نہ کسی مشروب کا رنگ اس کے حقیقی رنگ سے متغیر ہو نہ وہ بد ذائقہ ہو اور نہ اس میں سے کسی قسم کی بو آتی ہو، عرق شربت، چھاچھ، سوڈا وغیرہ مشروبات باسی اور پرانے ہو جائیں تو ان کے رنگ بھی بدل جاتے ہیں ذائقہ بھی خراب ہو جاتا ہے اور بالآخر ان میں بد بو بھی پیدا ہو جاتی ہے ایسے مشروبات حلال بھی نہیں اور وہ صحت کو بھی خراب کرتے ہیں یاد رکھئے گا کہ قرآن کریم کے پیش کردہ حلت و حرمت کے مسئلہ کی بنیاد ہی حفظان صحت کے اصول پر قائم ہے قرآن کریم کی حرام کردہ تمام اشیاء صحت کے لیے مضر ہیں۔

انڈے کی حلت و حرمت کا مسئلہ:- خلال جانوروں کا دودھ حلال اور گوبر، موت حرام ہے اس سے آگے اب یہ سوال ہے کہ حلال پرندوں کے انڈے حلال ہیں یا حرام؟ بد قسمتی سے مسلمانوں میں جہاں بے شمار مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں انڈے کے متعلق بھی بعض انسان یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ حلال جانوروں کے انڈے بھی حرام ہیں انڈے کے اندر چونکہ سیال شے پائی جاتی ہے اس لیے ہم نے اس کی بحث کو مائعات ہی کے باب میں داخل کیا ہے سابقہ صفحات میں آپ حلت و حرمت کے ضمن میں دیکھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ہر مقام پر کچھ نہ کچھ نشان بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً

۱۔ گھاس خور چوپایوں میں سے وہ حلال ہیں جو جگالی کرنے والے ہیں۔

۲۔ پرندوں میں سے وہ پرندے حلال ہیں جن کے دو پوٹ ہوں۔

۳۔ پانی کے جانوروں میں سے صرف وہ مچھلی حلال ہے جس میں رگوں کا خون موجود نہ ہو۔

۴۔ مشروبات کی حلت و حرمت کا تمیزی نشان یہ بتایا گیا ہے کہ نہ ان کا رنگ بدلا ہوا ہو اور نہ ذائقہ اور نہ ان میں بد بو پیدا ہو چکی ہو۔

اب چونکہ انڈا ایک ایسی شے ہے کہ اسکے خول میں ایک سیال بند ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس سیال پر بھی سیال ہی کی قرآنی حد عائد ہوگی اور وہ یہ ہے کہ انڈا اس وقت حرام ٹھہرے گا جب اس کے سیال مادے کا رنگ یا ذائقہ بدل چکا ہو اور یا اس میں بد بو پیدا ہو چکی ہو یہ ہیں خراب انڈے کے نشانات، موسم گرما میں زیادہ دیر پڑے رہنے سے انڈے میں مذکورہ بالا خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یعنی

اس کے سیال کارنگ بھی بدل جاتا ہے ذائقہ بھی ٹھیک نہیں رہتا اور اس میں بھی بدبو پیدا ہو جاتی ہے اس صورت کے سوا انڈا کبھی حرام نہیں ٹھہر سکتا۔

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرُشًا كُلُّوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ... ثَمْنِيَّةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ... وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ... قُلْ ذَا الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمَ الْأُنثَيْنِ أَمَا اشْتَمَلْتُ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيْنِ﴾ (۶: ۱۴۲، ۱۴۳) ”اور گھاس خور چوپایوں میں سے کچھ (قد آور) بوجھ اٹھانے والے پیدا کیے اور کچھ پست قد زمین سے لگے ہوئے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں (گھاس خور چوپائے) عطا کیے ہیں آٹھ قسمیں کھاؤ بھینڑنر مادہ کی قسم اور بکری نر مادہ کی قسم، اے رسول ﷺ! ان سے پوچھئے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام ٹھہرایا ہے یا ان دو موٹوں کو حرام کیا ہے یا اس شے کو حرام کیا ہے جو ان دونوں موٹوں کے پیٹ اٹھاتے ہیں“

آٹھ قسموں میں سے چار نر مادہ تو یہ ہوئیں اور باقی چار کے متعلق ارشاد فرمایا۔

﴿وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ذَا الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمَ الْأُنثَيْنِ أَمَا اشْتَمَلْتُ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيْنِ﴾ (۶: ۱۴۳) ”اور کھاؤ اونٹ نر مادہ کی قسم اور گائے نر مادہ کی قسم اے رسول ﷺ! ان سے پوچھئے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام ٹھہرایا ہے یا ان دونوں موٹوں کو حرام کیا ہے اور یا اس شے کو حرام کیا ہے جو ان دونوں موٹوں کے پیٹ اٹھاتے ہیں“

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے حلال جانوروں کے پیٹوں کے بچوں کی حلت کا استفہام کے حصر یہ انداز میں اعلان کیا ہے بس ظاہر ہے کہ حلال جانوروں کے پیٹ کے بچے بھی حلال ہیں بالفاظ دیگر مذکورہ بالا آیت مجیدہ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ حلال جانوروں کے جو بچے ہنوز کم عمر بھی ہوں وہ بھی حلال ہیں اور ان کے کھانے کی اجازت بھی ہے کیونکہ اس مفہوم کے سوا انما اشتملت علیہ ارحام الانثیین کے اعلان کا اور کوئی مقصد ثابت نہیں ہوتا اگر حلال جانوروں کے کم عمر بچوں کا کھانا حرام ہوتا تو انہیں جو ان کر کے ہی کھانے کی اجازت ہوتی تو وہ تو الذکرین حرام ام الانثیین کے الفاظ میں ہو چکی تھی اس کے بعد انما اشتملت علیہ ارحام الانثیین کے الفاظ آئے ہی اس امر کی وضاحت کے لیے ہیں کہ حلال جانور ہر حالت میں حلال ہیں خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان اور خواہ وہ ابھی بچے ہی

کیوں نہ ہوں۔

قرآن کریم کی رو سے جس طرح چوپایوں کے بچے حلال ہیں اسی طرح تدبر فی القرآن کی رو سے حلال پرندوں کے بچے بھی حلال ہیں چوپایوں کے بچوں سے متعلقہ قرآنی الفاظ کی طرف ان کی حلت کے اعلان میں اما اشملت علیہ ارحام الانثین سے ظاہر ہے کہ قرآنی شہادت کے مطابق وہ شے یقیناً حلال ہے جو مونث کے رحم کے اندر موجود ہے اب آپ دیکھتے ہیں کہ چار پایوں کی مونثوں کے پیٹوں میں بچے تیار ہوتے ہیں اور پرندوں کی مونثوں کے پیٹوں میں انڈے تیار ہوتے ہیں فلہذا جس طرح چار پایوں کی مونثوں کے پیٹ کے بچے قرآن کریم کی رو سے حلال ہیں اسی طرح پرندوں کی مونثوں کے پیٹوں کے انڈے بھی حلال ہیں انڈے کو حرام بتانے والے دوستوں کو اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

چند اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض معہ جواب :- انڈے کی حرمت کی دلیل کے حق میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جوابات یہ ہیں۔

پہلے نمبر پر کہا جاتا ہے کہ انڈا نہ بچہ ہے اور نہ اسے ذبح کیا جاسکتا ہے فلہذا انڈا حرام ہے کیونکہ اسے ذبح نہیں کیا جاسکتا جو باعرض ہے کہ انڈا چونکہ ابھی بچے کی سیٹج پر نہیں پایا ہوتا اور نہ ابھی اس میں رگوں کا خون بنا ہوتا ہے اس لیے اسے ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور اسکی حلت کی قرآنی دلیل اما اشملت علیہ ارحام الانثین سے عیاں ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے ماعوم کے ساتھ فرما دیا ہے اور یہ شے بھی عیاں ہے کہ جب ماعوم کے ساتھ مونثوں کے ارحام کے اشتملات کو قیاس کیا جائے تو جس طرح حلال چار پایہ مونثوں کے رحم کے بچے قرآن کریم کی رو سے حلال ہیں اسی طرح وہ شے بھی حلال ہے جس پر حلال پرندوں کی مونثوں کے رحم مشتمل ہیں اور وہ ہے انڈا کیونکہ پرندہ مونثوں کے پیٹوں سے بچے نہیں بلکہ انڈا پیدا ہوتے ہیں جن کی حلت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے اما اشملت ارحام الانثین کے الفاظ میں اما، ان کے ماعوم کیساتھ کر رکھا ہے۔

دوسرا اعتراض اور جواب :- دوسرے نمبر پر کہا جاتا ہے کہ انڈا مردہ ہے اس لیے حرام ہے جو باعرض ہے کہ انڈا مردہ نہیں اس میں بالقوت زندگی موجود ہے یعنی اس میں زندہ چوزہ بننے کی قوت و صلاحیت موجود ہے اس کی یہ زندگی اس وقت ختم ہوتی ہے جب وہ گندہ ہو جائے فلہذا گندہ انڈا بھی مردہ ہے اور حرام بھی ہے مگر تازہ انڈا جس میں چوزہ بننے کی صلاحیت موجود ہے نہ وہ مردہ ہے اور نہ حرام ہے۔

تیسرا اعتراض اور جواب :- تیسرے نمبر پر کہا جاتا ہے کہ انڈے کے اندر جو سیال مادہ ہوتا ہے اس سے چوزے کا گوشت، پر، پونچے اور خون بنتا ہے لیکن اب چونکہ خون حرام ہے اور انڈے کے اندر وہ شے موجود ہے جس سے خون بنتا ہے اس لیے انڈا حرام ہے جو باعرض ہے کہ اس کے ضمن میں صرف اتنی سی وضاحت کافی ہے اللہ تعالیٰ نے خون کو حرام کہا ہے مگر ان اشیاء پر حرمت کا فتویٰ ہرگز نہیں لگایا جن سے خون بنتا ہے۔

دیکھئے یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ جانور جو خوراک کھاتے ہیں اس سے ان کا خون بنتا ہے آپ اپنی بھینس کو جتنا زیادہ مناسب مقدار میں دانہ اور چارہ کھلائیں گے وہ اتنی موٹی ہوتی چلی جائے گی اس کے جسم میں گوشت اور خون کی فراوانی ہوگی تو گویا اس سے یہ ثابت ہوا کہ چارے اور دانے سے خون اور گوشت بنتا ہے حکیم ڈاکٹروں سے یہ امر مخفی نہیں کہ خوراک کے جوہر سے پہلے خون اور پھر گوشت تیار ہوتا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ چارہ اور دانہ جس سے خون بنتا ہے کیا وہ حرام ہے؟

خون خون کی حالت میں حرام ہے جب وہ خون بننے سے پہلے دانہ اور چارہ ہوتا ہے اور خون بننے کے بعد اس کا جو حصہ گوشت بن جاتا ہے وہ بھی حلال ہے یعنی ایک ہی شے خون بننے سے پہلے بھی حلال ہے اور خون بننے کے بعد بھی حلال ہے تو ثابت ہوا کہ حرام کا فتویٰ اس وقت تک کے لیے ہے جب وہ خون ہو تو اسی طرح انڈے کے سیال مادے میں اگر چہ وہ شے موجود ہے جس سے چوزے کا خون بنتا ہے لیکن یاد رہے کہ خون بننے سے پہلے وہ اسی طرح حلال ہے جس طرح خون بننے سے پہلے چارہ اور دانہ حلال ہے فلہذا معترض حضرات کا یہ اعتراض بھی محض اعتراض برائے اعتراض ہے جو نہ مشاہدات کے مطابق ہے اور نہ اپنے اندر کوئی وزن رکھتا ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ انڈا قرآن کریم کی آیت اما اشتملت ارحام الانثیین کے مطابق بالکل حلال ہے حرام ہرگز نہیں۔

چوتھا اعتراض:- چوتھے نمبر پر کہا جاتا ہے کہ انڈیا ایک غلیظ شے ہے اس کے سیال مادے میں ایک قسم کی بدبو ہے اس لیے حرام ہے جو باعرض ہے کہ یہ اعتراض بھی بالکل بے بنیاد ہے انڈے کے سیال مادے میں مطلقاً بدبو نہیں ہے البتہ اس میں سے مختلف نہایت خفیف صورت میں بدبو آتی ہے جو مرغ کے گوشت میں ہوتی ہے اسے بدبو کہنا بہت بڑی نادانی ہے غذائی اشیاء میں سے ہر شے کی بو اپنی اپنی ہوتی ہے جو آگ پر پکانے سے مطلقاً زائل ہو جاتی ہے مثلاً لہسن ہے پیاز ہے معمولی گوشت ہے ہر شے کی اپنی اپنی الگ الگ بو ہے اگر اس اپنی اپنی بو کی بدولت اشیاء کو حرام ٹھہرایا جائے تو مولیٰ

پیاز لہسن کے علاوہ ہر قسم کا گوشت بھی حرام ٹھہرنے کا یاد رہے کہ پانی کی حلت کے ضمن میں جو عدم بو کی قید لگی ہوئی ہے وہ اس لیے ہے کہ صحیح پانی بذاتہ مطلقاً بے بو ہوتا ہے پانی میں جب بھی بو پیدا ہوگی تو گندے ماحول کی بدولت سے پیدا ہوگی اور وہ اپنی قدرتی حالت پر نہیں رہے گا اور قدرتی حالت پر نہ رہنا ہی کسی حلال اشیاء کے حرام ٹھہرنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے۔

آپ پیاز ہی کو لیجئے! اس میں سے ایک بھیننی بھیننی بو آتی ہے جسے بدبو ہرگز نہیں کہا جاسکتا لیکن جب پیاز گندے ماحول کی بدولت خراب ہو جائے تو آپ دیکھتے ہیں کہ پھر اس میں سے بو نہیں بلکہ بدبو آنے لگتی ہے اور وہ حرام ہو جاتا ہے آم، انار وغیرہ کسی نفیس سے نفیس پھل ہی کو لے لیجئے! جب وہ گندے ماحول کی بدولت گندہ ہو جاتا ہے تو اس میں سے بدبو آنے لگتی ہے معترض حضرات کو اپنے اعتراض پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ انڈے کے سیال مادے میں بدبو ہرگز نہیں ہے بلکہ اس میں وہی بھیننی بھیننی خوشبو ہے جو مرغ کے گوشت کے اندر ہے پس جب کہ اس بو کی موجودگی میں مرغ کا گوشت حلال ہے تو انڈا بھی بدرجہ اولیٰ حلال ٹھہرا حرام ہرگز نہیں ہے۔

پانچواں اعتراض:- پانچویں نمبر پر کہا جاتا ہے کہ انڈے کھانا تبذیر (فضول خرچی) میں داخل ہے اگر اس سے بچہ نکالا جائے تو وہ پورا مرغ بن سکتا ہے مرغی بنے تو مزید کئی بچے پیدا کر سکتی ہے جو باعرض ہے کہ اعتراض انڈے پر وارد کیا گیا ہے کہ اگر بچہ نکلوا یا جاتا تو پورا مرغ بنتا یہی اعتراض چوزہ کھانے پر وارد ہوتا ہے کہ اگر اسے بڑا ہونے دیا جاتا تو پورا مرغ بن جاتا اگر مرغ بنتا تو سینکڑوں بچے پیدا کرنے کا موجب ہوتا معترض حضرات کا یہ اعتراض بھی بالکل بوجہ اور بے وزن ہے اس اعتراض کی رو

سے اگر انڈا کھانا حرام ہے تو چوزہ کھانا بھی حرام ثابت ہوتا ہے۔

برا دارن عزیز! اس وقت جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ ہے حلت و حرمت کا دورانندیشی اور کوتاہ اندیشی کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حلال جانوروں کے کم عمر بچے حلال ہیں یا حرام ہیں یہ سوال اپنے مقام پر ہے کہ حلال چوپایوں کے کم عمر بچوں کو کیوں ذبح کیا جائے کیوں نہ بچھڑے کو پورا بیل اور بچھڑی کو گائے بننے دیا جائے۔

ہر مسئلہ اپنے وقت کے لیے ہے ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں مہمان آئے تو قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے تلا ہوا بچھڑا ان کے سامنے پیش کیا فراغ الیٰ اہلہ فجماع بحمل سمین (۵۱:۲۶) ”ابراہیم چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک تلا ہوا بچھڑا لے کر آئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے بچھڑے کو کیوں پورا بیل نہ بننے دیا؟ جواب صاف ہے کہ ضرورت کے مطابق چونکہ حلال جانوروں کے بچے بھی حلال ہیں اس لیے وہ ضرورت کے مطابق ذبح کیے جاسکتے ہیں حتیٰ کہ اشملت ارحام الانثین کے قرآنی فیصلے کے مطابق رحم سے پیدا چوپائے کی مونث کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتے ہی حلال ہوتا ہے اسی طرح حلال پرندوں کی مونثوں کے پیٹوں سے انڈے پیدا ہوتے ہیں حلال ہوتا ہے اور کم عمر بچھڑوں بھینٹ بکری کے چھوٹے بچوں، مرغی کے چوزوں اور انڈوں کے کھانے میں دورانندیشی کا مسئلہ ایک الگ مسئلہ ہے کسی شے کے حلال ثابت ہونے سے مسلمانوں پر یہ امر لازم نہیں ہو جاتا کہ وہ ضرور اس شے کو روزانہ کھایا کریں۔

کسی حلال شے کا کھانا یا نہ کھانا افراد اور معاشرے کے اپنے حالات پر منحصر ہے گائے کا گوشت حلال ہے لیکن اسلام یہ قید کب لگاتا ہے کہ آپ ضرور ضرور گائے کا گوشت ہی کھائیں گائے اور بھینٹ بکری حلال ہے مگر گورنمنٹ پاکستان معاشرہ کے حالات کے مطابق ان حلال جانوروں کا گوشت ہفتے میں دو دن کے لیے کھانے سے ان جانوروں کی حلت کا مسئلہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا۔ صرف معاشرے کی حالت کے مطابق جب حکومت نے دیکھا کہ دودھ دینے والے جانور گائے بھینٹ چھری کے گھاٹ اتر کر ختم ہوتی چلی جا رہی ہیں اور ممکن ہے کہ گوشت خوری پر پابندی لگا دے گی اور اس طرح معاشرے کے حالات کے مطابق یہ حکم واپس بھی لیا جاسکتا ہے اسی طرح مرغی اور انڈے جس رفتار

سے کھائے جا رہے ہیں اس لیے دورانِ نشی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ انڈے چوزے اور مرغیاں نہ کھائی جائیں ہاں اس کے برعکس اگر معاشرہ کی حالت یہ ہو کہ مرغ اور مرغیاں کہیں دکھائی نہ دیں تو خود بخود یہ سوال سامنے آجائے گا کہ انڈے اور چوزے کھانے بند کر دینے چاہئیں۔

المختصر! یہ مسئلے معاشرہ کے وقتی مسائل ہیں۔ جنہیں حلت و حرمت کے بنیادی نظریے کے ساتھ مطلقاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ انڈے کی حلت کا مسئلہ قرآن نے واما اشتملت علیہ ارحام الانثیین کے الفاظ میں حل کر دیا ہوا ہے جس کی رو سے کم عمر بچہ، بھینٹ بکری کا کم عمر بچہ پرندوں کا چوزہ اور انڈا سب حلال ہیں۔

نوٹ:- انڈے کے متعلق مندرجہ بالا اعتراضات کے علاوہ اور بھی کچھ اعتراضات ہیں لیکن چونکہ وہ اخلاق سے گرے ہوئے ہیں اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرنے پر مجبور ہیں۔ اشارۃً عرض خدمت ہے کہ کہا جاتا ہے کہ انڈا جنسیات کا محرک ہے افسوس ہے کہ حضرات کو یاد نہیں رہتا کہ جوڑہ اس سے زیادہ محرک ہے اگر اس وجہ سے انڈے کو حرام مانا جائے تو مرغ بھی حرام ٹھہریگا اور اس کے ساتھ ساتھ مچھلی تیتڑ بٹیر وغیرہ بدرجہ اولیٰ حرام ٹھہریں گے۔

۳۔ گیس

مادہ کی تیسری حالت گیس ہے۔ ہوا گیسوں کا مجموعہ ہے آکسیجن ۲۱ فی صد اور نائٹروجن ۷۸ فی صد اور ایک فی صد دوسری گیسیں اور آبی بخارات ہیں ہوا زندگی کے لیے انتہائی ضروری آمیزہ ہے۔ ہوا کی حلت و حرمت کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ صاف ستھری ہوا کا سانس کے ذریعے اندر لے جانا حلال ہے اور ہوا جس میں آکسیجن کی مقدار کم اور دوسری گیسوں کی مقدار زیادہ ہو جائے تو صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ لہذا ایسی ہوا میں جان بوجھ کر سانس لینا حرام ہے اشیاء کے جلنے سڑنے سے جو گیسیں پیدا ہوتی ہیں اور دوسری زہریلی گیسوں سے بچنا ضروری ہے سگریٹ، تمباکو، حقہ وغیرہ کو جلا کر ان کا دھواں اندر لے جانا تجربات سے ظاہر ہو چکا ہے کہ مضر ہے۔ لہذا حرام ہے جو انسان سگریٹ،

نام مجلہ	اسلامائزیشن
مدیر اعلیٰ	ظفر اقبال خان
پتہ	فاروق نگر، حویلی بہادر شاہ جھنگ
اشاعت خاص	توحید نمبر 1, 2, 3, 4
قیمت	توحید نمبر اول ۵۰ روپے دوم ۱۰۰ روپے سوم ۱۰۰ روپے چہارم ۲۵۰
تبصرہ نگار	پروفیسر عبدالقدیر سلیم

سہ ماہی اسلامائزیشن مدیر اعلیٰ ظفر اقبال خان اور مدیر معاون محمد طارق نعیم اسدی کی کاوشوں سے شائع ہونے والا اپنی نوعیت کا ایک منفرد جریدہ ہے۔ جس کا ہر شمارہ اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے مرتبین کے نزدیک ”عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کا کوئی ایسا گوشہ باقی نہیں رہا جیسے عجمیت نے متاثر نہ کیا (۲:۱) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے اصل مفہوم میں عجمی تشریحات اور تاویلات سے اسلام کے چشمہ صافی میں طرح طرح کے شرک شامل ہو گئے ہیں جنہیں اس سے علیحدہ کرنا توحید کے اثبات کے لیے ضروری ہے یہ چاروں شمارے اسی سعی کا ایک بھرپور اور پر جوش اظہار ہیں۔

پہلے شمارے میں ظفر اقبال خان نے ”مقام توحید کی اسلامی تعبیر“ کے عنوان سے گویا اس پورے منصوبے کا تعارف کرایا ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خا کوانی نے ”کلمہ طیبہ میں لفظ الہ کا عام فہم معنی“ کے عنوان کے تحت قرآن و حدیث میں الہ کی اصطلاح کی تشریح کی ہے وہ ذات جس کا حکم مانا جائے، حکومت میں، عدالتی معاملات میں، حصول رزق اور معاشی امور نیز تمام معاشرتی اور سماجی دائروں میں۔ محمد سعود کا مضمون اسلام میں توحید اور عبادت کے تصور پر ہے۔

مجلے کی دوسری جلد کا عنوان ہی ”مقام توحید کی عجمی تعبیر“ ہے۔ یہ پورا شمارہ ہی ظفر اقبال خان کا تحریر کردہ ہے جس میں انہوں نے بنیادی طور پر صوفیاء و جود یہ کے قافلہ سالار ہسپانوی مفکر ابن عربی پر تنقید کی ہے ان کا کہنا ہے کہ بعد کے سارے مسلم فلاسفر اور صوفیاء نے ”وحدۃ الوجود“ ہی کو توحید کی اصل تشریح سمجھا ہے لیکن یہ نظریہ ابن عربی سے کہیں زیادہ قدیم ہے انہوں نے بڑی تفصیل سے قدیم ہندومت، بدھ مت، جین مت، سکھ مت، نیز یہودیت اور عیسائیت میں ”توحید“ (بمعنی شرک) کے

شواہد پیش کیے ہیں ان کے خیال میں مسلم فلاسفہ میں ”توحید“ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اصطلاحوں کے ذریعے داخل ہوئی اور سبھی صوفیاء اس کمنند کے اسیر ہو گئے ان میں دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کے مسالک کی کوئی قید نہیں مجد الف ثانی نے اگرچہ ابن عربی کی اس ”توحید“ (وحدت الوجود) پر سخت تنقید کی مگر ”وحدۃ الوجود“ اور ”وحدۃ الشہود“ کے درمیان صرف لفظی فرق ہے (۱۱:۲) وہ سرسید، محمد اقبال اور دوسرے روایتی عصری علماء کو بھی اسی فکری مرض میں مبتلا پاتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ”خطبات مدراس“ ☆ میں اقبال نے واشگاف انداز میں سریان اور اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں جاری و ساری ہے کی حمایت کی ہے اقبال اور ابن عربی کی الہیات میں کسی قسم کا فرق نہیں“ (۲۱۷:۲)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے جوش میں یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ ہر صاحب فکر اپنی سوچ میں مختلف ادوار سے گزرتا ہے شیخ مجد خود اعتراف کرتے ہیں کہ ان کا مسلک ابتداء ”وجودی“ تھا مگر وہ جلد ہی اس تنگ کوچے سے نکل آئے ایک مخصوص مرحلے پر مسالک کو یہ ”محسوس“ ہوتا ہے گویا سارا وجود ایک ہی ہے اور خالق و مخلوق میں کوئی دوئی نہیں مگر یہ حقیقت نہیں ہے، محض ایک ”شہود“ ☆ ہے دراصل خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق دونوں میں اس کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں۔ اقبال کی فکر کے بھی کئی درجات اور مرحلے ہیں کبھی وہ ہندوستان کو ”سارے جہاں سے اچھا“ اور خود کو اس گلستان کی بلبلوں میں شمار کرتے تھے اور پھر وہ ”مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“ کے مدعی ہوئے اگر ان کی ابتدائی نظموں میں ”وحدت الوجود“ کی جھلک نظر آتی ہے تو دیانت کا تقاضا ہے کہ ان کی بعد کی فکر کے نمونے بھی دیکھے جاتے ☆ سرسید اور محمد اقبال کی فکر کو بائزید بسطامی کی سطحیات اور فلاطینوس کے ساتھ جوڑنا مناسب نہیں۔

اسلامائزیشن کے تیسرے شمارے کا عنوان ہے ”فلسفہ توحید اور ذرائع علم کی عجمی تشکیل“ اس میں فکر کے منہاج، استخراج، استدراج، استقرار، وجدان، علم وحی، اللہ کی موجودگی کا اثبات جیسے عنوانات کی طویل بحثیں ہیں جہاں کہیں تضادات بھی محسوس ہوتے ہیں مثلاً شاہ ولی اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی علمی تحقیق سے ”وحدۃ الوجود“ کی پوری عمارت منہدم ہو جاتی ہے (۱۷۹) لیکن وہ یہ

بھی کہتے ہیں کہ صوفیائے خاندان سے وابستگی کی بناء پر وہ اس نظریے کا کلیہ رد نہ کر سکے ☆ (۲۲۵)

”فلسفہ توحید اور وحدۃ الوجود کا تحقیقی مطالعہ“ یہ عنوان ہے اس مجلے کے چوتھے شمارے کا پہلے طویل باب میں فلسفہ وحدۃ الوجود کی مختصر تشریح کے بعد فاضل مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ مسلمانوں کے اکثر مکاتب فکر میں توحید کے بنیادی عقیدے کا ماخذ ”حقیقت محمدیہ“ ہے جو وحدۃ الوجود کی بنیادی اینٹ ہے (ص ۲) مجدد ابن عربی کا اختلاف محض نزاع لفظی ہے (ص ۳۷) محمد قاسم نانوتوی، امداد اللہ مہاجر کی، عبدالحی لکھنوی، علامہ سعید احمد کاظمی، ڈاکٹر طاہر القادری، اشرف علی تھانوی، میروالی الدین، ثناء اللہ امرتسری، وحید الزماں خاں، صدیق حسن خاں، محدث عبداللہ روپڑی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، سید سلیمان ندوی، حفظ الرحمن سیوہاروی، ڈاکٹر برنیئر، ڈاکٹر تارا چند، عبدالحمید سواتی، حسرت موہانی، علی عباس جلاپوری، خواجہ غلام فرید، فرید الدین گنج شکر، شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، سلطان باہو، مرزا غلام احمد قادیانی اور یونس خان کے خیالات دربارہ وحدت الوجود (اسی ترتیب سے) کسی کو جاننے کا شوق ہو تو محترم ظفر اقبال خاں نے بڑی محنت سے ان کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے

اگرچہ اسلامائزیشن کے چاروں شماروں میں۔۔۔ سلف سے اختلاف کے باوجود ان کا ادب بہر حال مستحسن ہے تاہم اردو زبان میں وحدت الوجود کے مسئلے پر اس فروانی کے ساتھ گفتگو یقیناً ظفر اقبال خاں اور محمد طارق نعیم اسدی کا منفرد کارنامہ ہے اور اس عرق ریزی کے لیے وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں (بشکر یہ ترجمان القرآن، لاہور اگست ۲۰۰۵)

☆ ”اقبال کے الہیاتی تصورات کا تحقیقی مطالعہ“ میں اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ بعض ارباب علم کو یہ غلط فہمی اس لیے لائق ہوتی ہے کہ علامہ اقبال کی ذہنی ارتقا کی مکمل تصویر ان کے سامنے نہیں ہوتی اس کا اجمالی جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اقبال کے ذہنی ارتقاء کے تین مدارج ہیں۔ ان میں سے پہلے درجے کی طرف پروفیسر موصوف نے اشارہ کیا ہے لیکن دوسرے دونوں ادوار میں کچھ عرصہ ابن تیمیہ کی کتابوں کے مطالعہ سے ابن عربی سے بدظن ہو گئے لیکن جب براہ راست فصوص الحکم کا مطالعہ کیا تو بقیہ عمر وحدۃ الوجود کے گن گاتے رہے۔

دیکھئے پروفیسر سلیم چشتی شرح جاوید نامہ، ص ۲۳۸ اور فلسفہ الہیات کی تشکیل جدید، ص ۱۸۳

حلال و حرام اور وحدۃ الوجود

اے۔ ڈی خان سیال

وحدۃ الوجود کی آسان تشبیہ یہ ہے کہ وجود واحد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کائنات میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں اس وجود واحد کے اعراض ہیں یہ اعراض اللہ تعالیٰ کے وجود کے اعضاء اور جوارح ہیں ان اعراض سے حرکت و سکون کے ذریعے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے یہ ان اعراض کا ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ یہ جوارح اور اعضاء کی صورت میں اللہ کے ارادے کے مطابق کام کر رہے ہیں چونکہ کائنات کی ہر شے اس وجود واحد کے اعضاء اور جوارح ہیں لہذا ان میں حلال و حرام، کفر و اسلام اور حسن و قبح کے درمیان حقیقی امتیاز ثابت نہیں ہو سکتا۔ (فلسفہ اسلام اور پرویزیت کے الہیاتی تصورات یہ نظریہ ”وحدۃ الوجود“ ابن عربی کا ہے آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ ابن عربی ملت اسلامیہ کی ایک عظیم اور نامور شخصیت ہو گزرے ہیں اس نے وحدۃ الوجود کا نظریہ ساتویں صدی ہجری میں پیش کیا تھا اُس وقت چونکہ پوری ملت اسلامیہ ان کو ایک عظیم رہنما سمجھتی تھی اس لیے ملت اسلامیہ اس عظیم شخص کے نظریات کی تردید کیسے کر سکتی تھی اسی طرح ابن عربی کا نظریہ وحدۃ الوجود ملت اسلامیہ میں اس طرح داخل ہو گیا جس طرح گھپ اندھیرے میں نظر نہ آنے والی ایک چھوٹی سی چیونٹی کسی انسان کی جیب میں داخل ہو جائے۔ ابن عربی کے دیوانوں کو راہ حق پر لانے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے ایک شخص کے تین بیٹے تھے جو بڑے ذہین تھے وہ اپنے باپ کی غلط باتوں کو پختہ حقائق سے رد کر دیتے تو اسے بہت دکھ ہوتا لہذا اس نے ان سے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا اس نے تینوں بیٹوں سے جھوٹ کہا کہ کل سیر کو جائیں گے اس لیے تیاری کر لینا۔ اگلے روز وہ سیر کو نکلے راستے میں ایک ویران جگہ پر اس مکار باپ نے ایک گہرا گڑھا کھودا تھا اور اوپر سے اسے گھاس سے ڈھانپ دیا تھا اس کا خیال تھا کہ جب ہم اس پر سے گزریں گے تو میں چھلانگ لگا کر دوسرے کنارے کو دو جاؤں گا اور میرے بیٹے اسی گڑھے میں گر کر ختم ہو جائیں گے مگر قدرت نے اس سے بھی بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور جب وہ گڑھے پر پہنچ گئے تو اس نے چھلانگ لگا دی مگر تین چھلانگ لگاتے وقت اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ اپنے بیٹوں سمیت گڑھے میں گر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہمیں فسوس ہے تو اس کے بیٹوں کا جو بیٹنا ہوتے ہوئے

موت کے منہ میں چلے گئے یہ بات اہل حقیقت ہے کہ اگر ان کے باپ کا قرآن و سنت پر پختہ ایمان ہوتا تو نہ وہ خود گڑھے میں گرتا اور نہ اپنے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا۔

اس کائنات میں جتنی بھی اشیاء کے وجود سے شرکاء صدور ہو رہا ہے اس کی حقیقی نسبت اللہ ہی ذات کو ماننا پڑے گا آپ انصاف کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا ظلم اور شرک عظیم ہو گا لیکن آپ یہ سوچیں کہ کیا کسی انسان کی عقل سلیم یہ ماننے کو تیار ہے کہ جس وجود کے اعضاء و جوارح کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی دوسری مخلوق میں ضم کر دیا جائے تو کیا اس وجود کے اعضاء و جوارح اپنی اصلیت کھو بیٹھیں گے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ وہ اپنی اصلیت کھو دیں گے تو ایسے انسان کو یہ مثال چیلنج کر رہی ہے کہ اگر کسی انسان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو کیا ہم یہ کہہ سکیں گے کہ اب اس انسان کے اعضاء ٹکڑے ہونے کے بعد حیوان بن گئے ہیں کبھی نہیں کیونکہ کسی انسان کا قیمہ ہی کیوں نہ بنا دیا جائے وہ انسان ہی رہے گا ہم اس کو حیوان نہیں کہہ سکتے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ انسان ٹکڑے ہونے کے بعد حیوان بن گیا ہے تو انسان اور حیوان کے درمیان جو حقیقی امتیاز پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا اور ہم کھلم کھلا یہ کہہ سکیں گے کہ انسان حیوان بھی ہے اور حیوان انسان بھی۔ تو جب دونوں وجود (جو کہ اپنی الگ الگ خصوصیات رکھتے تھے) اپنی اصلیت کھو دیں گے تو پیچھے کیا بچے گا اس لیے دونوں وجود اپنی ہی ذات کی نشی کر دیں گے اور اب ظاہر ہے کہ جو وجود اپنی ذات کی نشی کر رہا ہو تو وہ دوسرے وجود کو کیسے ثابت مانے گا۔ اس مثال سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کا کائنات کی کسی بھی شے پر اطلاق کیا گیا تو وہ شے بھی اللہ کا جز اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی حامل ثابت ہوگی۔ چونکہ صفت اپنے موصوف سے علیحدہ نہیں ہو سکتی اس لیے کائنات کی جس شے پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا اطلاق کیا جا رہا ہے وہ شے بھی الہ ثابت ہوگی۔

یہیں سے ملت اسلامیہ کی بربادی کی داستان شروع ہوتی ہے لیکن یہ الفاظ پڑھتے ہوئے بریلوی، دیوبندی، حنفی یا دوسرے مسالک کا انسان یہ کہے کہ ہمارے مسلک کا وحدۃ الوجود سے کوئی تعلق نہیں یہ لوگ لفظی طور پر تو وحدۃ الوجود کا انکار کرتے ہیں مگر نظر یہ وحدۃ الوجود ان کے بڑے بڑے رہنما ائمہ نے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور یہ نظر یہ ان کی کتابوں میں ایک بنیادی اینٹ کی حیثیت سے

موجود ہے اگر آپ اب بھی یقین نہ کریں تو یہی ایک مثال ہی آپ کو چیلنج کرنے کے لیے کافی ہے کہ ایک شخص کے پانچ بیٹے ہیں ان پانچوں کے درمیان کچھ مذہبی نظریاتی اور گروہی اختلافات ہیں یہ اختلافات ان پانچوں کے درمیان آپس کی چیقلش اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہیں لیکن اتنے اختلافات کے باوجود پانچوں بھائی اپنے باپ کا انکار تو نہیں کر سکتے باپ تو ان کا ایک ہی ہے۔

نوٹ: یہاں پر پانچ بھائیوں سے مراد یریلوی، دیوبندی اہلحدیث، حنفی اور دوسرے مسالک مراد ہیں جبکہ باپ کی جگہ نظریہ وحدۃ الوجود مراد ہے۔

یہاں تک لکھنے کے بعد آپ وحدۃ الوجود کی حقیقت کو سمجھ چکے ہوں گے اور اصل حقیقت آپ پر ظاہر ہو چکی ہوگی لیکن ملت اسلامیہ نے جس نظریے کو اپنی بنیاد بنایا ہوا ہے اس نظریے کی قرآن کریم کے حرف اول سے ہی تردید ہو رہی ہے وہ یہ حرف ہے الحمد للہ رب العالمین۔ آپ ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ امت جب قرآن کریم کے حرف اول ہی کی مخالفت کر رہی ہے تو باقی قرآن سے یہ کیسا سلوک کرے گی۔

کرتارہا قرآن جس کو لاکھوں سال بیان افسوس! کہ ہم اس کا حق ادا نہ کر سکے

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ وجود دو ہیں یعنی ایک خالق اور دوسری مخلوق۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں کی الگ الگ خصوصیات، صفات اور خوبیاں ہوگی مخلوق کی کروڑوں صفات میں سے کسی ایک صفت کا بھی خالق پر اطلاق نہیں ہو سکتا اور خالق کی کروڑوں صفات میں سے کسی ایک صفت کا بھی مخلوق پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے قرآن کے حرف اول نے کتنے باطل نظریات کا رد کر دیا ہے۔

کچھ مسالک کے لوگوں نے نظریہ وحدۃ الوجود کی تردید ہوتے دیکھ کر وحدۃ الشہود کو اپنا لیا ہے ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں صرف لفظی فرق ہے ورنہ متعدد دونوں کا ایک ہی ہے ہم اس نظریہ پر مزید کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے اس نظریے کی تردید کے لیے صرف یہی کافی ہے ابن عربی رب کی صفات کو عالمین میں ثابت کرتے ہیں جبکہ مجدد الف ثانی عالمین کی صفات کو رب میں ثابت کرتا ہے اس امت کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی فرصت ہی نہیں بلکہ صرف اور صرف رسول مہذبہ کی امت ہونے کا گھمنڈ ہے انہوں نے اپنے ہی گھڑے ہوئے نظریات کو قرآن پر فوقیت

دی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو پس پشت ڈال کر اب یہ امت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اس امت نے ایک ایسا غلط کارنامہ سرانجام دے دیا ہے جس کو آج تک عالم کفر بھی سرانجام نہیں دے سکا۔

آپ کس قدر خسارے میں جا چکے ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے قرآن میں غور کیا اور وہی احتیاط سے کام لیا اور اب تباہی و بربادی دو قدم آگے آپ کے انتظار میں کھڑی ہے اس سے پہلے کہ تم تباہی و بربادی کے قریب پہنچ جاؤ یا وہ تمہارے سروں پر آ پہنچے اپنے اعمال کا جائزہ لو اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو تا کہ تم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکو یہ کوئی عام مسئلہ نہیں بلکہ آپ کی کامیابی و ناکامی کا مسئلہ ہے امید ہے کہ آپ یہ پڑھتے ہوئے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی فکر آپ کو ضرور لاحق ہوئی ہوگی لیکن اصل حقیقت معلوم ہونے کے بعد بھی آپ خاموش تماشاخی بنے رہے تو وہ دن دور نہیں جب عالم کفر تم پر غالب آجائے گا لیکن چونکہ آخری فتح حق کی ہوگی اس لیے آپ مایوس نہ ہوں اور اپنے رب سے مغفرت طلب کر دو اور اسی سے مدد کی امید رکھو کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارے گزشتہ اعمال کو بخش دے گا کیونکہ وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔

روزی کمانے کے لیے ایسے ذرائع اختیار کیے جائے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جائز قرار دیئے ہوں حلال روزی کمانے کے لیے ضروری ہے کہ شے بھی حلال ہو اور حصول کا ذریعہ بھی حلال ہو لیکن ہمارے ہاں تو یہ رواج ہے کہ صرف اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ شے حلال ہو جبکہ حصول کا ذریعہ حرام ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسلام نے رشوت، بددیانتی، بلیک مارکیٹنگ، ملاوٹ، سمگلنگ، سود، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، چوری، ڈکیتی، نو سر بازی، غبن اور دھوکہ کے ذریعے روزی کمانے کو حرام قرار دیا ہے اور قیامت کے روز اس کی بہت سخت سزا مقرر ہے۔

☆ حلال کی کمائی سے انسان میں عزت نفس پیدا ہوتی ہے۔

☆ اسے سکون قلب نصیب ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

☆ حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی انسان اکثر بے پرواہی سے فضول کاموں میں خرچ کرتا ہے

☆ حرام کمانے والے کو معاشرے میں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے وہ ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے

☆ حرام خوراک اور اس کے رسول کا کھلا دشمن ہے حرام کمانے والے کی نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ دعا۔
اب ضروری تو یہ تھا کہ ہر مسلمان حلال و حرام کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حرام کی کمائی سے
ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتا اور حلال ہی پر اکتفا کرتا لیکن آج کے اس جدید دور میں دولت کمانے کی دھن
نے مسلمانوں کو حلال و حرام کی اہمیت اور دنیا و آخرت کی بھلائی سے کوسوں دور کر دیا ہے رشوت،
بددیانتی، چوری اور دھوکہ فریب کے ذریعے روزی کمانے کا ظالم سماج ہمارے معاشرے کو دیمک کی
طرح چاٹ رہا ہے حرام خوراک نے خود کبھی سوچا ہی نہیں کہ وہ حرام کی کمائی سے اپنے آپ پر کتنا ظلم کر رہا
ہے اور اس کی اس بے پرواہی کے اثرات اس کی آئندہ نسلوں تک پہنچتے رہیں گے کیونکہ محمد ﷺ کا
فرمان ہے کہ ”حرام کی کمائی سے پلا بڑھا گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا“

کچھ انسانوں کا قول ہے کہ ہر ظلم کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہوتی ہے اور ہر ظالم کو اس کے اعمال بد کا پورا
پورا بدل مل جاتا ہے لہذا ایسے حرام خوروں پر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت مضبوط ہوتی ہے تو دنیا کی کوئی
طاقت بھی ان کو موت کے منہ میں جانے سے نہیں بچا سکتی اور جس انسان نے بھی حرام خوراک کو بچانے
کے لیے اللہ تعالیٰ کی طاقت کو چیلنج کیا تو وہ خود ہی پاش پاش ہو جائیگا اور دنیا سے اس کا نام و نشان بھی
مٹ جائے گا مثلاً ایک حرام خوراک کی موت قریب ہے تو اس کا ساتھی اس کو بچانے کے لیے یہ کہتا ہے کہ
اب اگر اللہ بھی چاہے تو میرے ساتھی پر موت نہیں آسکتی لیکن ابھی اس نے حرام خوراک کو بچانے کے لیے
اللہ تعالیٰ کی طاقت کو اتنا چیلنج کیا ہی تھا کہ موت کے فرشتے نے اسی کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے ایک حرام خوراک کی داستان حیات کا انجام لکھ دیتے
ہیں تاکہ ہر مسلمان حرام کمائی سے بچا رہے اور حلال ہی پر اکتفا کرے:-

”منیر اور بشیر دونوں سگے بھائی تھے ان کے والد کا نام عمیر تھا جو کہ ایک بہت بڑا فلمی ڈائریکٹر تھا
جس کی فلموں کی دھوم پوری دنیا میں مچی ہوئی تھی اور قدرت نے اسے دولت سے مالا مال کر رکھا تھا
کوئی ایسی شے نہ تھی جو اس کے پاس موجود نہ ہو۔ دولت کے ڈھیر ہوتے ہوئے بھی اسے کو سکون میسر نہ
تھا اس لیے وہ اس بات کا حل چاہتا تھا۔

ایک دن اس کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی تو اس نے مولوی صاحب سے کہا کہ ”اتنی

دولت اور ہر شے کے ہوتے ہوئے بھی مجھے سکون نہیں مل سکا“ درویش نے یہ سنتے ہی بڑی دلیری سے جواب دیا کہ اسلام میں ہر فحش کام کے ذریعے روزی کمانا حرام ہے جب آپ روزی بھی ناجائز اور حرام ذریعہ سے کما رہے ہیں اور اپنے ہی بھائیوں کا پیسہ بڑی بیدردی سے لوٹ رہے ہیں تو تمہیں سکون کیسے میسر ہوا اگر سکون چاہتے ہو تو ایسے ذرائع سے روزی کماؤ جو ہمارے دین نے جائز قرار دیئے ہوں۔

یہ جواب سن کر عمیر پریشان رہنے لگا کیونکہ اس نے بچپن سے لیکر ڈھلتی عمر تک سارا وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دیا تھا اور اب جب کہ وہ بوڑھا ہو چکا تو اب کیا کر سکتا اس لیے اس نے پریشانی کی حالت میں فلمی بورڈ سے استعفیٰ لے لیا اور اپنے گھر ہی پر رہنے لگا اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا مگر اب وہ کیسے اپنے رب کو راضی کر سکتا تھا آج کے اس جدید دور میں اکثر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ برائے نام ہی مسلمان کہلوانا پسند کرتے ہیں ورنہ ان میں تو ایسی کوئی ایک صفت بھی موجود نہیں جو ایک حقیقی مسلمان میں ہوتی ہے ایسے انسان جب دنیا خوب کما لیتے ہیں اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں تو اپنی زندگی کے آخری ایام میں نمازیں پڑھنی شروع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے لگتے ہیں مگر جس انسان نے اپنی آدھی سے زیادہ زندگی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزار دی ہو تو زندگی کے آخری ایام میں اس کی مغفرت کیسے ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کچھ دن ہی گزرے تھے کہ عمیر بیمار ہو گیا اور جب اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں منیر اور بشیر کو اپنے پاس بلایا اور رو کر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹو! میں نے تو اپنی ساری زندگی اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے گزار دی اب تم بھی میری طرح ہی اپنے رب کی نافرمانی نہ کرنا اور حرام مال زندگی بھر نہ کمانا خواہ اس وجہ سے تم بالکل ہی مفلوج الحال ہی کیوں نہ ہو جاؤ میں نے تو حرام کما کر اپنے آپ اور تم پر بڑا ظلم کیا ہے لہذا تم ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے گزارنا اور اس کی ناراضگی سے بچنا منیر نے دونوں بیٹوں سے کہا کہ کیا آپ میری وصیت پر ثابت قدم رہیں گے دونوں بھائیوں نے زوردار جواب دیا: ہاں۔ منیر اپنے بیٹوں کے اس جواب کو سن کر مطمئن ہو گیا۔

اپنے بیٹوں کے اس جواب کو سن کر مطمئن ہو گیا۔

کچھ دن ہی گزرے تھے کہ منیر کا انتقال ہو گیا اب یہ نازک وقت دونوں بھائیوں کے لیے پریشان کن تھا دونوں بھائی اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے یہیں سے منیر کی تباہی و بربادی جبکہ بشر کی کامیابی و کامرانی کی داستان الم شروع ہوتی ہے باپ کے انتقال کے بعد منیر نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کر لیا لیکن بشر نے منیر کو اپنے باپ سے کیا گیا وعدہ یاد دلایا اور کہا کہ جب ہم کو والد نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ”حرام مال زندگی بھر نہ کمانا خواہ اس وجہ سے تم بالکل مفلوج الحال ہی کیوں نہ ہو جاؤ“ تو تم اس وقت یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ابا جان۔ ہم مفلوج ہو کر زندگی نہیں گزار سکتے۔ منیر نے یہ باتیں سننے کے بعد بشر کو جواب دیا کہ زندگی تو صرف چند دن کی ہے خوب مزے اڑاتے ہیں۔ اب بشر کو منیر کی تباہی و بربادی صاف طور پر نظر آرہی تھی وہ منیر سے مزید کچھ کہے بغیر ہی چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد منیر اپنے باپ کی طرح پوری دنیا میں مشہور ہو گیا دولت کمانے کی دھن نے منیر کو اندھا اور مغرور کر دیا ابھی اس کو یہ کاروبار شروع کرتے کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ منیر کا فلمی بورڈ کے چیئرمین سے جھگڑا ہو گیا اور منیر کو بورڈ سے فارغ کر دیا گیا۔

دوسری طرف بشر جو اپنے باپ سے کیے گئے وعدے پر ثابت قدم تھا وہ اپنے پروردگار کی ناراضگی سے بچ کر اپنے ہاتھ کی حلال کمائی پر گزارہ کر رہا تھا صرف حلال ہی پر قناعت کرتا تھا وہ انسانوں کے دلوں کا تارابن گیا پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا، زکوٰۃ دیتا اور روزے رکھتا تھا اور وہ بڑی پرسکون زندگی بسر کر رہا تھا۔

کچھ انسانوں کا قول ہے کہ ہر دو لہتمند انسان ایک نہ ایک دن ضرور زوال پذیر ہوتا ہے چاہے اس انسان کو بچانے کی خاطر ساری دنیا کی دولت اسے کیوں نہ دی جائے یہی حال اب منیر کا تھا جو دولت اس نے حرام ذریعہ سے کمائی وہ دن بدن ختم ہوتی جا رہی تھی منیر اس صورتحال سے پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک تدبیر آگئی تو اس کی پریشانی جاتی رہی وہ تدبیر یہ تھی کہ لوٹ مار اور ڈاکے سے بہت دولت کمائی جاسکتی ہے پھر کیا تھا اس نے ہتھیار خرید لیے اور دن رات ڈاکے مارنا شروع کر دیئے اس نے کئی بڑے بڑے امیر انسانوں کے قیمتی سامان، زیورات

اور پیسے چرائیے تھے لوگ پولیس کو ہر وقت شکایت کرتے تھے پہلے تو پولیس نے منیر کو پکڑنے کی کوشش ہی نہیں کی لیکن کسی دفعہ پکڑ لیتے تو بھاری رشوت لے کر چھوڑ دیتے اور لوگوں سے کہتے کہ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا چند منٹ پہلے مفلسی کا شکار ہونے کے ڈر سے یہ کاروبار کرنے والا منیر اب دوبارہ دولت میں کھیل رہا تھا لوٹ مار اور ڈاکے اس کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا کئی انسانوں کو تو اس نے قتل کر دیا تھا انسانوں کی شکایتوں سے پولیس تنگ ہو گئی تھی آخر کار ایک دن پولیس نے ایک بہت بڑا آپریشن کر کے منیر کو گرفتار کر لیا گرفتاری سے پہلے منیر اور پولیس میں فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا کئی پولیس کے آدمی زخمی ہو گئے پولیس نے منیر کو گرفتار کرتے ہی منیر کے ظلم کا شکار ہونے والے انسانوں کی تحویل میں دے دیا ہر مظلوم نے منیر کی خوب پٹائی کی اور منیر کا بھر کس نکال دیا اس کے بعد منیر کو تھانہ میں بند کر دیا گیا منیر اب مکمل طور پر تباہ و برباد ہو چکا تھا اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی عدالت میں پیشی کے دوران منیر کے ساتھیوں نے ہر ممکن کوشش کی کسی طرح منیر کے وکیل کو بھاری رشوت دے منیر کی زبردست حمایت کے لیے قائل کر لیا جائے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ہر ظلم کی کوئی نہ کوئی انتہاء ہوتی ہے اور۔۔۔۔۔ لہذا ایسے ظالم اور حرام خور پر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت مضبوط ہوتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو موت کے منہ میں جانے سے نہیں بچا سکتی اور جس انسان نے بھی حرام خور کو بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طاقت کو چیلنج کیا تو وہ خود ہی پاش پاش ہو جائیگا۔ عدالت نے منیر کو دس سال قید اور اس کے بعد پھانسی کا حکم سنایا عدالت نے مزید وارنٹ جاری کیا کہ جن انسانوں نے منیر کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی تھی ان کو بھی گرفتار کیا جائے۔

دس سال گزرنے میں آج آخری دن تھا اور منیر اپنے انجام سے باخبر تھا جو نبی سورج غروب ہوا منیر کو پھانسی دیدی گئی منیر کے حمایتیوں کو گرفتار ہوئے تین سال گزر چکے ہیں انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ منیر کی حمایت کر کے انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

یہ تو تھی ایک حرام خور کی دنیا میں رسوا کن داستان حیات لیکن آخرت تو اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگی جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا آپ ایک حرام خور کا انجام پڑھ چکے ہیں لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حرام کھائی سے بچے اور ہمیشہ حلال ہی پر اکتفا کرے ورنہ حرام کمانے والے انسانوں کا انجام ایسا ہی ہوگا جیسا کہ منیر کا ہوا ہے آخر میں میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو حرام کمانے سے بچائے اور حلال کمانی پر ثابت قدم رکھے۔

پرویزیت کے الہیاتی تصورات

ظفر اقبال خان

1200

750 روپے

ادارہ اسلامیہ حویلی بہادر شاہ جھنگ

ڈاکٹر وحید عشرت

کتاب

مصنف

صفحات

قیمت مکمل سیٹ

اشاعت

تبصرہ نگار

ہر مذہب، فلسفے اور مابعد الطبیعیات میں الہ کا تصور اساسی ہوتا ہے بلکہ ہر نظام کا بنیادی مرکز و محور بھی یہی تصور ہے۔ اگرچہ ہر مذہب اور نظام میں الہ واحد کا نکتہ مشترک ہے اور کوئی بھی مذہب اور فلسفہ اللہ کی احدیت سے صرف نظر نہیں کرتا مگر جب اس تصور کو علمی موشگافیوں اور تفسیر و تعبیر کی کٹھنائیوں سے گزارا جاتا ہے تو یہ ایک عجیب چستان بن جاتا ہے اور مشترک آلائش اسی میں در آتی ہیں اور یہ تصور کہنا لگتا ہے۔

جناب ظفر اقبال خان مسلم فکریات اور فلسفے میں گہری بصیرت رکھتے ہیں اللہ کی ذات و صفات، تصور زماں و مکان، تصور تقدیر جیسے موضوعات پر گہری دسترس اور ادراک رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایم فل کے مقالے میں عصر حاضر کی ایک مسحور کن شخصیت کے تصور الہ پر نہایت مدلل اور جامعیت کے ساتھ مقالہ لکھا ہے۔ ایم فل کی ڈگری کے کام سے یہ کہیں زیادہ وقیع اور معتبر تحریر ہے۔ انہوں نے غلام احمد پرویز کا ایسا محاکمہ کیا ہے کہ ان کی فکر کا تیا پانچہ ہو گیا ہے۔ رد پرویزیت میں اسے علمی سطح پر سنگ میل تصور کیا جائے گا۔ یہ مقالہ صرف غلام احمد پرویز پر ہی نقد نہیں بلکہ مختلف ادیان اور الہیاتی فلسفوں کے تصور الہ سے بھی اس سے کما حقہ آگاہی ہوتی ہے اور ہمیں اسلامی تصور الہ کے سمجھنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔

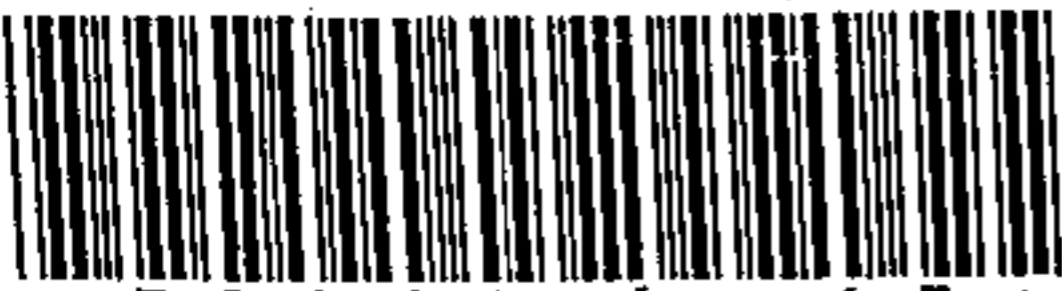
ظفر اقبال خان چونکہ جدید اور قدیم مغربی فلسفے سے آگاہ ہیں لہذا ان کے

تصورات میں وسعت ہے۔ امید ہے یہ مقالہ مصنف کے فلسفے اور الہ کے تصور کے

شناخت بنے گا۔

297.31

ظ 12



* 7 0 2 6 4 - U - 6 7 *

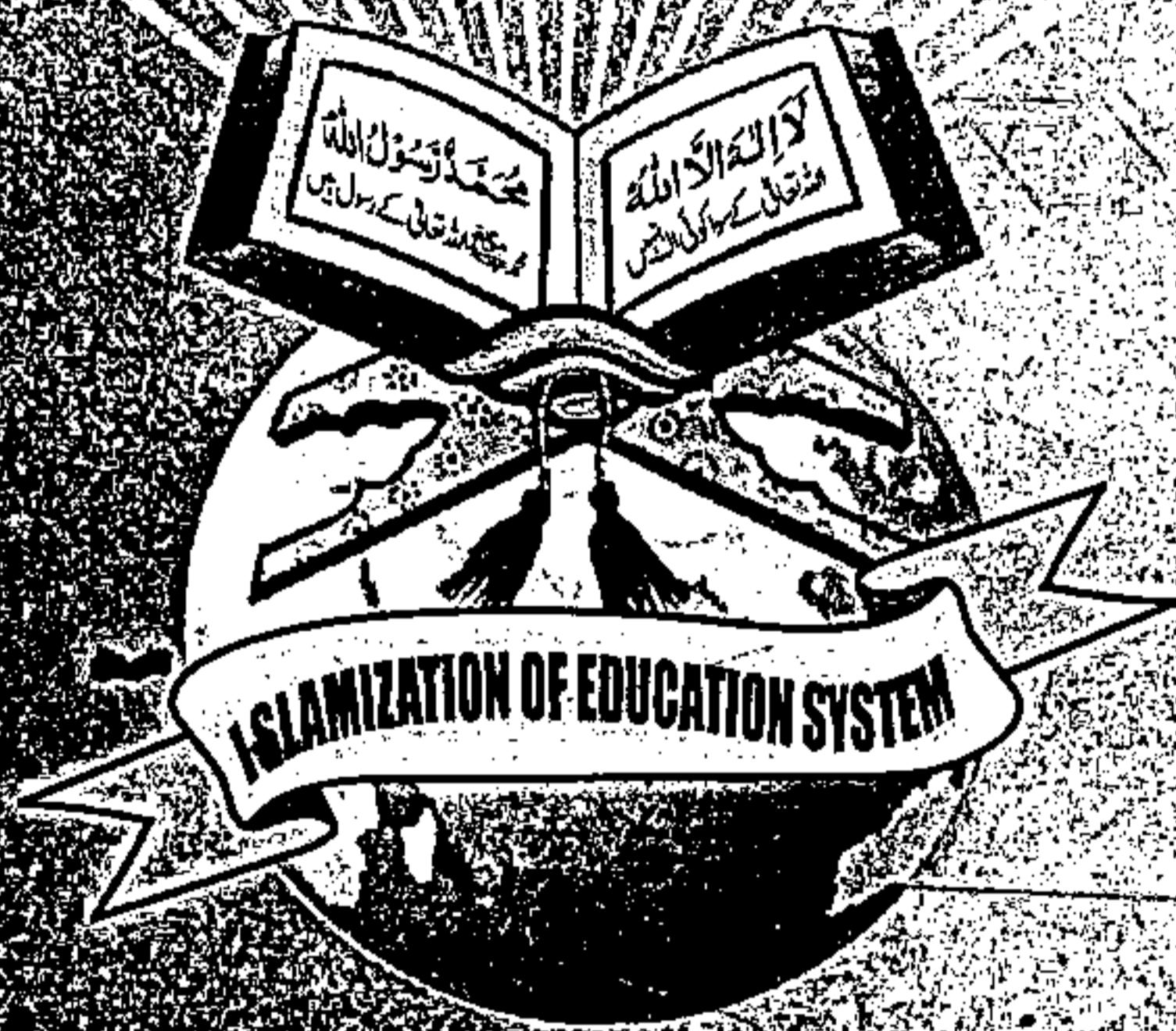
جہاں
لاصلہ

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ قرآنی
کردہ ام در دین پرویزی نگاہ

اسلام میں حالتِ حرمت کی حقیقت

ایک تحقیقی مطالعہ

مَاعِظَمَ اللّٰهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ



ظفر اقبال خان

الامیہ حویلی بہادر شاہ جہنگ